جدید سوانحی ادب
ساقی ارباب ذوق
0305 6406067
PDF Book Company
تحقیق و تجزیہ:
خالد محمود خان

جدید سوانحی اَدَب

تحقیق و تجزیہ:

خالد محمود خان

نام کتاب	:	جدید سوانحی اَدَب
مصنف	:	خالدمحمود خان
اشاعت	:	ای بُکس
کمپوزنگ	:	راشدعلی شاکر
سرورق	:	راشدعلی شاکر
سال	:	2023
قیمت	:	فری۔ڈاوَن لوڈ
رابطہ،حوالہ	:	ای میل:khalidmk8@gmail.com

فیس بک لنک

https://www.facebook.com/profile.php?id=100077741072875

یوٹیوب؛عوام کا پاکستان

لنک

https://www.youtube.com/channel/UCovN_TsX74wlSqGLuoZ690w

ٹوِٹر:Awamkapakistan8

انسٹاگرام:۔۔۔۔۔۔

ویب سائٹ۔۔۔۔۔۔

وِکّی پیڈیا۔۔۔۔۔۔

فہرست مضامین

سوانحی اَدب، صِنفِ اَدب

سوچنے، لکھنے والے لوگ ادیب ہوتے ہیں۔ وہ فکری، تخلیقی اور تحریری کام کرتے ہیں۔ اُن کے موضوعات مختلف ہوتے ہیں جن کو مختلف اصنافِ ادب میں پیش کیا جاتا ہے۔ اَدب کی اصناف میں شاعری سب سے نمایاں صنف ہے۔ اِس کے علاوہ نثر میں فکشن، داستان، مضامین، مقالہ جات جیسی اصناف شامل ہیں۔ سوانحی صنف کسی کی زندگی کا منظر نامہ اور اُس کے متعلق مصنف کے خیالات پر مبنی ہوتی ہے۔ افراد اپنی زندگی، تجربات اور واقعات سے متعلق لکھتے ہیں۔ ایسی تحریر کو خودنوشت autoboigraphy کہا جاتا ہے۔ خودنوشت میں مصنف کا اپنے آپ سے سامنا ہوتا ہے اور سوانح عمری میں کسی اور سے۔ یہ فرق تحریر پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق کوئی دوسرا تحریر و تحقیق پیش کرتا ہے تو اُسے سوانح عمری biography کہا جاتا ہے۔ سوانحی ادب کی دونوں اقسام میں فرق ہوتا ہے۔ خود نوشت خود سے اپنے بارے میں لکھی جاتی ہے۔ سوانحی عمری کسی کے متعلق کوئی اور تحریر کرتا ہے۔ تحریر و تحقیق کرنے والے ادیب اپنی تحریر میں سے اپنے فرد، شخص، نفسیات، اخلاقیات، فکر و اقدار کو منہا نہیں کر سکتے۔ سوانحی ادب مکمل طور پر موضوعی subjective نہیں ہوتا بلکہ کافی حد تک معروضی objective ہوتا ہے۔ سوانحی ادب کی یہ دونوں امتزاجی وصف اُس کو تخلیقی، ذاتی اور معروضی تشکیل عطا کرتے ہیں۔ خودنوشت اور سوانحی عمری، ہر دو قسم کی تحریروں میں موضوعیت اور معروضیت کسی نہ کسی درجہ کی موجود رہتی ہے۔ یہ امر کسی تنقیص و خطا کی بنیاد نہیں ہوتا۔ بلکہ انسانی نقص اور خطا کو نہ صرف قبولیت عطا کرتا ہے بلکہ اُس کی شرح بھی۔ سوانحی ادب میں تخلیقی اخلاقیات افراد اور معاشروں میں تحمل، برداشت، مفاہمت اور قبولیت کی استطاعت پیدا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اُردو ادب میں جوشؔ ملیح آبادی کی خودنوشت ''یادوں کی بارات'' میں ایسا بہت کچھ ہے جو نہ ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔ مگر جو کچھ جوشؔ کے درُون و بیرُون میں تھا وہ اُس نے پیش کر دیا۔ اُس کے مطالعہ کار خاص تحمل، بردباری کا رویّہ اختیار کرتے ہوئے اُس کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ اُس کی ممکنہ خطا کاری قاری کو تخلیقی درس و عبرت کا ثمر عطا کرتی ہے۔ انسانی خطا کا اظہار نہ ہو تو اُس کا اِدراک ممکن نہیں ہوتا۔ برائی تو برائی ہوتی؛ اُس کی تشریح میں نیکی ہوتی ہے۔ سوانحی ادب میں کردار کی اقدار اُس کی سیرت ہوتی ہیں۔ سوانح میں فرد کے خیال، اعمال، کردار اور انسانی تعلقات اُس کی سیرت کا محیط ہوتے ہیں۔ ''سیرت'' بذات خود ایک صنفِ ادب ہے مگر سوانحی ادب میں ہمیشہ شامل رہتی ہے۔ فرد کی کرداری اقدار اور سیرت کے مطالعہ کاروں کو ''انگیخت inspire'' کرتی ہیں۔ انسپائریشن تخلیقی جوش و جذبہ اور فکری و فنکارانہ عمل ہوتا ہے جو کسی دوسرے سے متاثر ہونے کے نتیجہ میں روشن ہو جاتا ہے۔ اِس سے ''جِلا'' بھی کہا جائے تو بہت مناسب ہوگا۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی شمعِ فروزاں کے پاس کوئی چراغِ خاموش اچانک جلِی

ہو جائے۔ یہ عمل سوانحی ادب میں انسپائریشن کی مثال ہے۔

سوانحی ادب میں جس کے متعلق تحریر و تحقیق کی جاتی ہے اُس فرد، شخص، کردار اور سیرت میں کوئی خاص بات ہوتی ہے۔ وہ اپنی ایسی ہی کسی تخصیص کی وجہ سے مخصوص ہوتا ہے۔ اُس کا تشخص منفرد اور درس و عبرت آموز ہوتا ہے۔ مطالعہ کار مطالعہ کے تجزیہ سے انسان اور انسانیت کے اسرار و رموز کے خزائن کے دَر، وَا کر دیتے ہیں۔ یہ انسانوں کے لئے بہت ہی منفعت اور تہذیب کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ اچھے اور بُرے، غلط اور صحیح کا کوئی نہ کوئی تصور تو معاشروں میں پایا ہی جاتا ہے۔ یہ تصور کسی ایک معاشرے تک محدود ہونے کے باوجود ایک حقیقت اور قدر ہوتا ہے۔ اِس موضوع پر فلسفیانہ تنقید کے نتائج بہت متضاد اور متنازعہ بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر معاشروں میں کسی نہ کسی نقطہءِ نظر کو نسبتاً زیادہ افادی سمجھتے ہوئے قبول کرنا ہی ہوتا ہے۔ قبولیت کے اجزاء کو معاشرتی معیارات بھی کہا جاتا ہے۔ محسؔن نقوی صِنفِ شعری میں لفظیات و معانی کی نئی تشکیلات متعارف کرانے والا منفرد تخلیق کار رفن کار ہے۔ اُس کی پیش کش میں انوکھا پن اور حیرانی و استعجاب کا نتیجہ ہے۔ اُس کی ذاتی زندگی کے واقعات اُس کی سوانح ہیں۔ اُس کی زندگی کے حقیقی واقعات میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جو اَدب میں قابلِ بیان ہی نہیں۔ محسؔن کا تخلیقی، فنکارانہ تضاد اُس کی اپنی شخصیت سے ہے۔ وہ بہت اچھا ''شیعہ ذاکر'' تھا۔ اُسے قتل کر دیا گیا تھا۔

سوانح نگار جب اُس کے تضاد اور تنازعہ کو دریافت کرنے کے بعد اُس کا انشراح کرتا ہے تو اُس میں قاری کے لئے جہانِ معانی و درس و عبرت کھول دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ سوانح ادب کے موضوعات کا حصہ ہیں۔ کسی چیز کو مثبت یا منفی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ سوانحی تحریریں مشمولی inclusive ہوتی ہیں، خرّوجی exclusive نہیں۔ یوں بھی مثبت اور منفی اقدار کے معیارات کسی معاشرہ کی تحدید میں تشکیل ہوتے ہیں یا کسی دوسرے معاشرہ کے معیارات کے موازنہ، مسابقہ میں متضاد اور متنازعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ اِن کی نوعیت ''اضافیتی relative'' ہوتی ہے اِس لئے کسی کی سوانح نگاری کے عمل میں مطلق اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ معاشرہ کے حدود و محیط میں جس قدر اہمیت کسی قدر کو دی جا سکتی ہے وہی کافی ہونی چاہیے مگر یہ سب کچھ کسی معاشرہ کے عوام کے مقدر کا ابدی فیصلہ نہ ہو۔

سوانحی ادب بالواسطہ طور پر فرد سے توسیعات اختیار کرتے ہوئے سماج تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ یہ سوانحی ادب کی اثر انگیزی اور اطلاق پذیری ہوتی ہے۔ یہ علم ہے اور علم اپنی افادیت انسانوں پر فیض کرتا ہے۔ نفسِ مضمون اور اُس کے دائرہ کار کے حوالہ سے سوانحی ادب کی توسیعات شخصی، نفسیاتی، گروہی، تاریخی، ثقافتی اور معاشرتی دائروں تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ عہدِ جدید میں تاریخ کو روایتی اور کلاسیکی انداز میں تحریر و تحقیق کرنے کی بجائے ''باز تحریر re-write'' کرنے کا فلسفہ اور طریقہءِ کار بیان کیا جاتا ہے۔ تاریخِ نو New-Historicism کے تصور میں

تاریخی مندرجات اورنتائج ثقافت اورمعاشرہ کی تار وپوٗ د سے اخذ کئے جاتے ہیں۔اِس سے مراد یہ ہے کہحکمران کے دربار میں اُس کا درباری تاریخ نگارمحض تواریخchronology کو ترتیب اور دستاویز کر کے حکمران کی خدمت میں پیش کردیتاہے۔یہ تنقید اِس لئے بھی بہت جائز ہے کہ مذکورہ انداز کی روایتی تاریخ اقتدار واختیار کے مالک ومختار شاہوں و بادشاہوں کے حوالہ سے لکھی جاتی ہے۔اُس کی تشریح بھی شاہانہ ہوتی تھی نہ کہ عوام کی۔بطورِموضوع سوانحی ادب کے حوالہ سے تاریخ محض ایک مثال ہے۔جبکہ حیات کے بہت سے پہلواِس سے فیض یاب وسیراب ہوتے ہیں۔ڈاکٹر محمد عمر رضااِس افادیت کے بارے رقم طراز ہیں:۔

> ''انسان کے اندر تلاش وجستجو کا وہ مادہ جس کے باعث وہ کسی بھی اہم اور غیر معمولی شئے کے متعلق معلومات فراہم کرنے کا پیہم خواہاں رہتاہے؛علاوہ ازیں اپنی خوبیوں، خامیوں، خوشیوں،غموں اور دیگر احساسات ومحسوسات میں دوسروں کوشریک کرنے کی اس میں جو بے پناہ جبلت پائی جاتی ،اس کا استعمال کر کے وہ خود کے یا کسی دوسرے فرد کے حالات و واقعات کومنظر عام پر لاتا ہے۔ان حالات میں وہ اپنی یا کسی دوسرے کی زندگی کے مختلف تاریخی ،سماجی ،ثقافتی،نفسیاتی ، اخلاقی اور جمالیاتی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتا چلا جاتاہے۔ بعد میں یہ تحریریں تاریخی،سماجی،ثقافتی،نفسیاتی،اخلاقی ،اور جمالیاتی اعتبار سے اس قدر اہم اور مفید تصور کی جانے لگتی ہے کہ اس سے کسی بھی ملک کے کسی خاص عہد، سماج اور دیگر حالات و واقعات کا نہایت ہی باریک بینی سے مشاہدہ کیا جاسکتاہے۔یہی وجہ ہے کہ سوانحی ادب کی تاریخی،سماجی وثقافتی،نفسیاتی، اخلاقی اور جمالیاتی اہمیت وافادیت ایک مسلمہ حقیقت بن جاتی ہے۔''1

ڈاکٹر عمر رضا نے کی وسعتِ مضمون کا بہت ہی جامع دائرہ ءِکار پیش کیا ہے۔امریکی ،تاریخ کے مفکر''فیوکویاما'' نے تاریخ کے خاتمے کا فلسفہ پیش کیا۔اُس نے ثابت کرنے کی کوشش کی تاریخی مندرجات کے ماخذات ثقافت اور معاشرہ میں موجود ہوتے ہیں تو پھر روایتی تاریخ اور تاریخ دان کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ادبی حوالہ سے فرانسیسی ادیب، مفکر مشیل فو کالٹ نے متنtext کے مصنف کی موت کا اعلان کردیا۔اُس کا خیال ہے کہ متن میں وہ سب کچھ اور اُس کی معنویت موجود ہوتی ہے جو قاری تک ابلاغ ہوجاتی ہے تو پھر مصنف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔گویا متن فعالیت کا مظاہرہ اور عمل کرتاہے۔یہ نقطہءِنظر کس حد تک کامیابی سے قابلِ قبول ہوں گے یانہیں؛اِس حقیقت سے انکارنہیں کیا جاسکتا

کہ تاریخ کواپنے حکمرانہ استناد اور متن کو مصنف کی قید و بند یا تحدید کی کوئی ضرورت نہیں۔ثقافت اور معاشرہ سے سراُٹھاتا کوئی بھی واقعہ اپنی تاریخ آپ بیان کرتا ہے۔سوانحی ادب فرد اور معاشرہ کی اندرونی کیفیات کی توضیح وتشریح کرتا ہے۔شبلی نعمانی کی سیرت النبیﷺ اور الطاف حسین حالی کی ''مُسدّسِ حالی'' نبی اکرمؐ کی دَرُونی اور داخلی شخصیت کا انشراح کرتی ہے۔یہ بہت بڑی اور اہم مثالیں ہیں جبکہ سوانحی ادب میں بہت آسانی سے بے شمار مثالیں مشاہدہ کی جاسکتی ہیں۔نفسیات، شخصی داخلیت یا سماجی دَرُونیّت عہد حاضر کی انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ''softweare'' کی مثال ہے۔ کمپیوٹر کا سوفٹ وئیر معیّن ہوتا ہے اور انسان کا متغیّر variating۔انسان کا نظام کمپیوٹر کے نظام کو ایجاد کرتا ہے اور کمپیوٹر کا نظام انسان کے نظام کی تشریح، تجزیہ اور اطلاق پذیری کے اعمال سرانجام دیتا ہے۔ڈاکٹر تنویر احمد علوی کا خیال ہے:۔

> ''سوانحی عمریوں کا مطالعہ ہمیں مختلف ادوار کی نفسیات کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے اور مختلف افراد کے حالاتِ زندگی اور اُفتادِ مزاج کو بھی۔اگر بہ نگاہ غور دیکھا جائے تو سوانحی ادب کے مطالعے کے بغیر ہم ایک زمانہ کی تاریخ، اس کی فنی روایت، تہذیبی شعور اور تاریخی ارتقاء کا مطالعہ بھی نہیں کر سکتے۔''2

علمِ تاریخ، سماجیات اور علمِ نفسیات کے حوالہ سے سوانحی ادب میں خاص جمالیاتی اقدار کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔سوانح تو بظاہر فرد کی اندرونی اور بیرونی منظر نامہ ہوتا ہے جبکہ سوانحی ادب پورے معاشرے کی ممکنہ تصویر اور خاکہ ہوتی ہے۔انسانیت کے رویّوں اور اعمال کے رنگ، سماجی مصّوری کو رنگ ونقوش سے مزیّن کرتے ہیں۔سوانحی ادب کا اسلوب، لفظیات، مرکبّات، روزمرہ، رمُوز و وقُوف سوانحی متن میں فعال کردار ادا کرتے ہیں۔اسلوبیات کا جمال اُجاگر ہوتا ہے۔سوانحی ادب تخلیقی اور فنکارانہ موضوع و ہیئت کی تشکیل میں آجاتا ہے۔سوانحی ادب کی جمالیات کے متعلق انسائیکلوپیڈیا، بریٹینکا میں ''جمالیاتی پہلو Aesthetic aspects'' کے تصور کے متعلق جامع خیالات پیش کئے گئے ہیں۔

> Biography, while related to history in its search for facts and its Responsibility to truth, is truly a branch of literature because it seeks To elicit from facts, by selection and design, the illusion of a life actually being lived. Within the bounds of given data, the biographer seeks to

transform plain information into illumination. If he invents or suppresses material in order to create an effect, he fails truth; if he is content to recount facts, he fails art. This tension, between the requirements of authenticity and the necessity for an imaginative ordering of materials to achieve lifelikeness, is perhaps best exemplified in the biographical problem of time. On the one hand, the biographer seeks to portray the unfolding of a life with all its cross-current of interests, changing emotional states, events; yet in order to avoid reproducing the confusion and clutter of actual daily existence, he must interrupt the flow of diurnal time and group his materials so as to reveal truants of personality, grand themes of experience, and the actions and attitudes leading to moments of high decision. His achievement as a biographical artist will be measured, in great part, by his ability to suggest the seep of chronology and yet to highlight the major patterns of behavior that give a life its shape and meaning.3

سوانح نگاری اپنے تاریخی تعلق اور سچائی سے ذمہ داری کے حوالہ سے یقیناً ایک ایسی صنفِ ادب ہے جو حقائق سے حیات کے ایسے سُراب کا استنباط کرتی ہے جو حقیقتاً بسر کی جاتی ہے۔ یہ سوانح نگار کے طریقۂ کار اور

> انتخاب کے نمونہ پر مبنی ہوتی ہے۔ دستیاب اطلاع کی تحدید میں سوانح نگار سادہ ترین اطلاع کو ''روشنی اور روشنائی'' کے قالب میں منقلب کردیتا ہے۔ اگر وہ تاثر انگیزی کے لئے کسی راز کو چھپا دیتا ہے؛ تو حقیقت بیانی میں ناکام ہوجاتا ہے۔ اگر محض حقائق شماری کرتا رہتا ہے تو فن کی ناکامی کا باعث بن جاتا ہے۔ اس عہد میں سوانحی مسائل کے حل کے لیے بہترین مثال ہے کہ استناد اور ضرورت کے تناؤ، کھچاؤ میں سوانح نگار تخلیقی مواد کو اس طرح سے ترتیب دے کہ وہ زندگی کی مثال ہوجائے۔ ایک طرف تو سوانح نگار اپنے مقصد کی متضاد لہروں کو زندگی کے اکتشاف کے لئے کھولتا ہے، جذبات کی کیفیات کو بدلتا ہے۔ اس کے باوجود روز مرہ کی زندگی میں رَیّھڑ رَولے اور اُلجھاؤ، تناؤ سے بچنے کے لئے روزانہ کے اوقاتِ کار اور اپنے مواد کو اس طرح مرکب کرنا چاہئیے کہ شخصیت کی سچائیاں، عظیم تجربات کے نتائج، اعمال اور رویّے جو بڑے بڑے فیصلوں کے وقت کی طرف لے جائیں؛ نمایاں ہوں۔ سوانح نگار کے طور پر اس کے درجہ کا تعین عموماً اس بات سے ہوگا کہ وہ تاریخی تسلسل کو تو بیان کرے مگر سب سے اہم بات کو سب سے زیادہ واضح کرے؛ رویّوں کا ایسا نمونہ جو زندگی کی تشکیل اور معنویت کا انکشاف کرتا ہے۔

سوانحی ادب کی کثیرالجہتی تحقیق کے نئے دَر، وَا کرتی ہے۔ نئی، ارتقائی منازل کے تجسس کی دریافت کے اشارے کرتی ہے جن سے نئی ادبی منزلوں اور اُس سے آگے کے نادیدہ راستوں کا تصور، اِدراک اور تعین کیا جاسکتا ہے۔ زندگی حقیقت ہے اور حقیقت میں خواب وسُراب کی دریافت شخصیت نگاری ہوتا ہے۔ معلوم کے اندر نامعلوم اور واقفِ حال میں اجنبی کا کھیل۔ کسی مصلحت کے باعث مبالغہ آرائی یا کسی بھید کو پوشیدہ کرنا فنی معیارات سے محرومی کا سبب ہوتا ہے۔ روز مرہ کی تحقیق، تخلیقی اور عملی رکاوٹیں بھی حائل نہیں ہونی چاہیں۔ اِس طرح تخلیق کاری ''غیرِ اصل'' ہوجاتی ہے۔ ''رویّوں کا ایسا نمونہ جو زندگی کی تشکیل اور معنویت کا انکشاف کرتا ہے''، جیسی اقدار و اعمال اور پیش کاری کو سب سے زیادہ واضح کرنا چاہیے۔

مغربی معاشروں میں یادوں اور یادداشتوں کو دستاویز کرنے کی روایت زیادہ پُرانی اور پُختہ رہی ہے۔ لوگ رات کو سونے سے پہلے اپنے روز مرہ کے معاملات کے متعلق روزناموں اور ڈائروں میں اندراج کرتے

تھے۔عیسائیت نے روزنامچہ اورڈائری کے فروغ کورواج کیا۔پادریوں کے لئے لازم تھا کہ وہ جہاں بھی ہوں عیسائیت اوراُس کےتبلیغی اداروں کے مسائل اور کارکردگی کوڈائریوں اور روزنامچوں میں محفوظ کیا جائے۔یہ تحریریں عیسائیت کے مذہبی مراکز میں بھیجی جاتی تھیں اوراِن کے تجزیہ کے نتیجہ میں پادریوں کو ہدایات جاری کی جاتی تھیں۔افواج میں شامل افرادبھی ڈائری،روزنامچہ لکھنے کاشعوراوررواج رکھتے تھے۔دیگرمقاصد کےعلاوہ' گھر سےدُوری'مجبوری کے عالم میں ذاتی ڈائری اور روزنامچہ نویسی اُن کے لئے بڑی تسکین کا باعث ہوتی تھی۔اِس طرح کی چندایک مثالیں مغرب میں سوانح نگاری کےارتقاء کی تشریح میں مُمِد ثابت ہوسکتی ہیں۔ڈائری اورروزنامچہ خودنوشت بھی تھااورکسی کی سوانح عمری بھی۔لکھنے والاکسی کےمتعلق تحریرکرتا تھااوراُس میں خودبھی شامل رہتا تھا۔اِس طرح روزنامچہ اورڈائری نویس ادب کی طرف متوجہ ہوجاتا تھا۔روزنامچہ اورڈائری سوانحی ادب کے بہت بنیادی اجزاء ہیں۔

ہندوستان میں سوانحی ادب کےکسی رسمی آغاز یاتحریک کےکوئی مظاہرمشاہدہ میں نہیں آتے۔بادشاہ،پروہت ،پنڈت اورپُرکھوں کواِس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔اُن کی محفل،مجلس،دربار اورعبادت گاہ میں اتنی تسکین ہوجاتی تھی کہ کسی کےذہن میں سوانح نگاری یاسوانحی ادب کا خیال ہی نہیں آتا ہوگا۔گویا سوانحی ادب کی رسمیت اوردستاویزیت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔رات کے وقت سونے سے پہلے مغربی عوام کی طرح روزمرہ کی یاداشتیں تحریر کرنے کا رواج بھی نہیں تھا۔ہندوستان میں شام کے بعدگھروں میں بڑے بزرگ گیت،لوریاں،مناجات گنگناتے یا پھر قصہ کہانی کا سلسلہ شروع کردیا جاتا تھا۔بچوں کی شادیوں،خانگی،کاروبار،خاندانی،دشمنیوں اورگروہی کشاکشی کےموضوعات پر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔کچھ لکھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی تھی۔ہندوستان میں البتہ کردارنگاری،سیرت نگاری، تاریخ نویسی ،ملفوظات،فرمودات،خطبات اورخطابات میں سوانحی اجزاءشامل ہوتے تھے۔اُردوادب کےپس منظر میں سوانحی ادب کی بنیادیں ایسے ہی عوامل پراُستوار ہوتی گئیں۔انیسویں،بیسویں صدی میں سوانحی ادب اوراُس کی مختلف اصناف کورسمی اوردستاویزی شناخت نصیب ہوئی۔احوالِ مجالس،ذکر،تذکرہ،یادیں،یاداشتیں،واقعہ نگاری اورحکایات کوسوانحی ادب کی مبادیات ہونے کادرجہ حاصل ہے۔سوانحی ادب کی بنیاد میں اِن عوامل کووسیلہ کےسرچشمے کاعنوان دیا جاسکتا ہے۔سوانح کورسمی،دستاویزی،علمی اوراستنادی درجہ حاؔلی اورشبؔلی کےعہدِتصنیف وتالیف سے ہوا۔یہ عہداپنے معنوی تحرّک کےساتھ ابھی بھی تسلسل میں ہےاورارتقائی عمل سے گزرتے ہوئےنئی منازل طےکرتارہےگا۔اُردوزبان وادب کی بنیادمیں فارسی اور عربی زبان و ادب کی بہت بڑی شراکت داری ہے۔فارسی ،عربی کے فکشن ،حکایات،داستان،مثنوی،شاہنامہ،قصیدہ،مرثیہ نےسوانحی ادب کوخام مال عطا کیااورسوانحی ادب کی اقدار نےاُردوادب میں ارتقاء وترویج کےمراحل طے کئے۔عہدِ جدید میں روزنامچہ،ذاتی ڈائری،مکتوب نگاری،رپورتاژ،سےسوانحی ادب قابلِ قدرمواد،اقداراورصنفی تشکیلات میسر آئیں۔خاص طورسے''خاکہ آرائی'' کا ارتقاء غیرمعمولی سُرعَت سے

ہوا۔خاکہ کا اختصار،مصنف کی متن میں موجودگی اور آزادی،مَمدوح سے متعلق حیران کُن انکشافات اور مزاح کا عنصر،مجلسی ردِّعمل،لطافت وظرافت جیسے عوامل نے ''خاکہ آرائی'' کوسوانحی ادب کی زرخیز ترین صنف میں ارتقاء کیا۔

سوانحی ادب میں،سوانحی شخصیت کے کرداری نمایاں پن کو دریافت کیا جاتا ہے۔یہ کوئی غیر معمولی عمل اور اُس کا نتیجہ ہوتا ہے۔اِس سے انسانی عقل وفراست حیرانی اور استعجاب سے لُطف اندوز ہوتی ہے۔سوانحی شخصیت کی جہتیں کھلتی ہیں تو انسانی شعور و ادراک اور کردار وعمل کا انکشاف ہونے لگتا ہے۔یہ بہت ہی قدری value oriented حصہ داری ہوتی ہے۔مطالعہ کار ایسی تحریروں سے انسپائر ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں مُسرت واستعجاب کی لطافتوں کے حَظ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ کچھ کر گزرنے کی آرزو بھی جنم لیتی ہے۔اُردو زبان وادب کے ادیب ''مالک رام'' کی سوانح اُس کے ظرف،سماجی شراکت داری،تخلیق وتحقیق،مالک رام کو ایسی مثالی شخصیت کی صورت پیش کرتی ہے کہ جس پر نہ صرف رشک کرنا قابلِ قدر ہے بلکہ اُس کی تقلید بھی پُر افتخار عمل ہے۔ایک مثال کی طرح کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں سر سید احمد خان،الطاف حسین حالؔی،سید احتشام حسین،ڈاکٹر محمد علی صدیقی قابلِ ذکر کردار وشخصیات ہیں۔اُن کے شخصی مطالعات انسپائر کرنے اور کسی عمل کاری میں شامل ہوجانے کے امکانات وآرزو کی جلا کا باعث ہیں۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ تحقیق وتجزیہ اور تنقیدی تحریریں دلچسپی کے عناصر سے محروم ہوتی ہیں۔اِس طرح کا نتیجہ مطالعہ کار کا انفرادی مزاج ہوسکتا ہے۔مگر تحقیق،تجزیہ اور تنقید کے معیارات کو جس حد تک قابلِ عمل بنایا جاسکے،قاری،طالب علم،تحقیق کار اور اساتذہ کرام ہمیشہ گہرئی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔تحقیق،تجزیہ اور تنقید کے عمل میں نظری مباحث اور فلسفہ کی بنیاد موجود رہتی ہے۔کتابیات اور حوالہ کی کتب کی فہرستیں زیادہ سے زیادہ ہونے کی بہت زیادہ افادیت ہوتی ہے۔ایک حوالہ کو تحقیق کی بنیاد بنا کر بے شمار حوالہ جات کو مربوط کیا جاسکتا ہے۔اِس کے نتیجہ میں مزید مربوط حوالہ جات دریافت کئے جاسکتے ہیں۔گویا تحقیقی تکمیل کا سفر جاری رہتا ہے۔مصنفین کی کتابوں کی فہرستیں محدود ہیں۔یہ فہرستیں محض کسی اشارہ،حوالہ اور تجویز کی غرض سے پیش کی جاتیں ہیں۔کسی بھی مصنف کی کسی ایک تصنیف کے حوالہ سے نہ صرف اُس کی مکمل تصانیف تک علمی رسائی حاصل کی جاسکتی ہے بلکہ اُن کی کتابیات سے بہت سے مربوط حوالہ جات دریافت کئے جاسکتے ہیں۔تحقیق،تجزیہ اور تنقید کے لئے یہ عمل افادیت کا حامل ہوتا ہے اور تحقیق کاروں کے لئے بے حد خوشگوار اور اطمینان کا باعث۔

خالد محمود خان

حوالہ جات

1۔ڈاکٹر محمد عمر رضا،''اُردو میں سوانحی ادب،فن اور روایت ''ص 21-20،فکشن ہاؤس،مزنگ روڈ لاہور،2012۔

2۔ڈاکٹر تنویر احمد علوی،مقدمہ،مشمولہ،اُردو میں فنِ سوانحی نگاری کا ارتقاء،ص 9،ممتاز فاخرہ،رونق پبلشنگ ہاؤس،دہلی،
1984

3-The New Encyclopedia Britanica, Volume:2; 15th Edition, 1974.

سوانحی اَدب

انسان کی فطرت،شعوراورنرگسیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنا،یا اپنے ہم نفسوں کا ذکر کرتا رہے۔گویا انسانی تاریخ کے آغاز کے ساتھ ہی سوانح نگاری کا آغاز ہوا ہوگا۔ابتداء میں لوگوں کا غیر رسمی ذکرواذکار معاشرتی عمل کا حصہ تھا۔بات چیت اورایک دوسرے کے متعلق مشاہدات کی تکرار سے یاداشتوں کا حصہ بن جاتے تھے۔انسانوں کی ایک دوسرے سے متعلق پہچان اور ذکر تاریخی عمل کا حصہ تھے۔جولوگ عام عوام سے مختلف ،نمایاں ،مفید،ذہین ،مہم جُو ہوتے تھے وہ بات چیت کا موضوع بنالئے جاتے ۔قوم ،مذہب ،ذات قبیلہ کے سرکردہ لوگوں کا ذکر یا تعریف کی جاتی تھی۔گیتوں ،قصیدوں،داستانوں، دیو مالا اورمثنویوں میں اِس کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں۔کہانی کاری ،قصہ گوئی اور کتھا کاری سوانح کے غیر رسمی ذرائع تھے۔شعور کی قوت سے لوگوں کے اچھے یابُرے خواص کومحفوظ اوردستاویز کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی۔رسمی تاریخ سے پہلے غیر رسمی سوانحی پیش کاری شروع ہوچکی ہوگی۔انسانوں کی اچھائی یابُرائی کے ذکر سے اچھائی کوفروغ اور بُرائی کورَد کیا جاتا ہے۔شخصی خواص اِس عمل کی مثال کے طور پرعملی پیش کئے جاتے ہیں۔امریکہ کے پہلے صدرابراہم لنکن کے عزم واستقلال کی اقدارعوام کواُس کی سوانح کے ذریعہ ابلاغ کی جاسکتی ہیں۔سوانحی مطالعہ میں ایسی ایک مثال بھی سب مثالوں کی مثال ہوسکتی ہے۔سوانحی ادب میں سوانح سے مُراد کسی کے ایسے شخصی اورسرداری خصائص ہوتے ہیں جومعاشرہ میں نمایاں ،معنی خیز،حیران کُن ،انسپائرنگ یا درس وعبرت کی بنیاد بنالئے جاتے ہوں۔قصہ،کہانی ،افسانہ ،داستان،مثنوی ،قصیدہ وغیرہ میں کردار نگاری کے ساتھ ساتھ سوانحی اقدار بھی پیش کی جاتی ہیں۔پنجاب کا سورما''دُلاّ بھٹی''ڈاکوتھا۔وہ بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ فیاض اورغریبوں کا ہمدرد بھی تھا۔اُس کی شخصیت کا یہ ڈرامائی تضاد بہت ہی دلچسپ ہے۔انگریزی ادب میں''روبن ہُوڈ'' کا کرداراوردُلاّ بھٹی کے کردار میں بہت سی مماثلت مشاہدہ کی جاسکتی ہیں۔پنجابی داستان ''ہیر رانجھا''میں ہیر کے کردار کی مماثلت قدیم یونانی اَدب میں ''اینٹی گنیAntigone'' سے دریافت کی جاتی ہے۔ہندوستان کی پنجابی کرداراور یونان کی اساطیری کردارغالب حکمران اشرافیہ کےخلاف ابدی بغاوت کی علامت ہیں۔

سوانحی ادب کی قدیم مثالیں دنیا کے ہر خطہ اور معاشرہ میں ہوتی ہیں۔عرب قبائلی معاشرہ تھے۔قبائلی ترتیب و ترکیب میں سردار،سرپرست،بادشاہ،سپہ سالار جیسے کردار ہوتے تھے۔معاشروں کا نظام اُنہی کی زیرسرپرستی چلتا تھا۔اُن کا ماحول اقتداروا ختیار کا مرکز تھا۔اُن کے ماحول میں رہنے والے درباری اُن کی تعریف کرتے تھے۔تعریف وتوصیف سے سرداروں کوخوشی ہوتی تھی اور درباریوں کی بہت سی خواہشات اورضروریات کی تسکین ہوتی تھی۔آمریت اور درباراحتیاج کی تسکین کے لئےمحتاجی کے ذرائع پیدا کرتے ہیں۔عرب میں قصیدہ کی صنف میں کسی کردار کے خصائص،شخصیت،اعمال

کے ساتھ ساتھ تعریف وتوصیف بھی کی جاتی تھی۔ فارسی تہذیب میں عربوں سے تھوڑا بہت مختلف انداز تھا۔ فردوسؔی کی عظیم تخلیق ''شاہنامہ فردوسؔی'' میں بے مثال سوانحی نمونے ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ یونانی ادب میں بھی بالکل ایسی ہی مثالیں مل جاتی ہیں۔ اقتدار و اختیار کے ادارے دنیا بھر میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ تہذیب ہند کی ''مہابھارت'' قدیم جنگوں کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ اِس کے بہت زیادہ پھیلے ہوئے منظر نامہ میں بادشاہوں، سپہ سالاروں اور جنگی سورماؤں سے متعلق بہت سا ذاتی نوعیت کا مواد مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ عہدِ جدید میں سوانحی ادب سنجیدہ، دستاویزی، ادبی اور تاریخی نمونہ کے طور پر مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ہندِ قدیم مذہب، ذات پات اور قبیلوں میں تقسیم ہوتی ہوئی تہذیب ہے۔ انسانوں کی تقسیم کا عمل عہد جدید میں بھی جاری ہے۔ ہاں البتہ اُس کا طریقۂ کار بدلتا جا رہا ہے۔ ہر پہلو میں فرد کو اُس کی کسی خاص اہمیت یا انوکھے پن کی وجہ سے سوانح کا موضوع بنایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد مسلمان ہیرو بھی سوانح نگاری کے موضوعات بن گئے۔ بدھ مت، جین مت اور سکھ دھرم میں بھی اپنے اپنے ہیروز کی سوانح لکھی گئی۔

سوانحی ادب میں تہذیب ہند میں پتھروں پر لکھی ہوئی تحریریں ''بھوج پتر'' بہت ہی ابتدائی نمونے ہیں۔ پتھروں پر کندہ تحریروں میں بھی کسی کے متعلق خیالات کندہ کر دیئے جاتے تھے۔ افریقہ میں اہرامِ مصر میں بھی ایسی تحریریں دریافت ہوتی رہتی ہیں۔ فرعونوں کے حالاتِ زندگی، بہادری اور اختیار و اقتدار کا ذکر پتھر کی تختیوں سے کیا جا سکتا ہے۔ مختلف مذاہب کے پیغمبروں یا انبیائے کرام کی سوانحی اقدار عوام کے مذاہب اور اعتقاد کا حصہ تھیں۔ عہد جدید میں بھی یہ عمل قابلِ عمل ہے۔ رسمی طور پر سوانحی ادب کی تاریخ میں پلوٹارک Plutarch نے دوسری صدی عیسوی میں تحقیق پیش کی۔ رسمی اور شعوری ارتقاء کے نتیجہ میں یہ فن ادبی صنف کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ الطاف فاطمہ سوانحی ادب کے شعوری اور علمی ارتقاء کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھتی ہیں، ''یہ فن ہے جس میں سائنس کا بڑا لطیف اور نازک امتزاج ہے''1۔

سائنس علم ہوتا ہے۔ اِس شعوری عمل کی معیارات و اقدار ہوتی ہیں۔ اُصولوں کی بنیاد پر سوانحی ادب کو سچ یا جھوٹ، اخلاق یا بداخلاقی، جنگ یا بدامنی کے مظاہر کو پرکھا جاتا ہے۔ اُن کی سچائی کو مان لیا جاتا ہے یا جھوٹ کی وجہ سے رَد کر دیا جاتا ہے۔ کسی کردار نے اگر کوئی بہت بڑا واقعہ سرانجام دیا ہو تو لوگوں کی نفسیات اور یادداشتوں میں وہ موجود رہتا ہے۔ ایسے کردار لوگوں کے شعور و لاشعور میں موجود رہتے ہیں۔ ان کا ذکر معاشرہ میں روشنی کا باعث ہوتا ہے۔ اُس کی اچھی بُری باتیں آپس میں ایک دوسرے کو بتائی جاتی ہیں۔ کارناموں کی ولولہ انگیزی سے اُسی طرح کے اچھے اور بڑے کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ انسانوں کے خلاف کوئی کام کئے ہوں تو اُن کو رَدّ کر دیا جاتا ہے۔ بُرائیوں سے درسِ عبرت حاصل کیا جاتا ہے۔ 'فن کار کے لئے اس کے فن پارے کی اہمیت یہ ہوتی ہے کہ فن پارہ مصنف کا ذریعۂ نجات بن جاتا ہے۔ برسوں کے ڈھکے چھپے خیالات اور جذبات جو فنکار کے روح و ذہن میں موجزن ہوتے ہیں اس کا رستہ پا لیتے

ہیں۔اس طرح مصنف ایک ایسے بارِعظیم سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔

سوانحی ادب کے وسائل میں کہانی، واقعہ، داستان، مثنوی، قصیدہ، ہجونگاری، شاہنامہ، جنگ نامہ، طبقات، اقوال، ملفوظات، لطائف، حکایات، منقبت، نعت، مرثیہ، نوحہ، تذکرہ، یادگار، خاکہ نگاری، سوانحِ عمری، خودنوشت سوانح، آپ بیتی، جگ بیتی، روزنامچہ، ڈائری، خطوط، مخطوطے، حیات، کرداراور سیرت بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

اُردو ادب میں قُلی قطب شاہ، وجہی، نصرتی، غوّاثی اور ابنِ نشاطی کی تحریریں اُردو ادب ابتدائی سوانحی دستاویزات ہیں۔نصرتی نے ''گلشنِ عشق'' نامی مثنوی میں دیگر کرداروں کے ساتھ اپنے والد کی عادات واصاف بیان کئے ہیں۔''علی نامہ''میں نصرتی نے 'علی عادل شاہ' کی شخصیت اور اُس کے عہد کے خصائص واوصاف کو پیش کیا ہے۔رُومی (ہندی) کے مخطوطات میں ''مثنوی ءِ غوث نامہ کا ذکر ملتا ہے۔یہ مخطوطہ برٹش موزیم، انگلستان میں موجود ہے۔سید حسین شاہ ذوقیؔ کے ''غوث نامہ''میں بہت اچھے سوانحی نمونے مل جاتے ہیں۔شمالی ہندوستان میں شاعروں کے تذکروں کے بہت سے مجموعے مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔میر تقی میرؔ کی تصنیف ''نکات الشعرا''اور ذکرِ میرؔ تذکرہ نگاری کی بہت اہم نمونے ہیں۔مرزا لُطف علی کا تذکرہ'' گلشنِ ہند''میں شخصیت نگاری کی بہت اچھی مثال ہے۔''آبِ حیات''محمد حسین آزادؔ کی اُردو سوانحی ادب کی بنیاداورلازوال پیش کش ہے۔آب حیات میں موضوعات قدیم تذکروں سے کشید کردہ ہیں۔الطاف حسین حالؔی کی حیات سعدی، حیات جاوید اور یادگارِ غالب سوانحی ادب کی بہت ہی مبادی مثالیں ہیں۔شبلی نعمانی کی سیرت النبی، الفاروق، النعمان، المامون اورالغزالی سوانحی ادب کی بہت مستند پیش کاری ہیں۔عہدِ جدید میں سوانحی ادب کے موضوعات پر بہت اچھا، سائنسی اور تخلیقی موادمیسر ہے۔سوانحی ادب، اصنافِ ادب میں خاص اہمیت اختیار رکھتا ہے۔اِس کے ماخوذات معاشرہ اور ثقافت سے لے کرعمومی عوامی زندگی تک کے سفرناموں کے منظرنامے پیش کرتے ہیں۔

سوانحی ادب میں، سوانح، خود نوشت سوانح، آپ بیتی، جگ بیتی، خاکہ نگاری، شخصیت نگاری، کردار نگاری، سیرت نگاری، روزنامچہ، ڈائری اور خطوط بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ہاں البتہ سوانحی ادب کی قدیم اصناف ؛یادگار، تذکرہ، ملفوظات اورمخطوطوں پر بحث زیادہ مروّج نہیں ہے۔اُردوادب میں حکایات اورلطائف کاپُر زور تجدیدعمل جاری ہے۔

سوانحی ادب کے ذرائع میں سیرت کی صنف کوخاص اہمیت حاصل ہے۔مذاہب اورمعاشروں میں جن لوگوں نے کوئی عوامی اچھائی کا بڑا کام سرانجام دیا ہواُن کے رہن سہن کے انداز، برتاؤ وسلوک کی اور کردار کوسیرت نگاری کہا جاتا ہے۔عام طور پرسیرت سے مراد مذاہب سے متعلق لوگوں کی شخصیت وکردارنگاری ہوتی ہے۔سیرت کوسلوک کی پیش کاری کہنے سے سیرت کی معنویت آسان اورنمایاں طور پراُجاگر ہوتی ہے۔مسلم تہذیب وثقافت میں حضرت محمدﷺ کی

شخصیت ،کردار،عمل،سلوک اور برتاؤ کی بیان کاری کو سیرت کا نام دیا جاتا ہے۔''لغازی''صنفِ سوانح میں اُن غزوات سے متعلق واقعات اور تفاصیل ہوتی ہیں جن میں نبی اکرم ﷺ نے شرکت فرمائی یا اُن کی حیات طیبہ کے دوران وقوع پذیر ہوئیں۔اسی صنف سے متعلق ''جنگ نامے'' بھی تحریر کئے جاتے تھے۔''طبقات'' میں معاشرہ کی درجہ بندی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔مذاہب کی تقسیم اورذات پات اورنسل کی امتیازی اقدار کی وجہ سے معاشروں میں مختلف طبقوں کا تعین کردیا جاتا ہے۔طبقات کے مطالعہ میں اچھے،بُرے انسانی تعلقات ، برتاؤ اورسلوک کے علاوہ فردی کردارنگاری بھی کی جاتی ہے۔اولیاءکرام اورمعاشروں میں مثبت کرداراداکرنے والے بزرگوں کی صفت وتوصیف اورکارناموں کے ذکروتفصیل کو ُ'مناقب'' کی صنف میں پیش کیا جاتا ہے۔مناقب کی تخلیقی تشکیل کو''منقبت'' کےعنوان سے پیش کیا جاتا ہے۔عام طور پر انبیائے کرام،شہیدان کربلا،صوفیائے کرام کے ذکرواذکار کےموضوعات توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔درس وعبرت کوکہانی کی شکل میں پیش کرنے کو''حکایت'' کا نام دیا جاتا ہے۔حکایت اوراُس میں ملفوف درس ایسے انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ اُس کی صداقت ثابت ہواورمطالعہ کاروں کی دلچسپی کا باعث ہو۔بعض اوقات ایسے واقعات قصہ کردئے جاتے ہیں جن کے مندرجات غیرمتوقع،حیران کُن ،لُطف ،اورحظ آورہوتے ہیں۔ایسی تحریروں کوسوانحی ادب میں''لطائف'' کاعنوان دیا جاتا ہے۔مولانا روم اورشیخ سعدی کی تحریروں میں حکایات اور لطائف کے خزائن موجود ہیں۔اُردو ادب میں بھی حکایات ولطائف کی روایت مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔معاشروں میں صاحبِ بصیرت وعمل بزرگ انسانوں کی معاشرتی بھلائی ،امن ،اصلاح اورآزادی کےتصورات اوراعمال کا ذکر''ملفوظات'' کی شکل میں کرتے ہیں۔جدیداُردوادب میں اشفاق احمد خان،واصف علی واصف،پروفیسررفیق اختر اورسیدسرفرازاحمد کی بات چیت،حکمت وعمل،تجویزونصیحت،ملفوظات کی توسیعات ہیں۔اُن کی بات چیت کےموضوعات میں خاص معنویت کے حامل جملوں کو''اقوال'' کےعنوان سےعنوان کیا جاتا ہے۔''یادگاروں'' میں عام طور پرصوفیائے کرام،اولیائے کرام،علمائے کرام،فلسفی،مصنفین،اکابرین،صلاطین اورامرا ٗ کی زندگی،عمل، برتاؤوسلوک اورکرداری وضاحتوں کویادگارکی صنف میں تحریرکیا جاتا ہے۔اسی صنف کےایک ذیلی موضوع کو''یاداشتیں memoirs'' کےعنوان سےتحریرکیا جاتا ہے۔''یادگار'' کی نسبت یاداشتوں میں کرداروں کے اوصاف اورکارناموں کا زیادہ ذکرہوتا ہے۔دنیائے ادب میں''تذکرہ''بہت ہی اہم موضوع ہے۔فارسی ادب میں اِس کی بہت بڑی روایت ہے۔اُردوادب کی بہت سی روایات فارسی ادب کی راویات سےجنم لیتی ہیں۔''تذکرہ''میں عام طور پرشعراءِکرام،ادیب اورعالموں کےزندگی کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔البتہ ادیبوں کےعلاوہ معاشروں کےمثبت کرداروں کا ذکربھی کیا جاتا ہے۔سوانح نگاریbiography میں کسی فرد کی زندگی،کارناموں،اعمال،کرداراوروسیب میں رہن سہن کی اقدارکا ذکرکیا جاتا ہے۔یہ صنف رسمی،ادبی تخلیق،تدوین وتالیف ہوتی ہے۔تاریخی حوالہ جات کوخاص اہمیت دی جاتی ہے۔ثقافتی اورمعاشرتی تاریخ سوانح نگاری کوتشریحی بنیادفراہم کرتے ہیں۔قائداعظم محمدعلی جناح ہمیشہ

متحدہ ہندوستان کے ترجمان اور سفارت کار رہے۔ تاریخی تسلسل میں ثابت ہوا کہ ہندوستان میں مسلم شناختوں کو اقلیت کے علاوہ کوئی منصب نہیں مل سکتا تھا۔ یہ وہ تاریخی اور ثقافتی حقائق تھے جن میں سے دوقومی نظریہ نے جنم لیا۔ ’’خودنوشت سوانح عمری autobigraphy‘‘ دلچسپ موضوع ہے۔ کوئی بھی فرد جو یہ سمجھتا ہو کہ اُس نے انسانوں کے لئے کچھ ایسا کیا جو اُن کے لئے افادیت، بھلائی اور ترقی کا باعث ہوسکتا ہے تو اپنی زندگی کے متعلق حقائق وواقعات پیش کر دیتا ہے۔ اِس میں معاشرتی تعلقات کا تانا بانا اور ثقافتی رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ پیش کاری کے انداز میں معروضیت کے ساتھ ساتھ موضوعیت کی عمل کاری بھی ہوتی ہے۔ سوانحی ادب کی یہ صنف اِس لئے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے کہ اِس میں مرکزی کردار اپنے بہت سے عہدی کرداروں کے ساتھ سوانح کے منظر میں موجود رہتا ہے۔ قارئین بھی اُس عمل میں شامل ہوکر اپنی شناختیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اِس صنف میں صداقت، حقیقت، انسپائریشن، درس وعبرت کے علاوہ مبالغہ آرائی کا امکان بھی ہوتا ہے۔ سوانح اور خودنوشت کی سوانحی اصناف میں ’’خاکہ نویسی، خاکہ آرائی، خاکہ نگاری‘‘ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سوانح اور خودنوشت کی نسبت خاکہ نگاری کی تحریریں نسبتاً مختصر، جامع، تاثراتی، حیران کُن، پُر لطف اور مجلسی لہجہ کی ہوتی ہیں۔ اُردو ادب میں اگرچہ اِس صنف کو بہت رسمی اہمیت حاصل نہیں ہے مگر اِس روایت کا سوانحی ادب میں نمایاں پن اور تکثیر ہے۔ ’’جگ بیتی اور آپ بیتی‘‘ اجتماعی اور فردی سوانحی اصناف ہیں۔ ’’خطوط نگاری‘‘ کو دنیا بھر کے سوانحی ادب میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ خط لکھنے والا اپنے مخاطب سے ایسی باتیں ابلاغ کرلیتا ہے جو وہ شاید کسی اور صنفِ سوانح میں نہ کرسکے۔ اظہار کی ذاتی آزادی خط کا خاص وصف ہے۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے درمیان راز داری کا رشتہ برقرار رہتا ہے۔ اُردو ادب میں ’’مکتوب نگاری‘‘ کا بہت سا مواد میسر ہے۔ روزمرہ کے واقعات کو بیان کرنے کے اندازِ نگارش کو ’’روزنامچہ‘‘ کی صنف قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے ذاتی واقعات اور خیالات کو اپنی راز داری میں تحریر کرتا ہے۔ اپنی ذات کی محفل یا خلوت میں تحریر کردہ اِس صنف کو ’’ڈائری‘‘ کا عنوان دیا جاتا ہے۔

سوانحی ادب کو علم الرُجال اور علم النفس بھی کہا جاتا ہے۔ انسانوں کے متعلق انسانوں کی تحریریں انسانیت کی تشریح ہوتی ہیں۔ انسان کا مطالعہ انسان ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ انسانی فطرت کے ابلاغ اور شرح میں قصہ، کہانی، کتھا، داستان، دیومالا، ناول، جنگ نامہ، شاہنامہ، مثنوی اور قصیدہ جیسی اصنافِ سخن کا عمل دخل ہے۔ اِن اصناف کے مندرجات میں سے سوانحی ادب کا مواد بھی حاصل کیا جاتا ہے۔

مولانا محمد حسین آزاؔد، الطاف حسین حاؔلی اور شبلی نعمانی کو جدید سوانحی ادب کے آبا قرار دیا جاسکتا ہے۔ حاؔلی کی سوانحی نگاری پر مغرب کی جدید سوانح نگاری کے اُصول وقواعد کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ حاؔلی کی یادگارِ غالب، حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید سوانحی ادب کے علم کو بنیادی خمیر فراہم کرتی ہیں۔ شبلی نعمانی کی سوانحی تحریریں اُردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شبلی کی سیرت النبیؐ، رحمتِ عالمؐ، الفاروق

ؒ، المامونؒ، النعمانؒ، الغزالیؒ، شعرالعجم ،سوانحی ادب میں اساسی اہمیت حاصل ہے۔شبلی کے موضوعات کا مرکزہ سیرت ہے جس پر مذہبی تاثریت کی چھاپ نمایاں ہے۔شبلی نعمانی کی سوانح سید سلیمان ندوی نے ''حیاتِ شبلی'' کے عنوان سے تحریر کی

۔

حوالہ جات

1۔الطاف فاطمہ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا،ص 17، اعتقاد پبلی شنگ ہاؤس دہلی، 1974۔

سوانح نگاری

Biography

انسان، انسانوں کے ساتھ ہی رہ سکتے ہیں۔عظیم یونانی فلسفی ارسطو نے انسان کو''سماجی حیوان Social Animal'' کا نام دیا۔اپنی رہتل بہتل میں ایک دوسرے کا ذکر، بات چیت، تعریف وتنقید، قبول واسترداد کرتے رہتے ہیں۔یہ اُن کا انسانی ماحول ہے جو ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے معاشرت کے ڈھانچوں میں ڈھل جاتا ہے۔ابتدائے حیات میں یہ عمل غیر رسمی، سُست، ذاتی نوعیت کا اور مجلسی تھا۔ارتقائے علم کے تسلسل میں ثابت ہونے لگا کہ انسانوں میں کچھ لوگ اپنے ہم نفسوں کے لئے اچھائی، امن، بھلائی کی سوچ اور عمل کی ترویج کرتے ہیں۔عالم، معاشری عمل کار یا جنگ جُو اپنے لوگوں کے لئے ایسی ہی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔جنگ جُو اپنی قوم کی حفاظت اور دشمن کو عدمِ تحفظ کا شکار کر دیتا ہے۔اپنی قوم وعوام میں دیوتا سمان جانا جاتا ہے۔مفتوح قوموں میں بھی ایسے ہیروز ہوتے ہیں اور اپنا راہبری عمل جاری رکھتے ہیں۔زندگی کا تسلسل اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ایسے موضوعات کے متعلق خیالات کو محفوظ کر لیا جائے۔جو نقوش محفوظ کئے جاتے ہیں اُنہیں آثار archive اور اِن کے ربط وتسلسل کو دستاویز documents کہا جاتا ہے۔دستاویز کرنے کا عمل تحقیقی، رسمی، منضبط اور سائنسی ہوتا ہے۔طبعی سائنسی علوم کے اُصولوں کو نہایت نرم، لچک دار اور انسانی مزاج کے مطابق منطبق کیا جاتا ہے۔علم وعرفان سے تعلق رکھنے والے کسی معاشرہ کے عالم ایسے لوگوں کی زندگی ،حالات، واقعات، فتح وشکست، مزاج ونفسیات، کردار وعمل اور سیرت کو دستاویز کرتے ہیں۔یہ پیچیدہ عمل سوانح نگار کی ریاضت، طریقۂ کار اور اندازِ بیان کی وجہ سے آسان ترین ہو جاتا ہے۔سوانح نگاری مشکل نگاری کی آسان کاری ہوتی ہے۔قاری کو سیرت، کردار اور عمل کی عملی مثالوں کے خزانے مل جاتے ہیں۔سوانحی کرداروں کے تجربات، خیالات، اخلاق وعمل اور مزاجی رنگا رنگی سے لوگ راہنمائی، درس، عبرت اور کچھ کر گزرنے کا جوش وولولہ inspiration حاصل کرتے ہیں۔سوانح حیات شخصیت کا مکتب اور سوانح نگاری دبستانِ حیات ہوتا ہے۔سوانحی کردار، سوانح نگار اور قاری کی تکون میں زندگی کے مثالی ادارہ کا تکملہ مکمل ہو جاتا ہے۔

سوانح نگاری Biography میں Bio سے مراد''اپنا، اپنا پن، اپنی ذات، اپنی پہچان یا اپنا شخص ہوتا ہے''۔گرافی سوانح نگاری کی ہیئتی اور ساختی تشکیل ہے۔سوانح نگار اپنے کردار کیساتھ ذاتی تعلق پیدا کرتا ہے اِسطرح وہ اپنے کردار کے حق میں رحیم وشفیق، مخالف ومنتقم کی جانب داری کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے۔Bio اُسی طرح کی جانب داری یا Bios کا اپنے کردار کے ساتھ تعلق ہے۔گویا مصنف کا اپنے موضوع کردار سے اچھا یا بُرا تعلق اُس کی جانب داری کی طرح ہوتا ہے جو کہ فنِ سوانح نگاری میں کسی حد تک جائز رویہ ہے۔اِس کا ایک سبب یہ ہے بھی کہ سوانحی ادب کسی شکل

میں مکمل طور پر معروضی objective نہیں ہوسکتا۔انسانوں کے متعلق سوانح نگاری انسانوں کا علم ہے۔ اِس میں طبعی قطعیت انسانوں کے مزاج کے اُتار چڑھاؤ، لچک اور تلوّن کی گنجائش کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ خصائص انسانی فطرت کا حصہ ہیں اِس لیے فنِ سوانح نگاری میں انسانی مزاج کے تنوع اور تلوّن کو بنیادی اقدار کی حیثیت حاصل ہے۔فنِ سوانح نگاری کے ساتھ علمِ نفسیات اور علمِ سماجیات کا اہم تعلق ہے۔ یہ فن ''حیات نویسی'' ہے۔معروف عوامی کرداروں کو اُن کے حجابی پردوں میں جھانکنے کا عمل ہوتا ہے۔ یہ کسی سانحہ میں درد کا حُسن اور انبساط میں خوشی کے عارضی پن کا مرحلہ ومرتبہ ہوتا ہے۔یاداشتوں سے جنم لیتا ہے اور یادگاروں کی تشکیل میں چلا جاتا ہے۔سوانحی ادب کے یادگاری ذریعہ کو memorandum, memoranda, memorabilia, memoirs, کی اصطلاحات میں ابلاغ کیا جاتا ہے۔یادیں اور یادگاریں طویل وضخیم ہوں تو اُن کو اختصاریوں میں پیش کیا جاتا ہے۔اِس طرح کی صنف کو''خاکہ یا شخصی خاکہ sketch, personality sketch'' کہا جاتا ہے۔سوانحی ادب کی تمام تر اصناف میں نمایاں کردار ادا کرنے والے لوگوں کو وہ تصویر ہوتی ہے جس کو وہ اپنے خیال وعمل سے مصوّر کرتے ہیں۔ یہ کردار'' public people who project a persona'' ہوتے ہیں۔

سوانح نگاری کی اولین مثالیں یونانی ادب میں ملتی ہیں۔یونانیوں نے علم و ادب کا کسبِ فیض بابلیوں سے کیا تھا۔ یونانیوں کی اُفتادِطبع نے بابلیوں سے اکتسابِ فکروخیال کو فروغ دیا۔ بابلیوں کے غیر حرکی کمال نے اُن پر زوال نازل کر دیا۔وہ اپنے ہر کمال کو کمالِ آخر سمجھتے تھے اور ایسی سوچ رکھنے والی قومیں بہت ترقی یافتہ ہونے کے باوجود اپنے ہی ارتقاء میں زوال پذیر ہوجاتی ہیں۔تاریخ عالم ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ یونانی تہذیب کے اِس نازک نقطہ کو سمجھتے تھے اور اُنہوں نے اپنی فکر کی بنیاد کو ہمیشہ حرکی dynamic حالت میں رکھا۔عہدِ جدید میں وہ ایسا نہ کر سکے تو جدید یونان، قدیم یونان سے بہت ہی پسماندہ معاشرہ ثابت ہوا۔ یونانی دیومالا، ڈرامہ، داستان، رزم نامہ، بزم رامہ میں انسانی فطرت، کردار وعمل، مزاج وانداز کی تحریریں پیش کرتے تھے۔تاریخ میں بھی یہ عمل ناگزیر تھا اور اب بھی ہے۔تاہم تاریخ اور سوانح کے اَنمٹ تعلق کے باوجود تاریخ اور سوانح اپنی اپنی منفرد پہچان کے علم ہیں۔ انسانی علوم ہمیشہ ایک دوسرے سے متعلق بھی ہوتے ہیں اور منفرد بھی۔ اُن کی تخصیص بھی ہوتی ہے اور حاشیائی تعدیل بھی۔طبعی علوم میں تخصیص حتمی صفت ہوتی ہے۔ کارنیلیئس نیو پوس نے 44 سال قبل مسیح میں'' Lives of Outstanding Generals'' کے عنوان سے سوانحات پیش کیں۔ یونانی ادب میں رسمی سوانح نگاری پلوٹارک Plutrach کی اختراع ہے۔اُس نے'' Lives of the Noble Greeks and Romans'' کے عنوان سے بہت سے ہیروز کی سوانح عمریاں تحریر کیں۔ پلوٹارک کی تحریر کردہ قبل اَز مسیح سوانح عمریاں 80 عیسوی میں اشاعت پذیر ہوئیں۔اُس کی سوانحات کو''Parallel Lives'' بھی کہا جاتا ہے۔ پلوٹارک کا عرصہ ءِحیات 46 عیسوی سے 119 عیسوی تک

ہے۔ پلوٹارک کی سوانح عمریاں سوانحی ادب کے سب سے ابتدائی رسمی نمونے ہیں۔ یونانی فنِ سوانح نگاری کے متوازی اَرضِ رُوما میں تحریر کی جانے والی سوانحِ عمریاں تھیں۔ ڈیموس تھینیز، سائسرو، سکندرِ اعظم اور جولیس سیزر کا موازنہ یونانی ہیروز کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

سوانحی ارتقاء میں مذہبی ادارہ کے کرداروں کی سوانح نگاری زیادہ اہمیت حاصل کر گئی۔ یہ اَزمنہ وسطی کا دور تھا۔ سوانح اپنے اصل سے اعتقاد کی طرف مرکوز ہوگئی۔ مذہبی راہنماؤں، اداروں اور اُن سے متعلق اہم لوگوں کے علمِ سوانح نگاری کو ''ہیگیو گرافی Hagiography'' کے عنوان میں پیش کیا جاتا ہے۔ مذہب کی انسان پرست سادہ سی اخلاقیات کو اقتدار و اختیار کے لئے استعمال کیا گیا اور مذہبی اخلاقیات کی عظمت دربار سے متعلق ہو کر اپنا انسانی تقدس کھو بیٹھی۔ جن ادوار میں انسانوں کے حقوق غلاموں کے حقوق سے زیادہ نہ تھے، مذاہب نے دورِ استبداد میں شاندار کردار ادا کیا۔ اُن زمانوں میں مذاہب کا کوئی متبادل نظام اور نیکی نہ تھی۔ دربار نے اُس کی عظمت کا استحصال کرتے ہوئے اپنے آپ کو ظالم اور مذہبی اداروں کو خوشامدی اور غرضی ادارے بنا دیا۔ اِس عہد کی سوانح عمریاں انسانی تاریخ میں زیادہ اہمیت حاصل نہ کر سکیں۔ ہاں البتہ تاریخی تسلسل میں اُن کی اہمیت موجود رہتی ہے۔ دربار اور کلیسا کا غیر فطری، ناجائز گٹھ جوڑ عوام کے خلاف خوف ناک سماجی سازش تھا۔ اس لئے اپنی باطنی کمزوریوں کی وجہ سے صادق و سالم نہ رہے۔

انگریزی ادب میں بھی سوانح عمری کا ارتقاء غیر رسمی پن سے دستاویز میں ڈھلتا گیا۔ ڈاکٹر سیموئیل جونسن کی سوانح عمری جیمز بوسویل نے ''The Life of Samuel Johnson'' کے عنوان سے 1791 میں تحقیق و تحریر کی۔ یہ فن پارہ عالمی ادب عالیہ میں سوانح عمری کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ پھر فنِ سوانح نگاری زیادہ علمی Scientific ارتقاء ہوتا گیا۔ معاشرہ، ثقافت، عوام، معاشری طبقات میں سے سوانح نگاری کے لئے زرائع دریافت کئے گئے۔ سوانح کے موضوعات اِن زرائع کے سبب زیادہ معنی خیز، قابلِ اعتماد اور معروضی اقدار کے حامل ہوتے گئے۔ چارلس ڈکنز نے اپنے فکشن میں سوانحی موضوعات کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ وہ معاشرہ، ثقافت اور طبقات کو اپنی تخلیق کے سرچشمے سمجھتا تھا۔ انیسویں صدی سے ترسیل شدہ فنِ سوانح نگاری کو بیسویں صدی کے لئے بنیادی اقدار فراہم کیں۔ لِٹن سٹریچی Lytton Strachey نے Cardinal Manning, Florence Nightingale, Thomas Arnold اور General Gordon کے عنوانات سے شاہکار سوانحات تحریر کیں۔ نسائی ادب Feminist Literature میں کیرولین ہیل بُرون Carolyn Heilbrun نے نینسی مِل فورڈ Nancy Milford کی سوانحی تحریر ''زیلڈا Zelda'' کو نسائی سوانح عمریوں کی بنیاد قرار دیا۔ اِسی عہد میں مے سارٹن May Sarton کی تحریر ''Journal of a Solitude'' کو بے پناہ نسائی اہمیت نصیب ہوئی۔ امریکہ اور یورپ میں فنِ سوانح نگاری کو معاشرتی تاریخی تشریح کا طریقۂ کار قرار دیا گیا۔ بیسویں صدی میں اِس فن کو بہت ہی زیادہ فروغ ملا۔ لوگوں کو بہت

سے علوم کا مطالعہ کرنے کی بجائے کسی ایک سوانح میں اُن کے مطلوبہ مندرجات میسرآ جاتے ہیں۔گویا معاشرہ ،ثقافت اورطبقات کے ساتھ قارئین کا ذاتی ابلاغ communication اور تفاعل interaction ہوتا ہے۔

سوانح نگاری اور خودنوشت سوانح نگاری میں بعض عوامل ممتاز اور متفرق ہوتے ہیں۔سوانح نگاری میں مصنف اور اُس کا موضوع فرداً الگ الگ ہوتے ہیں۔اُن کی شخصیت، کردار،نفسیات اور عمل مختلف ہوتے ہیں۔سوانح نگار کسی اور کا مطالعہ اور تجزیہ پیش کرتا ہے۔اُس کا موضوع اپنے موضوع سے مختلف ہوتا ہے۔وہ دوسرے آدمی کی اجنبیت کے باوجود اُسے اپناتا ہے۔سوانح نگار اپنے موضوع فرد کو سمجھ بوجھ کر اپنے نقطہءِ نظر سے پیش کرتا ہے۔نہ کہ اُس کا فردِ موضوع کیا تھا یا لوگ اُس کے متعلق کیا توقعات رکھتے ہیں۔سوانح عمری میں تاریخیت کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے۔حالات و واقعات،مظاہر اور مناظر کی تصویر کاری کی جاتی ہے۔فردِموضوع کی شبیہہ پیش کی جاتی ہے۔سوانح نگار اپنے فردِ موضوع اور نفسِ مضمون کی وجہ سے خاص تعینات کا پابند ہوتا ہے اور اُن سے باہر نہیں جاسکتا۔سوانح نگار سوانحی فرد کا محاسبہ بھی کرسکتا ہے۔اُس کی اچھائی بُرائی،اخلاق اور بداخلاقی،کردار اور بدکرداری پر شہادت کے ساتھ کھل کر بات کرسکتا ہے۔ اِس عمل سے اخذ کردہ نتائج کو مطالعہ کے لئے قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش بھی کرسکتا ہے۔سوانح عمری کا انحصار ماضی ہے۔ ماضی سے یادوں اور دستاویزات کی شہادت سے سوانح عمری کشید کی جاتی ہے۔سوانح عمری کے مندرجات قابلِ اعتراض یا استرداد بھی ہوسکتے ہیں۔ایسی صورت حال میں سوانحی موضوعات پرنظر ثانی کی گنجائش بھی موجود ہوتی ہے۔سوانح عمری پر سوال و جواب کی عمل کاری کی ضرورت پیش آنے پر کرداروں کے متعلق نئی فیصلہ سازی بھی کی جاسکتی ہے۔

خودنوشت سوانح نگار اپنے متعلق آپ ہی لکھتا ہے۔اُس کا مصنف اور موضوع وہ خود ہی ہوتا ہے۔کوئی اجنبیت اور پرایا پن نہیں ہوتا۔اپنی شخصیت سے مانوس ہونے کی وجہ سے بیان کاری کی سہولت رکھتا ہے۔اپنے متعلق فیصلہ سازی کرسکتا ہے کہ اُسے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔سوانح نگاری میں محاسبہ کی طرح خودنوشت میں اختصار کی گنجائش بہت ہی کم ہوتی ہے۔اِسی وجہ سے اُس پہ زیادہ سوال و جواب، پرکھ پڑتال اور محاسبہ کی بجائے تھوڑے بہت شکوک وشبہات کے ساتھ قبول کرلیا جاتا ہے۔تاریخی عمل کی گنجائش تو ہوتی ہے لیکن چونکہ تحریر فردِ واحد کہ مرکزہ کے اردگرد گھومتی ہے اِس لئے تاریخیت کا عمل بہت زیادہ درکار نہیں ہوتا۔خود نوشت سوانح نگار عام طور پر اپنی توانائیاں ،کمزوریاں اور خطائیں بڑی احتیاط اور توازن سے بیان کرلیتا ہے۔سوانح عمری ماضی بعید سے کشید کی جاتی ہے اور خودنوشت سوانح لکھنے والے کے اپنے ماضی سے۔ماضی سے مواد اور اُس کے لئے حافظہ خودنوشت کی تعمیر وخمیر میں اساسی کردار ادا کرتے ہیں۔اِس کے مندرجات چونکہ ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں لہٰذا قابلِ اعتراض ہونے کے باوجود بھی کچھ پسند ناپسند کے ساتھ قبول کرلئے جاتے ہیں۔اس لئے کہ یہ ذاتی نوعیت کی پیش کاری ہوتی ہے۔عام طور پر خودنوشت کے مظاہر ومناظر اور مندرجات میں مداخلت نہیں کی جاتی۔کیونکہ اِس کی زیادہ تر نوعیت موضوعی ہوتی ہے جس میں خطا error وغیرہ اور اَنا ego کی گنجائش موجود رہتی ہے۔

کتابیات

1۔آرزومختارالدین۔احوال غالب۔انجمن ترقی اردو ہند۔
2۔آزاد،ابوالکلام،چیدہ شخصیتیں،مکتبہ عزیز بھاول پور
3۔آزاد،اسرازاحمد،جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات (جلداول) مکتبہ برہان۔دہلی 1951ء
4۔آزادمحمدحسین،آب حیات،ملک فیروزالدین،لاہور
5۔آغاحسن،رضوی،لکھنو،احسن التواریخ دوجنیدں،مطبع جنگ،بہادری،1864ء
6۔ابن حسن دارن ہیٹنگز،سلسلئہ انصاب عثمانیہ،1926ء
7۔ابراہیم خاں،گلزارابراہیم،انجمن ترقی اردو
8۔ابوالحسن،ترجمہ،اشعات اردو،مطبع نول کشور لکھنو،1893ء
9۔ابوالحسن علی،سید،سیرت سیداحمد شہید،یونائیٹڈ پریس لکھنو 1941ء
10۔ابوالحسن علی سید،عوارف المعارف،نول کشور پریس لکھنو۔
11۔ابوالقاسم،رئیس قادیان
12۔ابویحیٰ امام خاں،ترجمہ علمائے حدیث ہند(جلداول) جید پریس دہلی 1938ء
13۔اجمل خاں،محمد،سیدنا محمد صلعم،بیت الحکمت دہلی،1951ء
14۔احسن لکھنو،واقعات انیس،مطبع تھوی ٹولہ لکھنو،1908ء
15۔احتشام حسین،تنقید جائزہ ہے،دانش محل لکھنو
16۔احسن،سیدمحمد،شمس النظام فی احوال صاحب العصر مطبع اثناعشری دہلی،1340ء
17۔احمد دہلوی،سیدمحمد ترجمہ مارکوئس آف ڈلہوزی،انجمن ترقی اردو،1922ء
18۔احمد کلیم الدین،اردوتنقید پرایک نظر
19۔احمد قادری سید،تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی،شاد بکڈپو،ٹپنہ 1371ھ
20۔احمدحسن الہ آبادی،حیات نورالدین محمود،قیصر ہند پریس الہ آباد،1900ء
21۔احمدالیاس مجیبی،سرکار کادربار،جامعہ ملیہ دہلی،1928ء
22۔احمداللہ قادری،سید،سوانح عمری چاند بی بی،تاریخ پریس حیدرآباد،1930ء
23۔اختر دہلوی،مرزامحمد،تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان (تین جلدیں) کتب خانہ رشیدیہ دہلی،1946ء
24۔اختر مرزااحمد،سوانح عمری خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری۔
25۔اختراحمدمیاں،حیات نظامی،الناظر پریس لکھنو
26۔اختر انصاری،ایک ادبی ڈائری،ثناءاللہ خاں لاہور،1941ء

27۔اسد علی انوری سید،قتیل اور غالب،مکتبہ جدید دہلی،1932ء

28۔اسماعیل پانی پتی،تذکرہ حالی،حالی بک ڈپو،1935ء

29۔اسلم جیراج پوری،حیات حافظ،مطبع فیض عام علی گڑھ،1909ء

30۔اسلم جیراج پوری،حیات جامی،مطبع فیض عام علی گڑھ 1918ء

31۔اسلم جیراج پوری،حیات حافظ،مطبع فیض عام علی گڑھ

32۔اسلم جیراج پوری،سیرت عمر بن العاص،مطبع فیض عام علی گڑھ 1914ء

33۔اشرف ڈاکٹر،لینن،مکتبہ اردو لاہور

34۔اشرف علی،نشرالطیب فی ذکر احوال الحبیب،مطبع احمدی لکھنو

35۔اشرف علی،رحمت علی خاں عزیز،1907ء

36۔اشفاق حسین سید،غازی مصطفیٰ کمال پاشا،ہاشمی بک ڈپو،لاہور 1937

37۔اشہر لکھنو،حضرت رشید،تھوی ٹولہ لکھنو،1932ء

38۔اشہری اسید امجد علی،نور جہاں پاشا بیگم کی سوانح عمری،مطبع آگرہ اخبار آگرہ

39۔اشہری،سید امجد علی،حیات انیسؔ

40۔اشہری،سید امجد علی،سوانح عمری ٹیپو سلطان،وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرتسری 1911ء

41۔اشہری،سید امجد علی،سوانح حیدر علی سلطان،1940ء

42۔اشہری،سید امجد علی،منظر الکرام،عماد پریس حیدرآباد،1340ء

43۔اظہر دہلوی تذکرہ احرار اسلام،اسلامیہ بک ڈپو،لاہور،1940ء

44۔اعجاز حسین،جدید ادبی رجحانات

45۔افتخار عالم،حیات النظیر ،1911ء

46۔افتخار حسین آغا،فکر فرہنگ،نفیس اکیڈمی حیدرآباد،1946

47۔افضل حسین ثابت،حیات دبیر،تسنیم پریس لاہور،1912ء

48۔افضل حق چوہدری،محبوب خدا،تاج کمپنی لاہور

49۔اکبرالدین صدیقی،مشاہیر قندھار دکن،شمس المطابع حیدرآباد

50۔اکرام محمد،قید یاغستان،گیلانی پریس لاہور،1937ء

51۔اکرام،شیخ محمد،غالب نامہ

52۔کرام،شیخ محمد،تاج آفس بمبئی

53۔اکرام الدین،سعادت الکونین فی فضائل الحسنین (ترجمہ رحیم بخش) افضل المطابع دہلی

54۔اکرام اللہ خان، وقار حیات، یونیورسٹی پریس علی گڑھ، 1928ء
55۔الطاف علی، سید، حیات حافظ رحمت خاں، نظامی پریس بدایوں
56۔آل محمد حاجی، تصویر کربلا، مطبع اثنا عشری
57۔بسمل، قربان علی ہفت بہشت، مطبع رحمانی دہلی،
58۔بشارت علی خاں، مغازی الصادقہ، (ترجمہ) نول کشور کانپور
59۔بھاردواج مدین موہن، جھانزی کی رانی، نارائن دت سہگل، لاہور 1907ء
60۔بھگوان داس، لالہ، روٗسائے، امتیاز و نامی خاندان، پنجاب (ترجمہ عیسی) منشی گلاب سنگھ، لاہور
61۔بھولا ناتھ، ظہور حقیقت، نول کشور لکھنو
62۔پرکاش دیو جی، حضرت محمد صاحب، مہاپرشوں کا سلسلہ
63۔پرکاش دیو جی، گوتم بدھ، مہاپرشوں کا سلسلہ
64۔پرکاش دیو جی، مارٹن لوتھر، مہاپرشوں کا سلسلہ
65۔پرمانند، بیراگی بیز، لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور، 1938ء
67۔پریم چند، رام چرچا، لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور، 1929ء
68۔پریم چند، باکمالوں کے درشن نیشنل پریس الہ آباد،
69۔ظہور ایمان در نجف فی نسب عمران قطب ابی طالب سیوک پریس لاہور، 1912ء
70۔تبسم نظامی، جگر مراد آبادی، نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن، 1946ء
71۔تبسم نظامی، جگر مراد آبادی، نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن، 1946
72۔تبسم نظامی، تذکرہ اکبر الہ آباد، مکتبہ سلطانی، 1948ء
73۔تجمل حسین، ڈیماستھیز (ترجمہ) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، 1917ء
74۔تقی حیدر شاہ، اذکار الابرار شاہی پریس لکھنو، 1357ء
75۔تقی حیدر شاہ، نفحات الغبر یہ من انفاس القلندریہ، اصح المطابع لکھنو۔
76۔تنہا، محمد یحییٰ، سیر المصنّفین
77۔تیج رائے، صحیفہ آسمان جاہی، مطبع صاحب دکن، 1903ء
78۔جعفری رئیس احمد، سیرت محمد علی، جامعہ ملیہ دہلی، 1931
79۔جعفری رئیس احمد، رندِ پارسا، انجمن ترقی اردو دہلی 1945ء
80۔جعفری رئیس احمد، حیت محمد علی جناح، تاج آفس بمبئی، 1946ء
81۔جعفری، سید جلال الدین حیدر، خاتم النبین، مطبع انوار احمدی الہ آبادی

82۔جعفری،سیدجلال الدین حیدر،عشرۂ مبشرہ،مطبع انواراحمدی الہ آبادی

83۔جعفری،سیدجلال الدین حیدر،انصار،مطبع انواراحمدی الہ آبادی

84۔جعفری،سیدجلال الدین حیدر،مہاجرین،مطبع انواراحمدی الہ آبادی

85۔جعفری،سیدجلال الدین حیدر،تابعین،مطبع انواراحمدی الہ آبادی

86۔جعفری،سیدجلال الدین حیدر،سیرت صدیق،مطبع انواراحمدی الہ آبادی

87۔جعفری،سیدجلال الدین حیدر،،خودنوشت سوانح عمری وسفرنامہ،سرفراز پریس لکھنو،1947ء

89۔جلال الدین سیوطی(مترجمہ شبیراحمدانصاری)تاریخ الخلاءکتب خانہ اشرافیہ

90۔جمیل احمد کندھائے پوری،یادگارحشر نارائن دت سہگل،1942ء

91۔جمیل حسین،ترجمہ سلطان محمودغزنوی داند پروفیسر حبیب ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد،1940ء

92۔جوش،سلطان حیدر،نواب فرید،نظامی پریس بدایوں،1917ء

93۔جویا،محمدعلی،رسالہ سیرالاقطاب،نول کشور،لاہور

94۔جہاں بانو بیگم نقوی،محمدحسین آزاد،ادارۂ ادبیات اردو،حیدرآباددکن،1940ء

95۔جہانگیر،توزک

96۔جہاں گیرخاں،محمد،تذکرۃ الخلفا،ستارۂ ہند پریس آگرہ،1891ء

97۔جے کرشن،کالی داس،شیخ مبارک علی لاہور،1927ء

98۔چندرشیکرشاستری،ہٹلراعظم،سیاسی لٹریچر کمپنی دہلی،1938ء

99۔حالی،الطاف حسین،حیات سعدی،

100۔حالی،الطاف حسین،یادگارغالب

101۔حالی،الطاف حسین،حیات جاوید

102۔حامدحسین،ابوالفتح،فتح علی ٹیپونول کشورلکھنو،1940ء

103۔حامدعلی خاں بیرسٹر،حیات مولانا کرامت حسین بیرسٹر،الناظرلکھنوء1918ء

104۔حسرت لکھنوی،تذکرہ خان بہادرعبدالغفور،نامی پریس

105۔حسرت،چراغ حسن،بغاوت عرب اورلارنس،اردوکتب خانہ لاہور

106۔حسرت،چراغ حسن،مردم دیدہ

107۔حسرت،چراغ حسن،ارباب سخن

108۔حسن بلگرامی،دبدبۂ امیری،شمس پریس آگرہ،1901ء

109۔حسن،برنی،البیرونی،یونیورسٹی پریس گڑھ،1917ء

201۔حسن،میر،درڈ زورتھ اوراس کی شاعری،ادارۂ ادبیات اردوحیدرآباددکن،1932ء

202۔حسن عباسی،عباسیان کا کوردی،نامی پریس لکھنو،1947ء

203۔حسن،محمد،مشائخ نقشبندیہ مجددیہ،ملک چنن الدین لاہور

204۔حسین محمد،وقائع فریدالدین چشتی،مطبع لاہور،1902

205۔حسین،سیدمحمد،تذکرہ بے بہافی التاریخ العلماء،کاظم بک ڈپودہلی،1921ء

206۔حسین محمد،شہیدان کربلا،

207۔حسین،احمد مدنیؒ،حیات محمود۔

208۔حسین خان،محمد،افغان بادشاہ،فیروز پریس لاہور

209۔حفیظ،سیدڈاکٹر،گوتم،انجمن ترقی اردو،1923ء

211۔حفیظ اللہ پھلواری،اسلامی روایات،برقی پریس پٹنہ،1930ء

212۔حمید کے۔اے،اتاترک مصطفیٰ کمال،قومی کتب خانہ لاہور،1945ء

213۔حمید،کے۔اے،مشاہیرعالم،،قومی کتب خانہ لاہور،1939ء

214۔حیدرعلوی،نفائس المنن فی ذکرسیدناابوالحسن،مدینہ پریس بجنور،1934

215۔حیرت مرزا،سوانح عمری نورتن اکبری،میور پریس،دہلی

216۔حیرت مرزا،معلم ثانی (بوعلی سینا) جیون پرکاش دہلی

217۔حیرت مرزا،اکمال فی اسمارالرجال،اسلامیہ پبلشنگ کمپنی دہلی

218۔حیرت مرزا،سیرت رسول،کرزن پریس دہلی

219۔حیرت مرزا،چراغ دہلی

220۔خادم محی الدین،میرداستان حیات،(ازہیلن کیلم) قومی کتب خانہ،لاہور،1920ء

221۔خاموش کرم الٰہی،ترجمہ کمال اتارترک داز استاذ توفیق،علمیہ بک ڈپو۔

223۔خیرالدین،اعمال نامہ یزید،خیرخواہ اسلام آگرہ،1311ء

224۔داراشکوہ سلطان سکینۃ الاولیا (ترجمہ) نول کشورلاہور

225۔داؤمحمد،خواجہ معین الدین چشتی

226۔ذکار،خوب چند،عیارالشعرا

227۔دتاسی،گارساں،خطبات،انجمن ترقی اردو

228۔ذکاءاللہ،منشی،سوانح عمری ملکہ وکٹوریہ وشہزادہ البرٹ،شمس المطابع دہلی،1904ء

229۔راشت الخیری،الزہرا،درویش پریس دہلی،1922ء

230۔راشدالخیر،امت کی مائیں،حمیدیہ پریس دہلی،1925ء

231۔رام چندر،پروفیسر،تذکرۃ الکاملین،نول کشور لکھنو،1849ء

232۔رام سنگھ بخشی،سات ستارے

233۔مسلم دیش بھگت،ہندوستانی کلچر سوسائٹی1949ء

234۔آج کے شہید،ہندوستانی کلچر سوسائٹی

235۔رحیم دہلوی،جواہر لال کی کہانی (حصہ اول) نیا کتاب گھر دہلی

236۔رشید احمد خاں،حیات اجمل،دفتر حیات اجمل دہلی

237۔رضا علی سر،اعمال نامہ،1942ء

238۔رفعت مبارز الدین،پیت کی ماری روپ متی،دبستان اردو،حیدرآباد دکن،1945ء

239۔رفعت مبارز الدین،سجاد حیدر یلدوم،ادارۂ دانش وحکمت،1946ء

240۔رفیق،مہدی سوڈانی،دارالاشاعت صوفی

241۔رفیق محمد،خاخانی ہند

242۔رگھوناتھ وکیدارناتھ،مہاراجہ اشوک،کپور اینڈ سنز لاہور

243۔رموزی ملا،تذکرہ خواتین انگورہ،مطبع ادبیہ لکھنو،1923ء

244۔رنگین،سعادت یار خاں،مجالس رنگین

245۔زبیری،محمد امین،تذکرۂ وقار،1935ء

246۔زور،غلام محی الدین ڈاکٹر،تین شاعر

247۔زور،غلام محی الدین ڈاکٹر،اردو شہ پارے

248۔زور،غلام محی الدین ڈاکٹر،گارساں دتاسی،اعظم پریس حیدرآباد دکن،1931ء

249۔زیدی،سید صغیر حسن،صحیفہ نور،اثناعشری دہلی ص57،1919ء

250۔ساحل بلگرامی،تذکرۂ چمن اردو،دارالاشعات پنجاب لاہور،1930ء

251۔سالک عبدالمجید،دانایان فرنگ،1846ء

252۔سبطِ حسن،الکاظم،جلد اول،انوار المطابع

253۔سپرنگر،یادگار شعراء،ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد

254۔سراج الدین احمد،سیرت فاروق

255۔سراج الدین احمد،صلاح الدین،1897ء

256۔سردار علی،حیات کیفی،شمس السلام پریس حیدرآباد،1345ء

257۔سردار محمد حسنی، سوانح عمری سلطان ان سعود،ص246، 1939ء
258۔سرور مفتی غلام،حدیقۃ الاولیاء نول کشور کانپور،1293ھ
259۔سرور مفتی غلام،گلدستہ کرامات،نول کشور کانپور،1348ھ
260۔سرور پروفیسر محمد،مولانا عبیداللہ سندھی،سندھ ساگرا کیڈمی لاہور،1943ء
261۔سرورآل احمد،تنقیدی اشارے
262۔سرورآل احمد،تنقید کا
263۔سرورآل احمد، نئے پرانے چراغ
264۔سروری،عبدالقادری،اردو مثنوی کا ارتقاءادارۂ ادبیات اردو،حیدرآباددکن
265۔سعادت سلطان،دختران شمشیر
266۔سعیداحمد مارہروی،حیات خسرو وکیل ٹریڈنگ کمپنی امرتسر 1909ء
267۔سعیداحمد ماہروی،امرائے ہنود، نامی پریس کانپور،1910
268۔سعیدانصاری،سیرالصحابیات،مطبع معارف،اعظم گڑھ،1341ھ
269۔سعیدانصاری،سیرانصار،حصہ اول ودوم،معارف اعظم گڑھ،1342ھ
270۔سعیدالدین احمد،امرائے ہنود
271۔سراج الدین احمد،صلاح الدین
272۔سکندرعلی شروانی،حیات سعدی،صوفی، پنڈی
273۔سکھیر سنگھ، چراغ ہدایت،نول کشور پریس
274۔سلطان احمد خاں مرزا، یادگارحسین،مرغوب ایجنسی لاہور
275۔سلیمان محمد،رحمت اللعالمین، تین جلدیں۔
276۔ہومن لال،مہتا ماسگھد یوسنگھ یادوبی۔اے۔،متعلم ایم۔اے،دتی پرنٹنگ ورکس دہلی،1917
277۔سیداحمد خان سر،آثارالصنادید
278۔سیداحمد خان سر،خطبات احمدیہ
279۔سیدمحمد،ارباب نثر اردو،ادارہ ادبیات اردو،حیدرآباد،دکن
280۔سیدرام کوہلی پروفیسر،مہاراجہ رنجیب سنگھ،ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد،1913ء
281۔سیماب اکبرآباد،سیرت الحسین،رسالہ صوفی،
282۔سیماب اکبرآباد،حالات حالی،رسالہ صوفی1910ء
283۔سیماب اکبرآباد،سوانح نورجہاں بیگم،ابوالعناتی پریس آگرہ1921ء

284۔سیماب قریشی،خاتم النبین ،برکت علی لاہور،1328ھ

285۔سیماب قریشی،سیف اللہ،برکت علی لاہور،1338ھ

286۔سیماب اکبرآباد،زیب النساء بیگم،کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین

287۔سیماب اکبرآباد،ذوالنون مصری،کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین

288۔سیماب اکبرآباد،میرداد،کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین

289۔سیماب اکبرآباد،شمس تبریز،کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین

290۔سیماب اکبرآباد،حیات سعدی،کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین

291۔سیماب اکبرآباد،خدیجۃ الکبری،کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین

292۔سیماب اکبرآباد،حیات داغ،کارخانہ صوفی پنڈی بہاؤالدین

293۔شادعظیم آبادی،حات فریاد،معارف اعظم گڑھ،1926ء

294۔شانتی نرائن،ترجمہ میری جدوجہداز ہٹلرنارائن دت سہگل،1938ء

295۔شانتی نرائن،رام چرتر،از ہٹلرنارائن دت سہگل

296۔شانتی نرائن،کرشن چرتر،از ہٹلرنارائن دت سہگل

297۔یونس انصاری فرنگی محلی،ابن رشد،معارف اعظم گڑھ

298۔شاہ گل،تذکرۂ غوثیہ،مطبع فاروقی،1299ھ

299۔شبلی،المامون،علی گڑھ یونیورسٹی پریس علی گڑھ،1888ھ

300۔شبلی،الفاروق،علی گڑھ یونیورسٹی پریس علی گڑھ

301۔شبلی،الغزالی،علی گڑھ یونیورسٹی پریس علی گڑھ

302۔شبلی،سیرالنعمان،علی گڑھ یونیورسٹی پریس علی گڑھ

303۔شبلی،جہانگیروتوزک جہانگیری،

304۔شبلی،مضامین المگیر،مطبع انتظامی لاہور

305۔شبلی،سوانحی مضامین(حصہ پنجم)

306۔شبلی،زیب النساء

307۔شبلی،بیان خسرہ،علی گڑھ یونیورسٹی پریس علی گڑھ

308۔شبلی،شعرالعجم(حصہ اول،دوم وسوم)

309۔شجاعت علی تذکرہ فصیح،اسٹارآف انڈیاپریس،آرہ

310۔شرر،لارڈ بیکن،دلگداز پریس،1900ء

311۔شرر،حسن بن صباح،دلگداز پریس،

312۔شرر،ابوبکرشبلی،دلگداز پریس،

313۔شرر،خاتم المرسلین،،دلگداز پریس،

314۔شرر،صد پارۂ دل(دو حصے)قومی پریس دہلی

315۔شرر،شیریں ملکہ عجم،قومی پریس دہلی

316۔شرر،تاریخ خلافت،قومی پریس دہلی،1919

317۔شرر،سیر رجال،ہرکٹائل پریس،لاہور،1920

318۔شرر،جنید بغدادی،دلگداز پریس،1341ھ

319۔شرر،ثانی اثنین (سیرت ابوبکر)دلگداز پریس،1923

320۔شرر،ذی النورین(عثمان)،دلگداز پریس،1925

321۔شرر،خواجہ معین الدین چشتی،قومی پریس دہلی،1920ء

322۔شرر،عبدالحلیم،ابوالحسنین (حضرت علی)،دلگداز پریس،

323۔شرر،عبدالحلیم،قرۃالعین حیدر،دلگداز پریس لکھنو

324۔شرر،عبدالحلیم،جویائے حق،دلگداز پریس لکھنو

325۔شرر،عبدالحلیم،ملکہ زنوبیہ،دلگداز پریس لکھنو

326۔شرر،عبدالحلیم،سکینہ بنت حسین،دلگداز پریس لکھنو

327۔شردھے پرکاش دیو جی،صبا راجہ اشوک اور اس کے فرمان،نارائن دت سہگل،1917ء

328۔شروانی حبیب الرحمٰن،علمائے سلف

329۔شروانی حبیب الرحمٰن،،تذکرہ بابر،شمس الاسلام پریس حیدرآباد

330۔شروانی حبیب الرحمٰن،سیرت الصدیق،شمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن،1930ء

331۔شریف احمدی،میر معاویہ،مطبوعات حمیدیہ دہلی،1921ء

332۔شفیق اچھمی نرائن،چمنستان شعراء

333۔شمس الرحمٰن،اردو خطوط

334۔شوق،حافظ احمد علی خاں،تذکرہ کاملان رام پور،ہمدرد پریس دہلی،1939ء

335۔شوق عبدالرحمٰن،ہندوستان کی شہزادیاں،ملک دین محمد لاہور

336۔شہباز عبدالغفور،زندگانی بے نظیر،نول کشور لکھنو1910ء

337۔شیخ چاند،شری ایکساتھ،انجمن ترقی اردو1934ء

338۔شیخ چاند، ملک غیر،عہد آفریں (اقبال) اعظم حیدر آباد 1931ء
339۔شیخ علی منصرم، نیرنگ زمانہ، نظامی پریس لکھنو
340۔اختر حسن، عارفات سلطانی، افضل المطابع دہلی، 1917ء
341۔شیرانی محمود خاں، مقالات شیرانی،
342۔شیر جنگ، کارل مارکس اور اس کی تعلیمات، کتاب منزل لاہور 1948ء
343۔شیفتہ، گلشن بے خار
344۔شیو چرن لال، بابو، رشی کاؤنٹ ٹالسٹائی، نولکشور لکھنو 1917ء
345۔شیو چرن لال، بابو، ٹالٹائی کی کہانی خود اس کی زبانی، نول کشور لکھنو 1917
346۔صابر قلی خاں نواب، نومران عرب، سلیمان پبلشنگ ہاؤس، محمد گڑھ، 1947ء
347۔صادق قریشی، ذکر حالی، اردو مرکز لاہور 1949ء
348۔صالحہ عابد حسین، یادگار حالی، انجمن ترقی اردو ہند، 1949ء
349۔صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، معارف اعظم گڑھ 1929ء
350۔صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، معارف اعظم گڑھ، 1929ء
351۔صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، معارف اعظم گڑھ، 1948ء
352۔صباح الدین عبدالرحمٰن، تذکرہ اولیائے کرام، ادبستان لاہور، 1949ء
353۔صدیق محمد، سلطان ایوب، صوفی، 1343ھ
354۔صدیقی، رشید احمد، گنج ہائے گرانمایہ
355۔صدیقی، رشید احمد، ذاکر صاحب، کتابی دنیا لمٹیڈ
356۔صغیر حسن، سوانح عمری، امیر مختار، مطبع اثنا عشری
357۔صوفی (کارخانہ) مشاہیر ہند
358۔ضیاء محمد، یادگار وارث، قومی کتب خانہ لاہور، 1935ء
359۔طالب، سراج الدین، میر عالم
360۔طالب الہ آبادی، اکبر الہ آبادی، ہندوستانی اکیڈمی
361۔طاہرہ روضۃ الاصفیا، مطبع احمدی، چاولی محمد 1337ھ
362۔ظفر علی خاں، فلسفہ ابن سینا، مسلم پرنٹنگ پریس لاہور، 1914ء
363۔ظفر علی خاں، سید جمال الدین افغان کے حالات، کارخانہ صوفی
364۔ظہور الحسن، بیگمات خاندان تیموریہ۔

365۔ظہیر دہلوی، داستان غدر، مع سوانح عمری حضرت ظہیر، آغا طاہر، 1910ء

366۔ظہیر الدین، سلطان احمد شاہ بہمنی، مکتبہ ابراہیم، حیدر آباد دکن، 1937

367۔عابد حسین، تلاش حق، مکتبہ جامعہ دہلی

368۔عابد علی بیگ مرزا، الفرق (حصہ اول ودوئم) برلاس پریس مراد آباد، 1905ء، 1907ء

369۔عاشق الٰہی، تذکرۂ رشید (دوم جلدیں) خیر المطابع میرٹھ، 1366ھ

370۔عالم محمد شاہ، مزارات اولیائے دہلی (حصہ اول ودوم) جان جہاں پریس دہلی، 1330ھ

371۔عباس محمد، مشاہری نسواں، 1901

372۔عباد اللہ امرتسری، مشاہیر اسلام، شیخ الٰہی بخش لاہور، 1336ھ

373۔عباد اللہ امرتسری، حضرت زید بن حارث

374۔عبد الاحد، کمالات عزیزی، مطبع مجتبٰی دہلی 1308ھ

375۔عبد الباری آسی، تذکرۃ الخزائن، نول کشور لکھنو

376۔یوسف احمد بغداد، سلاطین وقائدین اسلام عہد حاضریں، 1936ء

377۔عبد الجبار خاں ملکاپوری، محبوب ذوالننین تذکرہ اولیائے دکن

378۔عبد الجبار خاں ملکاپوری، محبوب انجمن تذکرہ امرازرائے دکن

379۔عبد الحکیم، سید محمد، دبدبۂ امیری

380۔عبد الحق، ذکر میر، انجمن ترقی اردو

381۔عبد الحق، ذکر میر، انجمن ترقی اردو

382۔عبد الحق، چند ہمعصر، انجمن ترقی اردو

383۔عبد الحق، اردو کی نشونما میں صوفیائے کرام کا کام، انجمن ترقی اردو دہلی، 1939ء

384۔عبد الحمید زبیری، ڈاکٹر پیتالوزی، مکتبہ جامعہ دہلی، 1926ء

385۔عبد الحی بدایوانی، تذکرۃ الصلح، مطبع نظامی بدایوں، 1330ھ

386۔عبد الحی بدایوانی، فاروقی، خلفاء اربعہ، مکتبہ جامعہ دہلی 1938ء

387۔عبد الحی، سیرت عثمان

388۔عبد الحی، گل رعنا

389۔عبد الرب دہلوی، فردوس آسیہ، مطبع رحانی، 1924ء

390۔عبد الحرمن حافظ، الصدیق

391۔عبد الرحمٰن حافظ، پیام اقبال

392۔عبدالرزاق کانپوری، البرامکہ، نول کشور، دوکیل کمپنی، 1896ء

393۔عبدالرزاق کانپوری، نظام الملک طوسی دوحصے نامی پریس کانپور 1912

394۔عبدالرزاق کانپوری، یادآیام، عبدالحق اکیڈمی، حیدرآباددکن، 1946

395۔عبدالرؤف عباسی، تذکرہ حبیبی، معارف پریس لکھنو 1911ء

396۔عبدالشکور، ترجمہ اسدالضابہ(آٹھ جلدوں میں)عمدۃ المنابع، 1344ھ

397۔عبدالشکور، اصغر سعید برادرس الہ آباد، 1945ء

398۔عبدالعزیز خاں، اسلام اوراس کا بانی (کارلائل ہیروز ترجمہ)

399۔عبدالمعلیٰ، حیات ناصرالدین قاچار، 1897ء

400۔عبدالعلیم مراری، سیرت النبی اور مستشرقین

401۔عبدالغفار، قاضی، ایک معلم کی زندگی (حصہ اول ودوم)

402۔عبدالغفار، قاضی، مجنوں کی ڈائری، دارالادب پنجاب لاہور

403۔عبدالغفار، لیلیٰ کے خطوط

404۔عبدالغفار قاضی، آثار ابوالکلام آزاد، نیشنل فاؤنڈیشن بمبئی 1941ء

405۔عبدالغفار قاضی، آثار جمال الدین افغانی، انجمن ترقی اردو ہند، 1940ء

406۔عبدالغفار قاضی، حیات اجمل، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ 1950ء

407۔عبدالقیوم علیگ بیرسٹر، مجاہدین مراکش، فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور، 1912

408۔عبدالکریم سید، تذکرہ مولوی سمیع اللہ خاں، شمسی پریس آگرہ

409۔عبداللہ خاں، مشاہیر عالم حصہ اول

410۔عبداللہ محمد، تفریح الاحباب فی المناقب العمال والاصحاب (ترجمہ) اکمل المطالب، 1310ھ

411۔عبداللہ عمادی، ترجمہ طبقات کبیر آٹھ جلدیں، جامعہ عثمانیہ، 1911ء

412۔عبدالماجد، فی مافیہ (ملفوظات رومی) معارف اعظم گڑھ 1948ء

413۔عبدالمجید، تاریخ بنی اسرائیل، مطبع مجیدی کانپور، 1910ء

414۔عبدالماجد، محمد علی کی ڈائری کے چند اوراق

415۔عبدالماجد، اکبرنامہ

416۔عبدالماجد، حکیم الامت، انور بک ڈپو لکھنو

417۔عتیقی عبدالحفیظ، العتیق (ابوبکر) آگرہ اخبار پریس آگرہ 1930ء

418۔عتیقی، ترکان احرار باتصویر، کامل بک ڈپو لاہور، 1911ء

419۔عرش ضمیرالدین،عبادت مومن،1348ھ

420۔عزیز مہندی،زوال غازی،1934ء

421۔عسکری،ادبی خطوط غالب

422۔عشرت،خواجہ عبدالرؤف،آب بقا

423۔علی لطف مرزا،گلشن ہند

424۔علی جوادخاں،الکاظم جلداول،انوار المطابع

425۔علی اصغر بلگرامی سید معاصر دکن، جامعہ عثمانیہ،1924ء

426۔علی حسن خاں،معاصر صدیقی چارحصے،نول کشور1924ء

427۔علی حیدر کاکوروی،تذکرہ مشاہیر کاکوروی،اصح المطابع،1127ھ

428۔عمادالدین،توزک سکندری،نول کشور،1912ء

429۔عنایت حسین،عزاخانہ مسعود،مطبع نظامی کانپور1876ء

430۔عنایت اللہ شیخ،حیات اقبال

431۔عنایت اللہ شیخ،تیمور ترجمہ از لیمب

432۔عنایت اللہ شیخ،چنگیز خاں ترجمہ از لیمب

433۔عنایت اللہ شیخ،دلزلی

434۔عنایت اللہ،ترجمہ چنگیز خاں(از لیمب)معارف اعظم گڑھ1342ھ

435۔عنایت اللہ،مستطنطین،مباحثہ عثمانیہ،1923ء

436۔عنایت اللہ،تیمور(از لیمب)اعظم گڑھ،1930ء

447۔عنایت اللہ،تذکرہ الالیاء ملک دین محمد لاہور

448۔غالب،عود ہندی

449۔غالب،اردوئے معلیٰ

450۔غالب،غزوات حیدری

451۔غالب،سوانح عمری آزاد

452۔غلام جیلانی،سوانح ابن تیمیہ

453۔غلام حسنین کشوری،سوانح عمری،خادم التعلیم پریس لاہور،

454۔غلام حسنین کشوری،دستگیر مردوں کی مسیحائی داز عبدالماجد اشاعت اردو حیدرآباد،1913ء

455۔غلام محمد،قائد ملت(بہادر یار جنگ)نفیس اکیڈیمی حیدرآباد،1946ء

456۔غلام محمد،محی الدین،رضا شاہ(ترجمہ)ہاشمی بک ڈپولاہور،1944ء

457۔غلام محمد،نبی،سرأۃ الکونین،نول کشور لکھنو1905ء

458۔غلام محمد،قصص الانبیا،مجیدی کانپوری1921ء

459۔غوری حسام الدین،پریم سوگ،مکتبہ ابراہیم حیدرآباد،1937ء

460۔فارغ بخاری،اٹک کے اس پار،گوشہ ادب لاہور1951ء

461۔فاروق سید محمد،داغ دہلوی،رسالہ صوفی

462۔فاروق سید محمد،میر درد

463۔فاروقی نذیر حسین،ترجمہ رنجیت سنگھ(رولز سیریز)جامعہ عثمانیہ،1932ء

464۔فرحت اللہ بیگ،نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی

465۔فرحت اللہ بیگ،وحید الدین سلیم ایک وصیت کی تعمیل

466۔فرحت اللہ بیگ،دلی کا ایک یادگار مشاعرہ

467۔فاروقی محمد طاہر،سیرت اقبال،قومی کتب خانہ لاہور،1935ء

468۔فرید احمد عباسی،سیرت العباس،مطبع احمدیہ علی گڑھ،1912ء

469۔فضل الدین،سوانح عمری پیغمبر اعظم

470۔فضل الدین،مرزا،تذکرہ ابوالکلام،کتابی دنیا لاہور،1919ء

471۔فوق محمد دین،خاتون جنت۔سلسلہ صوفی،1916ء

472۔فقیر محمد،حدیق الجنت،نول کشور،1891ء

473۔فوق بلگرامی،تحفۃ المتقین،مقبول پریس دہلی،1910ء

474۔فوق بلگرامی،سیرۃ النبی،مقبول پریس دہلی1917ء

475۔فوق بلگرامی،معاصر الباقریہ،مقبول پریس،1920ء

476۔فوق بلگرامی،تحفۃ رضویہ،1922ء

477۔فوق بلگرامی،الزہرا1340ھ

478۔فوق بلگرامی،العسکر ی،1920ء

479۔فوق بلگرامی،صحیفۃ العابدین،1922ء

480۔فوق بلگرامی،علوم کاظمیہ،نظامی پریس لکھنو،1922ء

481۔فوق بلگرامی،ذکرالطیارا،1932

482۔فوق بلگرامی،الرسول(پانچ جلدیں)

483۔فوق محمد الدین، حالات حضرت شمس تبریز، کارخانہ صوفی 1914ء

484۔فوق محمد الدین، اخبار نویسوں کے حالات باتصویر، رفاہ عام پریس لاہور، 1912

485۔فوق محمد الدین، حیات فرشتہ، گلزار محمد پریس لاہور، 1919ء

486۔فوق محمد الدین، تذکرہ خواتین دکن، محمد پریس لاہور، 1920

487۔فوق محمد الدین، تذکرۃ العلماء والمشائخ، محمد پریس لاہور، 1940ء

488۔فیاض احمد، المشاہیر

489۔فیروز الدین، قصیدہ ظہور مہدی معہ سوانح عمری حضرت شاہ نعمت اللہ ولی فیروز الدین

490۔فیروز ڈسکوی، پیارے نبیؐ کے پیارے حالات، رفاہ عام پریس لاہور (تین جلدیں) 1323ھ

491۔قاسم، حکیم قدرت اللہ، مجموعہ نغز

492۔قائم، قیام الدین مخزن نکات، انجمن ترقی اردو

493۔قاسم علی مرزا، تذکرۃ الطاہرین، مطبع یوسفی دہلی، 1305ھ

494۔قرۃ العین حیدر، میرے بھی صنم خانے، مکتبہ جدید لاہور، 1949ء

495۔قزلباش، تبصرہ سیرت نعمان، اودھ پریس لکھنو، 1893ء

496۔قلندری شاہ محمد علی، المقصود الجلی فی مسند العلماء حسن پرنٹنگ پریس کاکوری

497۔قلندری شاہ محمد علی، ازسیرۃ العلویہ فی ذکر تاثر المرتضویہ، حسن پرنٹنگ پریس کاکوری

498۔قلندری شاہ محمد علی، احسن الانتخاب فی ذکر سیدنا ابوتراب، حسن پرنٹنگ پریس کاکوری

499۔قلندری شاہ محمد علی، مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ 1954ء

500۔قمر الدین احمد صاحب، بزم اکبر، انجمن ترقی اردو 1945ء

501۔کاظم، اسم اعظم، نظامی پریس لکھنو، 1930ء

502۔کالکا پرستاد، جواہر نامہ، انڈین پریس الہ آباد، 1911ء

503۔کشوری لعل، تواریخ تعلقداران اودھ، 1879ء

504۔کلب مصطفیٰ، ملک محمد جائسی، انجمن ترقی اردو دہلی، 1914ء

505۔کلیم محبوب الرحمٰن، جہاں آراء، عام علی گڑھ 1906ء

506۔کمال الدین خواجہ، اسوۂ حسنی، مسلم بک سوسائٹی لاہور، 1938ء

507۔گلبدن بیگم، ہمایوں نامہ (مترجمہ وحید مرزا)

508۔گلبدن بیگم، بنی کامل، 1930ء

509۔گورہ دت سنگھ سردار، محمد کی سرکار میں ایک سکھ کا نذرانہ، حمیدیہ پریس دہلی، 1934ء

510۔گوہر سید ظفر مہدی،ابوطالب (ترجمہ) اردوایڈیشن،1350ھ

511۔گیلانی مناظر احسن،سوانح حضرت ابوذرغفاری، کتب خانہ قاسمی، دیوبند

512۔لاجپت رائے، گیری بالڈی، لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور،1938ء

513۔لاجپت رائے،خودنوشت سرگزشت مسولینی (ترجمہ)1939ء

514۔لطیف محمد،سوانح عمری اکبر(ترجمہ) نول کشور لکھنو،1900ء

515۔لکشمنی مہاراج سوامی،عرب کا چاند، دارالکتب سلیمانی، ریوڑی پنجاب

516۔مالک رام،ذکر غالب 1928ء

517۔محبوب عالم،ذکر محبوب

518۔محبوب شاہ صادق،تذکرہ سادات حمیدیہ پریس لاہور،1322ھ

519۔محسن شبیر، یوسف ہندی قید فرنگ میں،حیدرآباد لارپورٹ پریس فٹ،1351ھ

520۔محمود شوکت دہلوی، مارکوئز ولزلی (ترجمہ دلرز)

521۔مہادیو دیسائی، دوخدائی خدمت گار (ترجمہ محمود علی خاں)1935ء

522۔مخدوم محی الدین، ٹیگور اوران کی شاعری سلسلہ ادبیات اردو،1925ء

523۔مجنوں گورکھپوری،شوپنہار 1930ء

524۔مرادعلی طالع سید،حضرت مشکل آسا ثانی، برقی پریس سہارنپوری،1946ء

525۔نورالدین ملک،خاتون جنت،اسلامیہ پریس لاہور،1325ھ

526۔نورالدین،سیرت حضرت صدیقہ،1918ء

527۔نورالدین،ذوالنون مصری،

528۔محمد شاہ خاں،سوانح عمری محمد،معہ حالات صحابہ معظم،ستارۂ ہند،آگرہ 1899ء

529۔محمد علی،مولانا،سیرت خیرالبشر،انجمن احمدیہ لاہور

530۔محمد مرزا دہلوی،اتاترک،کامریڈ بک ڈپو دہلی،1939ء

531۔محمد مرزا،عہد حاضر کے بڑے لوگ (تین حصے) دائرۂ ادبیہ،1939ء

532۔محمد معین الدین، پنولین اعظم پیٹ سے ترجمہ (۵ جلدیں) انجمن ترقی اردو 1910ء

533۔محمد میاں،علمائے حق دو حصے کتب خانہ فخریہ مرادآباد،1916ء

534۔مسعود علی،ڈوپلے اور کلائیو،ترجمہ 1927ء

535۔مسعود علی بریلوی، جوزف میازنی، جامعہ ملیہ،1339ء

536۔مسلم بک ڈپو لاہور،ملعات انور محمدیہ،1914ء

537۔مسیح الدین خاں بہادر سفیر اودھ (آپ بیتی) الناظر لکھنو 1929ء

538۔مشتاق حسین (وقار الملک) سرگزشت پنولین لبوناپارٹ (مترجمہ) سائنٹفیک سوسائٹی علی گڑھ 1871ء

539۔مشیر الدین قاضی، کرنل لارنس، ترجمہ، نفیس اکیڈیمی حیدرآباد

540۔مصباح الدین احمد الہارون از پامر، ترجمہ، رحمانی پریس دہلی

541۔مصحفی، عقد ثریا، تذکرۂ ہندی گویاں

542۔مظفر حسین خاں، چمنستان مظفر، یونیورسٹی پریس علی گڑھ، 1927ء

543۔مظہر حسن، تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین حصہ اول و دوم طبع یوسفی دہلی ص 524،ص 554، 1894ء

544۔مظہر حسن، جلار المتین فی سیرۃ علی بن الحسین، اثنا عشری دہلی، 1918ء

545۔مظہر حسن، کشف الحقائق فی احوال امام جعفر صادق، اثنا عشری دہلی، 1922ء

546۔مقالات یوم اقبال،

547۔ملیح آبادی، کمال اتاترک

548۔منصور احمد سرور کائنات ترجمہ سید امیر علی، قومی کتب خانہ لاہور

549۔مہر غلام رسول، سیرت ابن امام تیمیہ، 1925ء

550۔مہر غلام رسول، غالب، مبارک علی لاہور، 1936ء

551۔مہر نارائن پرشاہ دربار، رہنمایان ہند حصہ اول (ترجمہ) مطبع علی گڑھ کالج ص 142، 1918ء

552۔مہر النساء نامور خواتین اندلس، دفتر عصمت دہلی، 1930

553۔مہدی محمد، تذکرہ نذیر احمد، مطبع ریاست بھوپال

554۔مہدی محمد، شبلی مسی پریس آگرہ 1925ء

555۔مہیش پرشاد، خطوط غالب

556۔میاں، سید محمد، علمائے ہند کا شاندار ماضی

557۔میاں، سید محمد، علمائے حق (حصہ اول و دوم)

558۔میر تقی میرؔ، نکات الشعرا، انجمن ترقی اردو

559۔میر سید محمد، سوانحات سلاطین اودھ

560۔نارائن سوامی، سوانح عمری رام تیرتھ، تیرتھ پبلیکیشن کمپنی لکھنو، 1925ء

561۔ناظر کاکوروی، ہندو ادیب، انوار بک ڈپو لکھنو، 1949ء

562۔نجم الدین سیوہاری، سیرت الشانی، دارالاشاعت پنجاب، 1899ء

563۔ندوی سید سلماں، حیات مالک، معارف اعظم گڑھ 1927ء

564۔ندوی سید سلماں،خیام،معارف اعظم گڑھ 1933ء
565۔ندوی سید سلماں،سیرۃ النبی پانچ جلدیں،معارف اعظم گڑھ
566۔ندوی سید سلماں،حیات شبلی،معارف اعظم گڑھ
567۔ندوی عبدالسلام،ابن یمین ترجمہ،رسالہ صوفی لاہور
568۔ندوی عبدالسلام،سیرۃ عمرابن العزیز،معارف اعظم گڑھ،1919ھ
569۔ندوی عبدالسلام،اموہ صحابہ حصہ اول ودوم،معارف اعظم گڑھ 1932ء
570۔ندوی عبدالسلام،اقبال کامل،معارف اعظم گڑھ 1940ء
571۔ندوی عبدالسلام،امام راضی،معارف اعظم گڑھ،1950ء
572۔ندوی عبدالسلام،امام مسلم،سلسلہ صوفی
573۔ندوی،محمد یونس ابن رشد،دارالمصنفین
574۔ندوی سید مظفرالدین،نیٹشے (ترجمہ)،دارالمصنفین
575۔ندوی سید مظفرالدین،معین الدین،مہاجر(حصہ اول ودوم)،دارالمصنفین،1932,33
576۔ندوی سید مظفرالدین،معین الدین،سیرۃ الصحابہ جلد ششم وہفتم،دارالمصنفین،1937ء
577۔ندوی سید مظفرالدین،معین الدین،تابعین،دارالمصنفین،1937ء
578۔ندوی سید مظفرالدین،معین الدین،خلفائے راشدین،دارالمصنفین 1947ء
579۔نظامی بدایوانی،نکات غالب،نظامی پریس بدایوں،1920ء
580۔نواب سلطان جہاں بیگم،تزکِ سلطانی،مطبع سلطانی بھوپال 1903ء
581۔نواب سلطان جہاں بیگم،گوہر اقبال،مطبع سلطانی بھوپال،1909ء
582۔نواب سلطان جہاں بیگم،اختر اقبال،مطبع سلطانی بھوپال،1914ء
583۔وزیر سلطان بیگ،نیرنگئی محبت،ناشر ذکاللہ حسینی،جالندھر،1942ء
584۔بملا کماری(پریما)،ایک ایکٹریس کی آپ بیتی،نارائن دت سہگل اینڈ سنز،لاہور 1942ء
585۔انیس قدوائی،آزادی کی چھاؤں میں،قومی ایکتا ٹرسٹ۔دہلی،1975ء
586۔صالحہ عابد حسین،سلسلۂ روز وشب،مکتبہ جامعہ،نئی دہلی،1980ء
587۔ادا جعفری،جو رہی سو بے خبری رہی،مکتبہ جامعہ۔نئی دہلی،1986ء
588۔سعیدہ بانو احمد،ڈگر سے ہٹ کر،سجاد پبلشنگ ہاؤس۔دہلی،1996ء
589۔محمد امین زبیری،بیگمات بھوپال،مطبع سلطانی ریاست بھوپال،1918ء
590۔نفیس بانو شمع،جنت سے نکالی ہوئی حوا،آبشار پبلیکیشنز نئی۔دہلی،1998ء

591۔امرتا پریتم، رسیدی ٹکٹ، 2005ء

592۔شائستہ اکرام اللہ، پردے سے پالیمنٹ تک، آکسفورڈس یونیورسٹی، کراچی، 2002ء

593۔حمیدہ سالم شورشِ دوراں، مکتبہ جدید۔نئی دہلی، 1999ء

594۔حمیدہ سالم، ہم ساتھ تھے، انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، 1999

595۔حمیدہ اختر حسین رائے پوری، ہم سفر، حوری نورانی، مکتبہ دانیال۔کراچی، 2003ء

596۔حمیدہ اختر حسین رائے پوری، نایاب ہیں ہم، حوری نورانی، مکتبہ دانیال۔کراچی، 2003ء

597۔حمیدہ اختر حسین رائے پوری، وہ کون تھی، حوری نورانی، مکتبہ دانیال۔کراچی، 2003ء

598۔کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، سنگِ میل پبلیکیشنز۔لاہور، 2003ء

599۔عابدہ سلطان، انقلابی شہزادی کی خودنوشت، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، 2007ء

600۔ڈاکٹر وہاج الدین علوی، اُردو خودنوشت، فن وتجزیہ، شعبۂ اردو۔جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، 1998ء

601۔ڈاکٹر صبیحہ انور، اردو میں خودنوشت سوانح حیات، نامی پریس لکھنو

602۔ڈاکٹر رضیہ حامد، نقوش بھوپال، باب العلم پبلیکیشنز نئی دہلی، 2004ء

603۔محمد احمد سبزاواری نمبر، رسالہ فکروآگہی، دہلی، باب العلم پبلیکیشنز، بھوپال، 2004ء

604۔ڈاکٹر حسن وقار گل، اردو سوانح نگاری آزادی کے بعد، شعبہ اردو جامعہ کراچی، 1997ء

605۔ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، کاظم پرنٹرس، لاہور، 1996ء

برصغیر میں
خودنوشت سوانح

تقسیم ہند، 1947ء سے پہلے خودنوشت مختلف اصناف سوانح میں تحریر کی جاتی تھی۔ابتدائے تہذیب میں پتھروں پر کندہ کاری، درختوں کی چھالوں، مٹی کی تختیوں پر تحریریں دستاویز کی جاتی تھیں۔اصنافِ ادب کی زیادہ تخصیص نہ تھی۔عام طور پر افراد اور معاشروں کے لئے اخلاقی اصول وضوابط تحریر کئے جاتے تھے۔بڑے فلاح کار لوگوں کا ذکر بھی کردیا جاتا تھا۔ اِس طرح کی دستاویزات میں اصنافِ ادب کی مختلف اصناف کے خواص موجود ہوتے تھے۔قدیم ہندوستان میں ''اشوک'' کے عہد میں پتھروں پر کندہ کاری کی جاتی تھی اور اخلاقیاتی تعلیمات کا انشراح کیا جاتا تھا۔پتھر کے بڑے بڑے ستون ایستادہ کئے جاتے تھے جن پر تحریروں کی کندہ کاری کی جاتی تھی۔اِن تحریروں میں اشوک کی شخصیت ،کردار،حکمرانی اور کارناموں کا تھوڑا بہت ذکر بھی ہوتا تھا۔اِسی طرح کا سلسلہ تاریخی تسلسل میں جاری رہا۔اِسی عہد میں ''سدراکا'' ڈرامہ تخلیق کررہا تھا۔اُس کے مندرجات میں سوانحی اجزا شامل تھے۔اُس نے اگرچہ رسمی طور پر خودنوشت سوانح تحریر نہیں کی مگر اُس کی تحریروں میں سوانحی اجزا کثرت سے نظر آتے ہیں۔ساتویں صدی عیسویں میں ''بان بھٹ '' نے اپنے متعلق سوانحی تحریر لکھی۔قدیم ہندوستان میں اِس تحریر کو پہلی مستند اور منضبط سوانحی دستاویز کا نام دیا جاتا ہے۔دسویں صدی عیسویں میں راج شیکھر ،جینت بھٹ اور وِتھن پال بھی اپنے متعلق اپنی تحریروں میں لکھتے رہے۔گیارہویں صدی عیسویں میں بلہن نامی ایک کشمیری پنڈت نے راج وکرمادتیہ ششم کی سوانح تحریر کی۔اُس کا اندازِ بیان خودنوشت کا سا تھا۔بارویں صدی عیسویں میں ''کلہن'' نے اپنی کتاب ''راج ترنگنی'' میں اپنے حالات وزندگی مختصر انداز میں پیش کئے۔اِس فن پارے کو تاریخی دستاویز کا درجہ بھی حاصل ہے۔

امیر خسرو 1325-1254 نے اپنی شعری تصنیفات ''غرۃالکمال'' اور'' تحفۃ الصغر ''میں اپنی حالاتِ زندگی تحریر کی ہے۔امیر خسرو کو رسمی طور پر مبتدی خود نوشت سوانح نگاری کا اعزاز دیا جاتا ہے۔فیروز شاہ 1391-1388ء نے اپنی سوانح اور تاریخی دستاویز ترتیب دی۔اُس کتاب میں فیروز شاہ کی فتوحات اور کارناموں کی تفصیل ملتی ہے۔پندرھویں، سولھویں صدی میں مغل بادشاہ بابر نے ''توزکِ بابری'' میں اپنی شخصیت ،ماحول ،دربار، ہندوستان اور تاریخی واقعات پیش کئے ہیں۔اُسے'' آپ بیتی نگاروں کا شہزادہ'' بھی کہا جاتا ہے۔بابر کی یہ خود نوشت بہت ہی جامع منظر نامہ پیش کرتی ہے۔اِس کی تفاصیل جزیاتی ،انفرادی، اجتماعی اور ثقافتی نوعیت کی ہیں۔اُس نے ہندوستان کے موسم، ماحول ، جغرافیہ اور حدود اربعہ کے متعلق بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ بابر کی بیٹی گل بدن بیگم

1523-1603 نے ''ہمایوں نامہ''میں خودنوشت کا بہت سامواد ترتیب دیا۔ہمایوں نامہ زیادہ تر گل بدن بیگم کی یاداشتوں کا مجموعہ محسوس ہوتا ہے۔بابر کے ایک رشتے کے بھائی مرزا محمد احمد حیدر 1499-1551 نے اپنی تصنیف ''تاریخِ رشیدی''میں اپنی زندگی کا حال اورشاہی قبیلے کے لوگوں کے متعلق کافی کچھ لکھا۔مغل بادشاہ جہانگیر 1569-1627 نے''اقبال نامہ'' کے عنوان سے 'معتمد خان' نامی مصنف سے اپنی شخصیت،زندگی کے حالات،دربار اور مہمات کے علاوہ تاریخی تفصیلات ترتیب وتحریر کرائیں۔سترھویں صدی کی ابتدا میں علاوالدین اصفہانی عرف مرزا ناتھن نے''بہارستانِ غیبی''میں اپنی زندگی کے حالات اور جنگی مہمات تفصیل سے درج کیں۔جین مت سے تعلق رکھنے والے شاعر''بنارسی داس'' نے''اَردھ کتھا (نصف کہانی)'' کے عنوان سے اپنی زندگی کے حالات و واقعات پیش کئے۔بنارسی داس 1576-1630 جون پور میں پیدا ہوا۔وہ ایک خوشحال کاروباری گھرانے کا فرد تھا۔اٹھارویں صدی تک خودنوشت کافی ارتقاء پذیر ہوچکی تھی۔

ہندوستان میں دنیا کی دوسری تہذیبوں کی طرح سب سے ابتدائی خودنوشت مذہبی راہنماؤں کی تھی۔بادشاہوں،فاتحین اورسماجی راہنماؤں نے مختلف ادوار میں سوانح عمریاں لکھیں۔مغل عہد کے بعد انگریزوں کی ہندوستان میں آمد ہوئی۔انگریزی تہذیب وثقافت کے نتیجہ میں بہت سی ادبی اصناف کوترقی ملی۔سوانح نگاری اور خود نوشت سوانح کی مستنداورترقی یافتہ صورت ہندوستان کے ادیبوں کومیسرآئیں۔بہت سا سوانحی ادب انگریزی زبان وادب کی ریت روایت کے مطابق ہوا۔انگریزی اور فارسی زبان میں سوانحی ادب کواُردوتراجم کی شکل میں پیش کیا گیا۔اُس ادب کی چندایک اہم مثالیں درجِ ذیل ہیں:۔

''تلاشِ حق''، گاندھی جی،انگریزی:''میری کہانی''، جواہرلال نہرو،انگریزی:''اعترافات''، ردسو،انگریزی:''گرداہ''،میکسم گورکی،انگریزی:''وطن کے لیے میرے عزائم''،شاہ محمد رضا شاہ پہلوی،فارسی:''ذکرِ میر''،میر تقی میؔر،فارسی:''عشق نامہ''،واجد علی شاہ اختر،فارسی:''الایام''،ڈاکٹر طٰہٰ حسین،عربی۔زیادہ نمایاں خودنوشت سوانح عمریاں ہیں۔

اُردوادب کی نسبت فرانسیسی اورانگریزی زبان میں سوانحی ادب کی بہت ترقی یافتہ روایت رہی ہے۔

حوالہ جات

1۔ڈاکٹر شبانہ سلیم،''اردو میں خواتین کی سوانح عمریاں۔تجزیاتی مطالعہ''،ص25،فائن آفسیٹ پریس اردو بازار،دہلی،2015۔
2۔ڈاکٹر رضیہ حامد،''مقدمہ''مشمولہ''اردو میں خواتین کی سوانح عمریاں۔تجزیاتی مطالعہ'' ڈاکٹر شبانہ سلیم،فائن آفسیٹ پریس اردو بازار،دہلی،2015۔

خود نوِشت سوانح

Autobiography

اپنے آپ کو لکھنا خود نوشت سوانح عمری کا سوانحی صنف ادب ہوتی ہے۔ اتنی آسان ہوتی ہے جتنا آسان اُس کا لکھنے والا۔ اتنی ہی مشکل ہوتی ہے جتنے مشکل اُس کے کردار اور اُن کے لکھنے والے۔ بات آسانی اور مشکل کی نہیں ہے بلکہ سچائی کی ہے جو خود نوشت سوانح نگار پیش کرنا چاہتا ہے۔ یہ سچائی فکر، عمل، اقدار، تاریخ، ثقافت سے لے کر تہذیبوں تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ آسانی یہ ہوتی ہے کہ لکھنے والے کے اندر ان اقدار کا ادراک ہوتا ہے اور وہ تھوڑی بہت جانب داری اور شاید اُس سے زیادہ غیر جانب داری سے رقم طراز کر دیتا ہے۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ اُس میں جانب داری اور غیر جانب داری سے حقائق کو اپنی ذات، مزاج، فکر و عمل کا دائرہ اور تخلیقی اُپج میں سے جنم دینا ہوتا ہے۔ یہ سارا عمل اِس لیے آسان ہوتا ہے کہ سوانح نگار کا سب کچھ اپنا ہوتا ہے؛ مشاہدہ، نقطہءِ نظر، عمل اور تجربہ اُسی میں سے اِدراکِ حیات حاصل کرتا ہے۔ اِس سادگی میں بے مثال ''پُر کاری complexity'' ہوتی ہے۔ ادبی جمالیات میں اِس انگریزی اصطلاح کو عام طور پر ''پیچیدگی'' کی لُغت میں ابلاغ کیا جاتا ہے۔ اِس اصطلاح کو قبولِ عامہ کا درجہ بھی حاصل ہے۔ مگر ''پُر کاری'' میں جو فریبِ تخلیق و جمالِ ابلاغ ہے وہ پیچیدگی کے سپاٹ اور کھٹور پن میں نہیں ہے۔ تخلیقی پُر کاری تخلیقی عمل کے بے شمار حِسّیاتی اور فکری متغیرات کی متنازعہ اور تضادی پیش کاری ہوتی ہے۔ اِس سے تحریر میں زندگی کی ہماہمی اور رنگا رنگی نکھرتی چلی جاتی ہے۔ جمیل مظہری خود نوشت کے متعلق اپنا ''مخمصہ complex'' پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> ''مجھے کیا بننا چاہئے تھا اور میں کیا بن گیا؟ اپنی محرومیوں اور اپنی تقصیروں کی داستان کیا دہراؤں اور اگر دہراؤں تو کہاں سے دہراؤں ؟ جس شخصیت کے بارے میں مجھ سے پوچھا جا رہا ہے، اس کی تعمیر ہوئی کب؟ وہ تو شاید بننے سے پہلے بگڑ گئی۔ کیوں بگڑی اور کیسے بگڑی؟ اس سوال کے جواب کے سلسلے میں غالبؔ کا ایک شعر میرے ذہن کی راہنمائی کر رہا ہے:۔1
>
> جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زُہد
> پر طبعیت اُدھر نہیں آتی''

جمیل مظہری نے خود نوشت کے لئے بنیادی ''مخمصہ'' جامع انداز میں پیش کر دیا۔ جو کچھ پیش کیا

جاتا ہے اُس سے زیادہ اہم وہ موضوع ہوتا ہے جو غیر پیش کردہ ہوتا ہے۔ پیش کردہ تو سب کی نظروں کے سامنے ہے؛ نا کردہ خفی ہے۔ اُس نے اپنی ذات کے حوالے سے خودنوشت کی بنیادی قدر اور مسئلہ پر بات کی ہے، خانوادہ، گلی، محلّہ، شہر، گاؤں، تربیت گاہ، تعلیم مرکز، معاشرہ اور ثقافت کا ذکر نہیں کیا۔ یہ وہ اجزاء ہیں جن میں سے زندگی اپنی انفرادیت کے باوجود اجتماعی جنم لیتی ہے۔ مگر یہ فلسفی اِس بات کو جانتا تھا کہ وہ خودنوشت کیوں رقم طراز کرے۔ اُس کی وضاحت سے نا کردہ خفی پہلو کو نمایاں صورت میں دیکھا جاسکتا ہے:۔

''میری پیٹھ تجربات کے بوجھ سے ٹوٹ رہی ہے اسے کہیں
پھینک دینا چاہتا ہوں لیکن کہاں پر پھینکوں اور کس طرح پھینکوں۔ لوگ
کہتے ہیں کہ تم کچھ لکھتے کیوں نہیں۔ میں سوچتا ہوں لکھوں تو کیا لکھوں۔
کون سی نئی بات ہے جسے میں دوسروں تک پہنچاؤں۔ شاید یہ بھی میری
کاہلی کی منطق ہو، جو یقیناً نتیجہ ہے میرے ضعف اعصاب کا۔2
القصہ نہ در پئے ہو ہمارے کہ نہیں ہم''

مظہری نے اپنے ''تجربات، لوگ، دوسروں'' کی لُغت میں اپنے ذات سے باہر کے عوامل کو شامل کر دیا ہے۔ اُس کے تجربات کا تعلق دوسروں سے ہے دوسروں سے اُس کی اپنی طرف ہے۔ ہاں البتہ بات اپنی ہو یا دوسروں کی، اُسے تحریر خودنوشت نگار کرتا ہے اور وہ اپنے عدسے کسی نہ کسی حد تک ضرور استعمال کرتا ہے۔ اُس کی موضوعیت subjectivity میں معروضیت objectivity شامل ہو جاتی ہے اور اپنی پیش کاری کو تخلیق کارانہ حقیقت نگاری کے قریب لے جاتی ہے۔ مگر خودنوشت میں، مزاج، موضوع اور معروضیت اُس کی بنیادی اقدار ہیں۔ مزاج اور موضوع سے محروم معروضیت ماہ وسال کے اعداد و شمار پر مبنی تاریخ ہوسکتی ہے سوانحی ادب نہیں۔ مظہری کے چھوڑے ہوئے اَدھورے سوال اور غیر مکمل جوابوں پر مسعود حسن خان سیر حاصل بحث کرتے ہیں:۔

''اپنے بارے میں کچھ کہنا یا لکھنا آسان بھی ہے اور دشوار بھی
ہے۔ آئے دن ایسے بے شمار لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے جو اپنے
بارے میں بلا تکان و تکلیف مسلسل بولتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ
کائنات کا ماحصل صرف ان کی ذات گرامی ہے یا یوں سمجھئے کہ ان کی
قواعد میں واحد متکلم کے سوا اور کوئی صیغہ نہیں۔ ان کی یہ درازنفسی اپنے
لیے تصفیہءِ نفس کا وسیلہ اور دوسروں کے لیے بلائے جان بن جاتی ہے
جب کہ یہ عمل بعضوں کے لیے اس قدر سہل ہے، میرے لیے سخت

دشوار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی حساس آدمی اپنے بارے میں یہ
مشکل رسوائی ءِ اظہار کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہے۔ یوں تو انسانی اَنا اپنے
اظہار کی مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے۔ اَنا کے اظہار کا ایک طریقہ یہ ہے
کہ دوسروں پر اُسے مسلط کیا جائے، اس کے لیے مختلف پیرائے اختیار
کیے جا سکتے ہیں۔ لام کاف، سَبّ وشتم اور طعن وتشنیع، بے نیازی، بے رخی
اور تجاہلِ عارفانہ دیگر پیرائے ہیں جن کے لیے غزل کا محبوب بدنام ہے۔
غیر محبوب شخصیتیں بھی نگہ، کے تازیانے لگاتی ہیں۔ مسلسل مسکینی و عاجز
ی، جس کے اظہار گفتگو میں اعتذار یہ جملوں اور تراکیب میں اکثر دیکھا
گیا ہے، ایک مزید پیرایۂ اظہار ہے یعنی آپ اپنے بارے میں ہیچ مدانی
اور خاکساری کا دعویٰ کرتے ہوئے دوسرے کے بارے میں جس قدر
سخت کلمات چاہیں کہہ ڈالیں، یہ فرض کرتے ہوئے کہ آپ نے ہر قسم کی
جمع کے آگے ذرہ کسرِ اَنا ایک نفی کا نشان تو لگا دیا ہے۔''3

جمیل مظہری کے خیالات سے ملتے جلتے فکری نکات ڈاکٹر صبیحہ انور نے ''اُردو خود نوشت سوانح حیات
''، میں اُٹھائے ہیں:۔

''خود نوشت سوانح حیات سے مراد کسی شخص کے اپنی زندگی
سے متعلق خود لکھے ہوئے حالات ہوتے ہیں۔ خود نوشت حیات میں
مصور اپنی تصویر خود بناتا ہے۔ بشری تقاضے کے تحت اُس کا غیر ارادی مطمح
ءِ نظر یہی ہوتا ہے کہ لوگ اِس کو پہچانے۔ خود نوشت سوانح حیات میں عجز
وانکسار کے خواہ کتنے ہی پردے ڈال دیئے جائیں، تکلفات کے پے بہ
پے حلقے کھینچ دیئے جائیں، ناچیز، عاجز، ننگِ اسلاف، ہیچ مدان، حقیر فقیر
سراپہ تقصیر جیسے الفاظ کا قدم قدم پر استعمال کیا جائے لیکن ہر شخص کا سب
سے بڑا ہیرو وہ خود ہوتا ہے۔4

ڈاکٹر صبیحہ انور جمیل مظہری کی طرح اِس بات پر زور دیتی ہیں کہ خود نوشت کا مرکزہ، سوانح نگار کی
اپنی ذات ہوتی ہے۔ یہ نرگسیت کا عمل خود نوشت کی بنیادی توانائی ہوتا ہے۔ سوانح نگار مختلف شکلوں میں اپنے غرور وتکبر
سے انکار کرتا ہے اور احساسِ افتخار کو بھی دبے دبے لہجے میں پیش کرتا ہے۔ عجز وانکسار کی لغت میں صاحبِ سوانح کا افتخار مخفی

ہوتا ہے۔گویا عجز کے پردوں میں اپنی ذات کا ابلاغ، پہچان اور افتخار درکار رہتا ہے۔خودنوشت سوانح نگار کی اَنا میں سے جنم لیتی ہے اور نرگسیت میں ڈھلتی جاتی ہے۔مگر یہ سارا عمل حقیقت اور صداقت کے قریب تر ہوتا ہے۔تخلیقی جمالیات فن کی بنیادی خاصیت ہے۔اپنی پیش کاری کے لئے فن پارہ کو فنی اقدار سے مزین وآراستہ کرنا تخلیقی عمل ہے۔

خودنوشت سوانح عمری کس حدو حصار میں آبادی کرتی ہے، اعجاز حسین نے بہت ہی سلیس انداز میں اُس کا حدود اربعہ پیش کیا ہے۔

> ''شخصیت کی تعمیر وتنظیم کے جائزہ لینے میں سب سے پہلے نفسیات کی ان منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے جو خیالات، واقعات، جذبات ورجحانات کی تہوں میں نظروں سے اوجھل ہیں۔مطالعہ ومشاہدہ کی روشنی میں ان کو بیان کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا سمندر کی تہہ میں مخلوقات کا جھانکنا۔یہ وقت اس حالت میں اور بھی بڑھ جاتا ہے جب ذہنی ارتقاء کی ابتدا اور انتہا کا فاصلہ اتنا ہوجائے کہ حافظہ اور ادراک بھی تھکے ماندے مسافر کی طرح تخیل کی تیز رفتاری میں ساتھ نہ دے سکیں۔چنانچہ آج اپنے متعلق اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے مجھے بڑی الجھن ہورہی ہے۔میرے ذہنی نشوونما کی بنیاد و بلندی میں ساٹھ ستر سال کا فاصلہ ہے۔مُڑ کے پیچھے دیکھنا اور عمر رفتہ کو آواز دینا تو ممکن ہے، مگر جذبات، خیالات ،واردات وتاثرات کی گرمی اور وقتی ہما ہمی کا احیا ممکن نہیں بایں ہمہ اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت وقتوں کے باوجود مجھے یہ اطمینان ہے کہ بفضلہٖ 72 سال کی عمر میں ذہنی بینائی بھی میرا پورا ساتھ دے رہی ہے اور یاداشت بھی وفاداری سے تخیل کے ہم رکاب ہے۔اس لیے امید ہے کہ اپنی ذہنی ارتقا وتاثرات وادبی پسندیدگی احتیاط کے ساتھ قلم بند کرسکوں گا۔صرف اس کی کوشش کرنا پڑے گی کہ جذبات وحالات بیان کرنے میں حقیقت پسندی وراست گوئی بھی الشہب قلم کے ہم رکاب رہے۔5

اعجاز حسین ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ جدید علوم میں بھی بہت گہری دسترس رکھتے تھے۔تعلیم وتربیت کو نفسیاتی ترکیب وترتیب کی بنیاد سمجھتے تھے۔مشاہدہ کی صلاحیت انسان کو اِس اہل بنا دیتی ہے کہ وہ کسی مظہر کی معنویت کو دریافت کرلیتا ہے۔یہ ارتقائی عمل ہمیشہ نفسیاتی تعمیر وخمیر کے عمل کو جاری رکھتا ہے۔خودنوشت لکھنے والوں کا ایک اہم

مشترک مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ جب اُنہیں فیصلے کرنے ہوں کہ وہ اپنے متعلق لکھنا چاہتے ہیں تو کیا لکھیں۔ لاشعور کے پس منظر میں سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا اُس نے ایسا کام سرانجام دیا ہے جس کے لئے لوگوں کے قلب و ذہن میں قدر و قیمت ہو۔ وہ اپنے کئے کو خود سے کچھ بڑا کام سمجھنے کی بجائے لوگوں سے اُس کے متعلق رائے حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ بھی خودنوشت نگار کا نفسیاتی مسئلہ ہوتا ہے۔ خودنوشت آخرِ حیات کا ماحصل ہوتا ہے۔ صحت مند حافظہ کی صلاحیت ماضی کو آخرت کی عمر سے مربوط کر دیتا ہے۔ اعجاز حسین ایسے میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کو ''ذہنی بینائی'' کی لغت میں شرح کرتے ہیں۔ گویا بصیرت اور حافظہ خودنوشت کے لئے بنیادی صلاحیت اور توانائی کا باعث ہوتے ہیں۔ اچھا خودنوشت نگار یہ تو جانتا ہے کہ اُسے مکمل طور پر ٹھوس کٹھور معروضیت کو اختیار نہیں کرنا بلکہ موضوعی subjective خیال، احساس وفکر کو بھی پیش کرنا ہے۔ معروض اور موضوع کا اچھا توازن خودنوشت نگار کو بہت ہی متوازن تخلیق کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

مسعود حسین خاں نے اُن عوامل کی مجموعی تفصیل پیش کی ہے جو خودنوشت سوانح عمری تحریر کرتے ہوئے اختیار نہیں کرنے چاہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ سب کو معلوم نہیں ہوتا کہ اچھی بات کیا ہے، مگر اُس سے زیادہ توجہ طلب یہ اہم بات ہوتی ہے کہ کیا اچھا نہیں ہے اور اُس سے گریز کیسے ممکن ہے۔ گویا سوانحی ادب کی اقدار کا منفی پہلو اِس بات کا تقاضا کار ہے کہ اُن کو فہم کرتے ہوئے اُن سے اجتناب کیا جائے۔ مسعود حسین خاں ہی اقدار کے منفی پہلوں کی نشاندہی کرنے کے بعد سوانحی ادب؛ خودنوشت سوانح نگاری کی مثبت اقداراور ادبی، فکری تقاضوں کی توضیع پیش کرتے ہیں۔

''یہی وجہ ہے کہ جگ بیتی کی بہ نسبت آپ بیتی لکھنا دشوار ہوتا ہے اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ میری ذہنی نشو ونما میں کون کون سے عناصر کارفرما رہے ہیں اور میں اس پر غور کرنے لگوں تو فوراً نفس اور نفسیات کی کشمکش کا آغاز ہو جائے گا۔ نفسیات علم ہے، علم کا تقاضا ہوگا کہ خارجی نقطۂ نظر سے ماہرِ علم کی سفاکی کے ساتھ میں اپنی نفسیات کا جائزہ لوں۔ یہ دیکھوں کہ میری سرشت میں مختلف جبلتوں کے عناصر ترکیبی کیا ہیں۔ نسلاً اور وراثتاً میں نے کن میلانات کو پایا ہے۔ ماحول نے ان کو کس طرح نکھارا یا بگاڑا ہے۔ تعلیم نے ان کی کس ڈھنگ سے تہذیب کی ہے جذبات کس طرح احساسات اور احساسات کس نوع سے نصب العین میں تبدیل ہوئے ہیں۔ تخیّلات کے صنم کدے میں آدرشوں اور شخصیتوں کے بت کس وجہ سے بنے اور ٹوٹے ہیں۔ ظاہر ہے یہ خود سے متعلق ایک قسم کی نسلی، نفسیاتی، تہذیبی و معتقدائی دستاویز کا فراہم کرتا ہے۔ لیکن میں اس قسم کی کوئی علمی دستاویز اپنے بارے میں فراہم نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ مجھے اپنی ذات کے بارے میں ایک ایسے حافظے سے جو رد وقبول کا عادی ہے، ایک ایسی بصیرت سے، جو اپنے وجود میں گہری نہیں جاتی، ایک ایسے تجزیہ کے ذریعے جو نفس کی گتھیوں کو نہیں سلجھا سکتا، کام لینا ہے۔ یہ سب کے سب خارجی وجود اور اشیا پر خوب خوب کارگر ہوتے ہیں، لیکن اپنی ذات پر ان کے منتر کا کوئی اچھر اثر نہیں کرتا۔''5

- **جگ بیتی**: سماج پر اور اُس کے اندر ہونے والے سلوک و برتاؤ۔
- **آپ بیتی**: فرد کا فرد اور اجتماع و سماج سے برتاؤ اور سلوک کا بیان۔

- **ذہنی نشو ونما**: سماج، ماحول میں فرد کے شعور وادراک کا ارتقاء۔
- **نفسیات**: فرد کی شخصیت کی اندرونی (ذہنی) صلاحیتیں۔
- **علمِ نفسیات**: فرد اور معاشرہ کی اندرونی و بیرونی صلاحیتوں کا مطالعہ، تجزیہ اور اطلاق۔
- **خارجی نقطہءِ نظر**: فرد کے اپنے پن سے باہر کا فکری ادراک۔ معروضی objectiv طریقہءِ کار۔
- سرِشت: شخصیت، کردار وسیرت، جبلت، عادت، آرزو، ارمان، غم، خوشی اور مایوسی کا مرکب۔
- **جبلّتوں**: خالصتاً حیاتیاتی biological تقاضے اور ارمان جو ارتقائی عمل سے گزرتے ہوئے انسانوں کی خواہشات، عادات، برتاؤ کے طریقے، سماجی اصول اور رسم و

رواج بن جاتے ہیں۔ جیسے اناج کھانے کی آرزو میں گندم اُگانا، روٹی بنانا اور بہت سے کھانے کے طریقے ایجاد کر لینا۔

- **نسلاً اور وراثتاً**: فرد اور معاشرہ اپنے ماضی سے اپنے آباء واجداد کے تجربات اور زندگی کے نتائج سے درس حاصل کرتا ہے۔

ماحول: فرد کے اِردگرد گروہ، خاندان اور معاشرہ کا ہالہ ہوتا ہے۔ جو اُسے نہ صرف شخصی درجہ پر متاثر کرتا ہے بلکہ اُس کی شخصیت کی تشکیل اور نشو ونما میں فعال کردار ادا کرتا ہے۔

- **علم**: شعوری ادراکی فہم کا طریقہءِ کار۔
- **تعلیم**: شعوری ادراکی فہم کا ابلاغ واطلاق۔
- **مذہب**: انسانوں کے لئے آسمانی یا زمینی فکر وعمل کا طریقہ ءِ کار و نظام۔ شعوری ادراکی اطلاق کی بجائے اعتقادی اقدار سے مذہبی نظام کی ترویج واطلاق کیا جاتا ہے۔

الُوہی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ زمینی مذاہب میں ہندومت، بدھ مت، جین مت اور زَرتشتی مذہب شامل ہیں۔ ہندومت میں اُلوہی اقدار کے نقوش بھی مشاہدہ میں آتے ہیں۔

- **احساس**: اچھا یا بُرا، خوشگوار یا ناپسندیدہ کی حسیات کو جاننے اور بیان کرنے کی صلاحیت۔
- **نصب العین**: انسان اپنے لیے کسی منزل کا تصور قائم کر لیتے ہیں۔ اُسے نصب العین کہا جاتا ہے۔
- **آدرش**: انسان اپنے لیے کسی منزل کا تصور قائم کر لیتے ہیں۔ اُسے آدرش کہا جاتا ہے۔
- **معتقداتی**: عقلی اور شعوری طریقہ ءِ استدلال کی بجائے عقائد کے طریقہ کے نظام کو معتقداتی نظام کہا

جاتا ہے۔نظام واطلاق میں عقیدہ بنیادی کردارادا کرتا ہے۔

- **دستاویز**: خیال،اعمال اور اطلاعات کا رسمی مجموعہ۔

- **اپنی ذات**:فرد کا فرد پن۔انفرادیت،داخلیت۔

- **اپنی ذات کا حافظہ**:انسان اپنی زندگی میں گروہ ،خاندان اور معاشرہ میں جو برتاؤ سلوک کرتا ہے یا وصول کرتا ہے،اُس کی یادکواپنی ذات کا حافظہ کہا جاتا ہے۔

- **بصیرت**:دیکھنے کی صلاحیت کو بصارت اور سمجھ بوجھ کو بصیرت کہتے ہیں۔

- **خارجی وجود**:انسان کا داخلی وجود تو ہوتا ہی ہے مگر ماحول معاشرہ اُس کی شخصیت پر بہت سی خارجی چیزوں کے اثرات مرتب کرتا ہے۔جیسے پہاڑی لوگ پہاڑ پتھر کی وجہ سے سنگلاخ زبانیں بھی بولتے ہیں۔اُن کے لہجے زوردار اور چلنے پھرنے کا انداز بُلندی کی طرف حرکت کرنے کی طرح ہوتا ہے۔

- **اچھر**:اثرات

مسعود حسین خاں کے مختصر اقتباس سوانحی اصلاحات کی جامع فرہنگ موجود ہے۔یہ تصورات سوانح نگاری اور خودنوشت نگاری میں مبادی اقدار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یوسف حسین خاں اپنی خودنوشت''یادوں کی دنیا''میں خودنوشت صنفِ سوانح کے متعلق اپنا نقطہء نظر پیش کرتے ہیں:۔

> ''آپ بیتی زندگی کی تاریخ بھی ہے اور ماورائے تاریخ بھی۔
> حافظے کو کھنگالنے سے زندگی کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس میں ایک طرح
> کی طلسمی خاصیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے بشرطیکہ کہانی کہنے والا اپنے فن
> کے آداب کو برتنا جانتا ہو۔خیالی نقوش جب صفحہ قرطاس پر اتارے جاتے
> ہیں تو جذبے کی رنگ آمیزی بھی کسی کسی صورت میں راہ پاتی ہے اور خیالی
> پیکروں میں ایسی تحلیل ہو جاتی ہے کہ اسے ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے
> بلا شبہ تخلیقی حسرت میں اس سے اضافہ ہوتا ہے تاہم ادیب کے ہاتھ سے
> صداقت اور حقیقت کا دامن کبھی نہ چھوٹنا چاہیے اس کا سر نیاز سوائے اس
> کے کسی اور کے آگے خم نہیں ہو سکتا ہے جاربہ اور تخیل اگر حقیقت سے بے
> گانہ ہیں تو غیر متوازن ہو جائیں گے اور ان سے جو نقوش ابھریں گے

دھوکے میں ڈالنے والے ہوں گے اُن سے حقیقت تک پہونچنے میں
رہنمائی نہیں ہوسکتی۔''7

گوئٹے کا کہنا تھا کہ خودنوشت''شاعری اور سچائی کا مرکب ہوتی ہے''۔یوسف حسین خاں تاریخ کی سچائی اور شاعری کی ماورائیت سے خودنوشت کو تخلیقی تصور دیتے ہیں۔اِس کا طلسم صداقتوں سے جنم لیتا ہے اور کہانیوں میں ڈھل جاتا ہے۔کہانی کا کہانی پن اُس کا تخلیقی جادو ہوتا ہے مگر یہ سب کچھ جھوٹ نہیں ہوتا اِس میں بہت کچھ حقیقت ہوتی ہے۔مطالعہ کرنے والے اِس سے مسرت حاصل کرتے۔انسان جذبہ اور تخیل کے ساتھ عقل کے توازن میں تخلیقی عمل سرانجام دیتا ہے۔خودنوشت مصوری،شاعری،مجسمہ سازی وغیرہ سے اِس لحاظ سے مختلف ہوتی ہے کہ خودنوشت کا فنکار اپنا ہیرو آپ ہوتا ہے۔مبالغہ،غلُو اور فسوں کاری کا امکان تو ہوسکتا ہے مگر مکمل طور پر غیر حقیقی اور غیر صادق تحریر نہیں ہوسکتی۔جس طرح سوانح عمری کے مندرجات کو تحقیقی کی کسوٹیوں پر جانچا پرکھا جاسکتا ہے اُسی طرح خودنوشت کو بھی۔ ہندوستان میں مہاتما گاندھی اگر اپنی خانگی زندگی کی بے ترتیبی کا اظہار نہ کرتے تو اُن کے تحقیق کار حقائق کو کھنگال لاتے۔اِس طرح ایک بڑے آدمی کو بطلان کی ذلت کے سوا اور کیا نصیب ہوسکتا تھا۔

خودنوشت سوانح نگاری کے متعلق ڈاکٹر صبیحہ انور کے درجِ ذیل نتائج بہت ہی معنی خیز ہیں:۔

''میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ کیسا ہوں؟ یہ سوالات انسان کے دل میں نئے نئے زاویوں سے سر اٹھاتے رہتے ہیں چونکہ اس سوال کا جواب صرف اپنے ہی پاس ہوتا ہے اس لیے جواب بھی خود اپنی ذات سے ہی اخذ کرتا جاتا ہے۔زندگی نت نئے نئے تجربات کا مرکب ہے ہر سانس میں اس کا رنگ نیا اور ہر دن نیا عالم ہے،ہم دنیا کو جس طرح دیکھتے ہیں جیسا محسوس کرتے ہیں جس طرح وہ ہم سے پیش آتی ہے اس کو ہم دوسروں تک پہونچانا چاہتے ہیں۔اپنے اردگرد کی دنیا کو برتنا اور اپنے تجربات دوسروں کے سامنے پیش کرنا انسانی جبلت بھی ہے اور آرٹ بھی فن کار کی آگہی کبھی پتھر پر چھینی کی پے در پے چوٹوں سے ابھرتی ہے کبھی شفق کی سرخی یا معصوم چہرے پر بکھری ہوئی حیا سے پیدا ہونے والے خوب صورتی کے تاثرات رنگوں کا سہارا لے کر ابھرتے ہیں غرضیکہ اپنی ذات میں پیدا ہونے والے تنوع احساسات کے اظہار کا دوسرا نام فن ہے ۔اپنے اس اظہار کے ذریعے فن کار اپنی ذات میں پیدا ہونے والی فنکار

انہ بے چینی کو مطمئن کرتا ہے۔اس کا مقصد نہ صرف اپنی آواز کو دوسروں
تک پہونچانا ہوتا ہے بلکہ اس طرح وہ خود کو بھی تسکین دیتا ہے کیونکہ اپنی
ذات بے کنار تک پہونچنے کا اس کے پاس یہی ایک ذریعہ ہوتا ہے۔''8

خودنوشت سوانح نگاری اِس لحاظ سے بہت دلچسپ موضوع ہے کہ یہ اپنی سند اور اپنی تغلیط خود ہی پیش کرتا ہے۔لکھنے والا اپنے ہی احساسات ،مشاہدات ،تجربات اور واقعات بیان کرتا ہے اِس لیے وہ سوانح کا پہلا first handاطلاع کار ہوتا ہے۔لیکن چونکہ وہ اِن عوامل پر اپنی ہی ذہنی روشنی ڈال رہا ہوتا ہے،اِس لیے اُس میں موضوعیت کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔فنونِ لطیفہ میں عام طور پر اور تخلیقی ادب میں خاص طور پر موضوعیت کسی حد تک ضروری بھی ہوتی ہے۔فرد اور اُس کے مزاج کے علاوہ معاشری ذہنی ساختوں کا مطالعہ شامل ہوتا ہے۔مگر ایک حد سے زیادہ موضوعیت غیر علمی ،مبالغہ آرائی، بطلان اور بیہودگی ثابت ہوسکتی ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ اس حوالہ سے رقم طراز ہیں:۔

''خودنوشت سوانح عمری کی صنف دوسروں کی لکھی ہوئی
سوانح عمریوں کے مقابلے میں خاصی نارسا اور ناقص چیز ہوتی ہے۔اس
کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ دوسروں کا خوف اور اپنے
آپ سے محبت۔ایک اچھا خاصا سوانح نگاری اپنے فن کی لاج رکھنے کے
لیے بہت سی ایسی باتیں بھی بیان کر دیتا ہے جو خودنوشت نویس کے لئے
ممکن نہیں ہوتیں۔سوانح نگار اپنے ہیرو کے کردار کا جج بن سکتا ہے اس کی
کمزوریوں کا شمار بھی کرسکتا ہے لیکن آپ بیتی میں اپنی محبت اور دوسروں کا
خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔وہ نہ اپنے گناہوں کی صحیح فہرست پیش
کرسکتا ہے نہ اپنا صحیح جج بن سکتا ہے۔''9

ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے خودنوشت کے امکانات سے باہر سخت گیرانہ انداز رکھتی ہے۔لکھنے والے لازمً افراد اور انسان ہوتے ہیں اور اُن کی پسند ناپسند، اپنائیت اور غیریت ،عجز وانکسار اور نرگسیت ،اَنا اور فہم وفراست کا تضاد ہمیشہ موجود رہتا ہے۔یہ تضادی عناصر صداقت اور بطلان کے باوجود تخلیقی اور سوانحی اہمیت رکھتے ہیں۔سوانح عمری میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی نمایاں کردہ کمزوریاں مندرجاتی امکان، تضاد،تنوع اور رنگارنگی کی بنیاد ہوتی ہے۔سوانح عمری کا فن اسی حوالہ سے اپنی تخلیقی اہمیت رکھتا ہے۔ورنہ تاریخ اور سوانح میں کوئی تفریق نہیں رہ جاتی۔جبکہ خودنوشت سوانح میں یہ ہما ہمی اور رنگارنگی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔خودنوشت سوانح نگاری فرد individual کی شرح کار ہوتی ہے اور اِس کی عمومیت معاشری منظر نامہ کی طرح ہوتی ہے۔اِس کی تحدید و تصریح انسانی اور معاشری امکانات کی توسیعات میں کی جاتی ہے۔ڈاکٹر سید

عبداللہ کی تعینات خودنوشت نگاری کی عمومیت generality کی نفی کرتے ہیں۔خودنوشت سوانح نگار کو نہ تو اپنے'' گناہوں کی فہرست پیش'' کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ''اپنا صحیح جج'' بننے کا تقاضا۔وہ صرف اپنے فرد کے سماج سے تعلق کا بیان کار ہوتا ہے۔

حوالہ جات

1۔''آج اور کل غبارِ کارواں'' مُرتّبہ محبوب الرحمٰن فاروقی۔محمد کاظم،ص22(خودنوشت ،جمیل مظہری 1970)فروری 2000 پبلی کیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات ونشریات حکومتِ ہند۔

2۔''آج اور کل غبارِ کارواں'' مُرتّبہ محبوب الرحمٰن فاروقی۔محمد کاظم،ص32(خودنوشت ،جمیل مظہری 1970)فروری 2000 پبلی کیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات ونشریات حکومتِ ہند۔

3۔''آج اور کل غبارِ کارواں''مُرتّبہ محبوب الرحمٰن فاروقی۔محمد کاظم،ص33(خودنوشت،مسعود حسین خاں،جون 1970)فروری 2000 پبلی کیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات ونشریات حکومتِ ہند۔

4۔ڈاکٹر صبیحہ انور''اُردو میں خودنوشت سوانح حیات''ص18،نامی پریس،خواجہ قطب الدین روڈ لکھنو3،25اگست 1982۔

5۔''آج اور کل غبارِ کارواں'' مُرتّبہ محبوب الرحمٰن فاروقی۔محمد کاظم،ص 57(خودنوشت ،اعجاز حسین،ستمبر 1970)فروری 2000 پبلی کیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات ونشریات حکومتِ ہند۔

6۔''آج اور کل غبارِ کارواں'' مُرتّبہ محبوب الرحمٰن فاروقی۔محمد کاظم،ص 34-33(خودنوشت ،مسعود حسین خاں،جون 1970)فروری 2000 پبلی کیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات ونشریات حکومتِ ہند۔

7۔یوسف حسین خاں''یادوں کی دنیا''،دیباچہ(ص۔ب۔ح 1967)

8۔ڈاکٹر صبیحہ انور''اُردو میں خودنوشت سوانح حیات''ص47،نامی پریس،خواجہ قطب الدین روڈ لکھنو3،25اگست 1982۔

9۔ڈاکٹر سید عبداللہ،اردو میں آپ بیتی،مشمولہ'اردو نثر کا فنی ارتقا'(مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری)،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،ص 353،دہلی،1964،

خودنوشت سوانح عمریوں کی فہرست

۔جوش ملیح آبادی،یادوں کی برات،آئینہ ادب،لکھنو،ص15،1972ء

۔سر رضا علی،اعمال نامہ،ہندوستانی پبلشرز،دہلی،(طبع اول)1943ء

۔مولوی محمد جعفر تھانیسری،تواریخ عجیب،اسلامی پریس،ص61-51،لاہور،1302ھ

۔ظہیر دہلوی،داستان غدر،مطبع کریمی پریس،لاہور،ص2،1910ء

۔مشتاق احمد یوسفی،زرگزشت،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،ص27،2006ء

۔عبدالماجد دریا آبادی،آپ بیتی،مکتبہ فردوس،لکھنو،ص259-258،1978ء

۔مرزا ادیب، مٹی کا دیا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص 14-13، 1981ء
۔رضا علی وکیل، اعمال نامہ، خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ 1992
۔حکیم احمد شجاع، خون بہا، 1923
۔ہوش یار جنگ، مشاہدات، 1955
۔نقی محمد خاں خورجوی، عمر رفتہ، 1958، کراچی 2003
۔سید ذوالفقار علی بخاری، سرگزشت، 1962
۔قیصری بیگم، کتاب زندگی، 1968
۔جوش ملیح آبادی، یادوں کی بارات، 1970
۔مشتاق احمد یوسفی، زرگزشت، 1976
۔قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، 1986
۔سید مظفر حسین برنی، مقدمہ، مشمولہ 'کلیات مکاتیب اقبال'، جلد اول (مرتبہ: سید مظفر حسین برنی)، اردو اکادمی دہلی، ص 25، 1991
۔ڈاکٹر خلیق انجم، غالب کے خطوط (جلد اول)، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 1984
۔جلیل قدوائی، مقدمہ 'مکتوبات عبدالحق (مرتبہ: جلیل قدوائی)، مکتبہ اسلوب، کراچی، 1963
۔ڈاکٹر خورشید الاسلام، خطوط نگاری، مشمولہ 'اردو نثر کا فنی ارتقا' مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1994
۔ڈاکٹر خلیق انجم، غالب کے خطوط (جلد دوم)، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 1985
۔ڈاکٹر خلیق، انجم، غالب کے خطوط (جلد اول)
۔الطاف حسین حالی، یادگار غالب (تصحیح و ترتیب: امام مالک)، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، 1984
۔ڈاکٹر محمد امین اندرابی، مطالعہ مکاتیب اقبال، تابش پبلی کیشنز، سرینگر، 1991
۔حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، عاکف بکڈپو، دہلی، پانچواں اڈیشن 1995
۔عبداللہ یوسف، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، 1936
۔عبدالقوی دسنوی، مطالعہ خطوط غالب، شعبہ اردو سیفیہ کالج، بھوپال، 1975
۔ڈاکٹر سر سید احمد خان، مکتوبات سر سید، جلد دوم (مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)، (طبع ثانی) مجلس ترقی ادب، لاہور، 1985
۔ڈاکٹر علی احمد فاطمی، سر سید کے خطوط، ایک عمومی جائزہ، مشمولہ 'غالب کی مکتوب نگاری' (مرتبہ پروفیسر نذیر احمد)، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 2003
۔شبلی نعمانی، مکاتیب شبلی، حصہ اول (مرتبہ سید سلیمان ندوی)، دارالمصنفین، اعظم گڑھ،

۔نقوش، مکاتیب نمبر، حصہ اول (لاہور، نومبر 1957
۔شبلی نعمانی، خطوط شبلی، تاج کمپنی، لاہور، 1935
۔اقبال، اقبال نامہ، حصہ اول (مرتبہ شیخ عطاء اللہ)، شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور
۔پروفیسر آل احمد سرور، اقبال کے خطوط، مشمولہ اقبال اور ان کا فلسفہ (مرتبہ آل احمد سرور)، مکتبہ عالیہ، لاہور 1977
۔مہدی حسن افادی، مکاتیب مہدی افادی (مرتبہ مہدی بیگم، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، 1982

''آج کل اور غبارِ کارواں''

خودنوشت سوانح

مرتبہ: محبوب الرحمٰن فاروقی، محمد کاظم

پبلی کیشنز ڈویژن اطلاعات ونشریات حکومتِ ہند 2000ء

مرتبین محبوب الرحمٰن فاروقی اور محمد کاظم نے اِس کتاب کے موضوع و کرداروں اور اُن کی تحریروں کو خودنوشتوں کا عنوان دیا ہے۔ اِس لحاظ سے اِس کتاب کی فہرست خودنوشتوں کی فہرستوں میں شامل کی گئی ہے۔ تاہم راقم کا سنجیدہ خیال ہے کہ مصنفین نے اپنے ہی بارے میں تحریریں لکھیں ہیں۔ اُن کی تحریروں کے نام بھی اُن کے اپنے اسمائے گرامی ہیں۔ دوسرے یہ کہ سوانحی اقداری لحاظ سے یہ تحریریں مصنفین کی زندگی اور عہد کی تاریخیت پر مبنی نہیں ہیں۔ تحریروں کے مندرجات مزاجی، تاثراتی اور مجلسی ہیں۔ اِس لحاظ سے یہ خودنوشتیں زیادہ تر خاکہ نگاری کی صنف مظہر ہوتی ہیں۔ اِن فہرستوں کو خاکہ نگاری کے ''خاکہ نگاری۔ باب 5''میں بھی شامل کی گئی ہیں۔

۔''صالح عابد حسین''از صالحہ عابد حسین مشمولہ ''آجکل اور غبارِ کارواں''، مرتبہ محبوب الرحمٰن فاروقی۔ محمد کاظم، پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند، 2000

۔''اختر اور ینوی''از اختر اورینوی، مشمولہ ''آجکل اور غبارِ کارواں''، پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند 2000،

۔''گیان چندجین''از گیان چندجین، مشمولہ ''آجکل اور غبارِ کارواں''، پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند 2000،

۔''جمیل مظہری''از جمیل مظہری، مشمولہ ''آجکل اور غبارِ کارواں''، پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند 2000،

۔''مسعود حسین خاں''از مسعود حسین خاں، مشمولہ ''آجکل اور غبارِ کارواں''، پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند، 2000

۔''عبدالماجد دریابادی''از عبدالماجد دریابادی، مشمولہ ''آجکل اور غبارِ کارواں''، پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،

حکومت ہند،2000

۔''اعجاز حسین''از اعجاز حسین،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''اسلوب احمد انصاری''از اسلوب احمد انصاری،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند،2000

۔''عصمت چغتائی''ازعصمت چغتائی،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''فراق گورکھپوری''ازفراق گورکھپوری،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''جوش ملسیانی''از جوش ملسیانی،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''جگن ناتھ آزاد''ازجگن ناتھ آزاد،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''سعید احمد اکبرآبادی''ازسعید احمد اکبرآبادی،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند،2000

۔''محمد حسن''ازمحمد حسن،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''عرش ملسیانی''ازعرش ملسیانی،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''حمیدہ سلطان''ازحمیدہ سلطان،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''خواجہ احمد عباس''ازخواجہ احمد عباس،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''گوپی ناتھ امن''ازگوپی ناتھ امن،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''امجد نجمی''ازامجد نجمی،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''میکش اکبرآبادی''ازمیکش اکبرآبادی،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''وحید اختر''ازوحید اختر،مشمولہ''آ جکل اور غبارِ کارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''علی محمد لون''،ازعلی محمد لون،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''سلام مچھلی شہری''ازسلام مچھلی شہری،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''سہیل عظیم آبادی''ازسہیل عظیم آبادی،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''ہنس راج رہبر''ازہنس راج رہبر،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''شمس الرحمٰن فاروقی''،ازشمس الرحمٰن فاروقی،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات، حکومت ہند،2000

۔''مالک رام''ازمالک رام،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''علی جوادزیدی''ازعلی جوادزیدی،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''کوثر چاند پوری''ازکوثر چاند پوری،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''دوارکا داس شعلہ''ازدوارکا داس شعلہ،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند،2000

۔''گوپال متل''ازگوپال متل،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''انیس قدوائی''ازانیس قدوائی،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔''مدن گوپال''ازمدن گوپال،مشمولہ''آجکل اورغبارِکارواں''،پبلی کیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات ونشریات،حکومت ہند 2000،

۔ابوالکلام آزاد،تذکرہ،کتاب محل،لاہور،1945

۔ابوالکلام آزاد،غبارخاطر،آزادآکیڈمی،دہلی

۔ابوالکلام آزاد،آزادکی کہانی،والی پبلشنگ ہاؤس،دہلی،1958

۔ابوالکلام آزاد،نقش آزاد،کتاب محل،لاہور،1959

۔اختر واجدعلی شاہ،حزنِ اختر1922

۔اختر واجد علی شاہ، پری خانہ، 1926
۔اختر واجد علی شاہ، عشق نامہ
۔آزاد جگن ناتھ، میرے شب وروز، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، 1965
۔آل احمد سرور، نظر اور نظیریے، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1973
۔احمد سعید خاں چھتاری، یاد آیام، علم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، 1949
۔ابن انشاء، آوارہ گرد کی ڈائری، مکتبہ دانیال، کراچی
۔ابن انشاء، دنیا گول ہے، مکتبہ دانیال، کراچی 1972
۔ابن انشاء، ابن بطوطہ کے تعاقب میں، مکتبہ دانیال، کراچی 1975
۔اسداللہ خاں غالب، عودِ ہندی، اسرار کریمی پریس، الہ آباد، 1972
۔اختر حسین رائے پوری، گرد راہ، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، 1940
۔حسرت موہانی، قید فرنگ،
۔خواجہ حسن نظامی، آپ بیتی، ولی پرنٹنگ ورکس، دلی، 1919
۔خواجہ حسن نظامی، روزنامچہ، ولی پرنٹنگ ورکس، دلی،
۔خواجہ حسن نظامی، سفرنامہ پاکستان، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، 1952
۔خواجہ غلام الدین، مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں، سید بن میموریل ٹرسٹ جامعہ نگر نئی دہلی، 1974
۔راجندر پرشاہ، میری کہانی
۔رشید احمد صدیقی، آشفتہ بیانی میری، مسلم ایجوکیشنل پریس، علی گڑھ، 1958
۔رضا شاہ پہلو، وطن کے لیے میرے عزائم، 1971
۔زکریا شیخ محمد، آپ بیتی، کتبہ خانہ یحیوئی متصل جامعہ العلوم مظاہر العلوم سہارن پور
۔سلطان جہاں بیگم، تزک سلطانی یعنی تاج الاقبال جلد 2، در مطبع سلطانی بھوپال، 1909ء، 1914ء
۔شاہ عظیم آبادی، شاد کی کہانی شاد کی زبانی، معارف پریس، اعظم گڑھ، 1958
۔شورش کاشمیری، بوئے گل نالہ دل و چراغ محفل، مطبوعہ چٹان لمیٹڈ میکلورروڈ لاہور
۔شورش کاشمیری، موت سے واپسی، مطبوعہ چٹان لمیٹڈ میکلورروڈ لاہور
۔شورش کاشمیری، تحفہ خدمت، مطبوعہ چٹان لمیٹڈ میکلورروڈ لاہور
۔شوکت تھانوی، بدولت، ادارہ فروغ اردو لکھنو، 1946
۔شبلی نعمانی، خطوط شبلی، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، 1935
۔شعیب اعظمی، صحبت یار آخر شد، انڈو پرشین سوسائٹی، دہلی، 1977

۔طٰہ حسین، الآیام، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، 1960
۔ظفر حسین ایبک، آپ بیتی (حصہ اول)، اشرف پریس، لاہور
۔ظفر حسن ایبک، آپ بیتی (حصہ دوئم)، منصورا یجوکیشنل پریس راوی اردو لاہور
۔ظفر الحسن مرزا (مرتب) صلیبیں میرے دریچے میں، اعتقاد پبلشنگ، ہاؤس، 1975
۔ظر الحسن مرزا، خطوط فیض احمد فیض، اردو بازار، دہلی
۔ظہیر دہلوی، داستان عذر، مطبوعہ مطبع کریمی، دہلی، 1910
۔عبدالمجید سالک، سرگذشت (باردوم، قومی کتب خانہ، لاہور، 1966
۔عبدالواسع ڈاکٹر، بہار میں اردو سوانح نگاری، بک ایمپوریم سبزی باغ پٹنہ
۔علی سردار جعفری، لکھنو کی پانچ راتیں، 1964
۔عتیق صدیقی، یادوں کے سائے، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، 1974
۔ذراعلی خنجر، محل خانہ شاہی، نامی پریس لکھنو، 1926
۔فقیر محمد خاں گویا، گویا صاحب سیف، قلم، مکتبہ دانش محل، لکھنو
۔قرأۃ العین حیدر، کار جہاں دراز ہے (جلد اول)، ادارہ فن اور فن کار بمبئ
۔قرأۃ العین حیدر، کار جہاں دراز ہے (جلد دوم)، ادارہ فن اور فن کار بمبئ
۔کلیم الدین احمد، اپنی تلاش میں، کلچرل اکیڈمی رینہ ہاؤس، 1975
۔گورکی میکسم، گرداۂ مترجم، اختر حسین، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی
۔گاندھی جی، تلاش حق (مترجم) ڈاکٹر عابد حسین، مکتبہ جامعہ، دہلی
۔محمد صدر الحق، نساخ حیات اور تصنیف، انجمن ترقی اردو، پاکستان، 1979
۔محمد خاں کرنل، بجنگ آمد، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1977
۔مجتبٰی حسین، ادب اور آگہی، مکتبہ افکار لاہور
۔مفتون دیوان سنگھ، نا قابل فراموش، رنجیت نیوز ایجنسی، دہلی
۔ملک زادہ منظور احمد، مولانا ابوالکلام آزاد، نسیم بک ڈپو، لکھنو
۔میر تقی میر، نثار احمد فاروقی، 1957
۔مولوی مظہر علی سندیلوی، ایک نادر روزنامچہ، فروغ اردو، لکھنو، 1954
۔مولوی مظہر علی سندیلوی، نقوش آپ بیتی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1964
۔مولوی مظہر علی سندیلوی، نقوش خطوط نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور
۔مولوی مظہر علی سندیلوی، نجفۃ الادب (طبع سوم) 1973

۔ہمایوں مرزا، میری کہانی میری زبانی،

رسائل

۔امروز، جون، لاہور
۔نقوش، خطوط نمبر، لاہور
۔نقوش، آپ بیتی نمبر، 1964، لاہور
۔اوراق، (جنوری، فروری)، چوک اردو بازار، 1978
۔ہماری زبان، علی گڑھ، 22 جنوری، 1972
۔صدق جدید، ہفتہ روز لکھنو، 1972
۔صدق جدید، مورخہ مئی، 1973
۔صدق جدید، جون، 1973
۔صدق جدید، جولائی 1973
۔صدق جدید، اگست 1973
۔فن اور شخصیت، آپ بیتی نمبر، فن اور فنکار، بمبئی
۔الذبیر، آپ بیتی نمبر، بھاول پور

تحقیقی مواد

بنیادی ماخذ

1۔آزاد، ابوالکلام، تذکرہ، لاہور، کتاب محل، 1945ء
2۔احسان دانش، جہان دانش، لاہور، آرٹ پریس، 1957ء
3۔احمد، کلیم الدین، اپنی تلاش میں، گیا، کلچرل اکیڈمی، 1975ء
4۔احمد شجاع، حکیم، خون بہا، لاہور، تاج کمپنی، 1943ء
5۔ادا جعفری، جو رہی سو بے خبری رہی، دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، 1996ء
6۔اختر الایمان، اس آباد خرابے میں، دہلی، اردو اکادمی، 1996ء
7۔افضل حق، چودھری، میرا افسانہ، عنایت اللہ پرنٹر پبلشر، تاج کمپنی، 1943ء
8۔انیس، قدوائی بیگم، آزادی کے چھاؤں میں، دہلی، قومی یکتا ٹرسٹ، 1975ء
9۔ایک، ظفر حسن، آپ بیتی، لاہور، اشرف پریس، 1964ء
10۔بجنوری، عبدالطیف، لطیف کی کہانی، بجنور، مطبع مدینہ پریس، 1967ء

12۔تھانیسری،جعفری،تواریخ عجیب،لاہور،اسلامی پریس،1302ھ
13۔تھانوی،شوکت،مابدولت،لکھنو،ادارۂ فروغ اردو،1946ء
15۔جنگ،نواب ہوش یار،مشاہدات،حیدرآباد،انتخاب پریس،1955ء
16۔چغتائی،عصمت،کاغذی ہے پیرہن،نئی دہلی،پبلی کیشنز ڈویژن،1994ء
17۔حسین،سیداعجاز،میری دنیا،الہ آباد،کارواں پبلشرز،1965ء
18۔حمیدہ سالم،سورش دوراں،دہلی،ایچ۔ایس۔پرنٹنگ پریس،1999ء
19۔خان،مسعودحسین،ورودمسعود،پٹنہ،خدابخش لائبریری،1989ء
20۔خان،یوسف حسین،یادوں کی دنیا،اعظم گڑھ،معارف پریس،1967ء
22۔خواجہ حسن نظامی،آپ بیتی،دہلی،دلی پرنٹنگ پریس،1919ء
23۔دریاآباد،عبدالماجد،آپ بیتی،لکھنو،مکتبہ فردوس،1978ء
24۔دہلوی،ظہیرالدین،داستان غدر،دہلی،مطبوعہ،1910ء
25۔رفعت سروش،بمبئی کی بزم آرائیاں،نوئیڈہ،نورنگ کتاب گھر،1986ء
26۔رفعت،سروش،اوربستی نہیں یہ دلی ہے،نوائیدہ،نورنگ کتاب گھر،1992ء
27۔رفعت سروش،پتہ پتہ بوٹابوٹا،نوائیڈہ،نورنگ کتاب گھر،1995ء
28۔رفعت سروش،نقوش رفتہ،نئی دہلی،ناشررفعت سروش،1983ء
29۔رضوی،زبیر،گردش پا،دہلی،ناشرذہن جدید،2002ء
30۔سالک،عبدالمجید،سرگزشت،لاہور،قومی کتب خانہ،1966ء
31۔سرور،آل احمد،خواب باقی ہیں،علی گڑھ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،1991
32۔سحر،مہندرسنگھ بیدی،یادوں کا جشن،کراچی،ناشررئیس امروہی،1983ء
33۔شکیل الرحمٰن،آشرم،دہلی،موڈرن پبلیشنگ ہاؤس،1992ء
34۔شمع،نفیس بانو،جنت سے نکالی ہوئی حوا،دہلی،آبشارپبلی کیشنز،1998ء
35۔صدیقی،عتیق احمد،یادوں کے سائے،نئی دہلی،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،1974ء
36۔محمدنوشادعالم،اُردوخودنوشت سوانح حیات،آزاد کے بعد،
37۔صدیقی،اطہر،میں کیا میری حیات کیا،علی گڑھ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،2003ء
38۔صدیقی،رشیداحمد،آشفتہ بیانی میری،دہلی،کوہ نورپریس،1972ء
39۔علی،عابد،مزدورمنسٹر،بمبئی،انقلاب پبلشیرز
40۔عظیم آباد،شادشادکی کہانی شادکی زبانی،اعظم گڑھ،معارف پریس،1958ء

41۔علی، سر رضا، اعمال نامہ، دہلی، ہندوستان پبلشر، 1943ء
42۔عقیل، سید محمد، گئو دھول، الہ آباد، انجمن تہذیب نو، 1995ء
43۔غلام السیدین، خواجہ، مجھے کچھ کہنا ہے اپنی زبان میں، دہلی، غلام السیدین ٹرسٹ، 1974ء
44۔کاشمیری، شورش، بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل، لاہور، مطبوعہ چٹان لمٹیڈ
45۔کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، نئی دہلی، ادب پبلی کیشنز، 1995ء
46۔کلیم عاجز، وہ جو شاعری کا سبب ہوا، پٹنہ، بزم کاف، 1976ء
47۔کلیم عاجز، جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی، نئی دہلی، عرشی پبلی کیشنز، 1981ء
48۔کلیم عاجز، ابھی سن لو مجھ سے، دہلی، سیٹی پریس، 1992ء
49۔متل، گوپال، لاہور کا جو ذکر کیا، دہلی، یونین پرنٹنگ پریس، 1971ء
50۔مدنی، محمد حسین احمد، نقش حیات، دہلی، ناشر سید محمد احمد، 1953ء
51۔مدھولی، عبدالغفار، ایک طالب علم کی کہانی، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، 1965ء
52۔مفتون، دیوان سنگھ، نا قابل فراموش، دہلی، پبلشیر دیوان سنگھ، 1957ء
53۔میرازادیب، مٹی کا دیا، لاہور، نیاز احمد سنگ میل پبلی کیشنز، 1981ء
54۔نساخ، عبدالغفور، سوانح عمری (مخطوطہ)، ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری، شمارہ نمبر 974
55۔وزیر آغا، ڈاکٹر، شام کی منڈیر سے، دہلی، سیمانت پرکاشن، 1986ء
56۔وزیر سلطان جہاں، نیرنگی بخت، جالندھر، ناشر ذکاءاللہ حسینی، 1942ء

ثانوی ماخذ

57۔آکسفورڈ انگلش ڈکشنری، جلد اول، بار دوم، آکسفورڈ، 1970ء
58۔احتشام حسین، سید، تنقیدی جائزے، الہ آباد پبلشنگ ہاؤس، 1951ء
59۔احمد اعوان، ڈاکٹر، داستان تاریخ رپورتاژ نگاری، ادارہ علم وفن، پشاور، 1999ء
60۔الطاف فاطمہ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء، اعتماد پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1974ء
61۔انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، شکاگو، جلد دوم، 74۔1973ء
62۔انور سدید، ڈاکٹر، اردو میں خطوط نگاری، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، 1985ء
63۔تحسین فرقی، ڈاکٹر، مشمولہ، اردو ادب بیسویں صدی میں، مقبول اکادمی، لاہور، 1988
64۔حسن ثانی نظامی، خواجہ (مراتب)، خواجہ حسن نظامی۔حیات اور کارنامے، اردو اکادمی، دہلی، 1978
65۔حسن وقار گل، ڈاکٹر، اردو میں سوانح نگاری آزادی کے بعد، شعبۂ اردو جامعہ کراچی، 1997ء
66۔حیدر قریشی، ڈاکٹر وزیر آغا۔عہد ساز شخصیت، نایاب پبلی کیشنز، لاہور، 1995ء

67۔خان،عرفان احمد،شہاب نامہ کی حقیقت،ٹی۔این۔ٹی۔پبلیشرز،لاہور،2001ء
68۔خلیق احمد بیگ،مرزا(مرتب)،جوش ملیح آبادی۔تنقیدی جائزہ،انجمن ترقی اردو ہند،دہلی،1992ء
69۔رشید امجد(مرتب)،مرزا ادیب۔شخصیت اور فن،مقبول اکادمی،لاہور،1991ء
70۔ساقی،کے۔ایل۔نارنگ(مرتب)،ہمارے کنور صاحب،جشن مہندر سنگھ کمیٹی،دہلی،1986ء
71۔سالک،علیم الدین،نقوش،آپ بیتی نمبر،لاہور،1964ء
72۔سندیلوی،مولوی مظہر علی،ایک نادر روز نامچہ،فروغ اردو،لکھنو،1954ء
73۔سید عبداللہ،ڈاکٹر،میرامن سے عبدالحق،چمن بکڈپو،دہلی،1965ء
74۔سیف اللہ خالد،پروفیسر،شہاب بے نقاب،ٹی۔این۔ٹی۔پبلیشرز لاہور،2003ء
75۔شاہ علی،سید،اردو میں سوانح نگاری،گلڈ پبلشنگ ہاؤس،لاہور،1961ء
76۔شبیہ کاظمی،ڈاکٹر،ڈاکٹر یوسف حسین خان۔احوال وآثار،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،2004ء
77۔شہزاد منظر،ردعمل،منظر پبلی کیشنز،کراچی،1985ء
78۔صبیحہ انور،ڈاکٹر،اردو میں خودنوشت سوانح حیات،نامی پریس،لکھنو،1982ء
79۔صدرالحق،محمد،نساخ حیات اور تصنیف،انجمن ترقی اردو،پاکستان،1979ء
80۔صدیقی،عتیق احمد،حسرت موہانی۔قید فرنگ میں،انجمن ترقی اردو ہند،دہلی،1982ء
81۔طارق محمود،حکیم(مؤلف)مشاہیر کی آپ بیتیاں،علم وعرفان پبلیشرز،لاہور،2003ء
82۔طاہر مسعود،یہ صورت گر کچھ خوابوں کے،مکتبہ تخلیق ادب،کراچی،طبع دوم،1958
83۔ظل ہما،ڈاکٹر،صادق الخیر۔حیات اور ادبی خدمات،شاہد پبلی کیشنز،دہلی،1997ء
84۔عبدالقیوم،ڈاکٹر،مشمولہ،اردو ادب کی فنی تاریخ،الوقار پبلیکیشنز،لاہور،2003
85۔عبدالواسع،ڈاکٹر،بہار میں اردو سوانح نگاری کا آغاز وارتقاء،بک امپوریم،پٹنہ،1979ء
86۔علوی،وہاجب الدین،اردو میں خودنوشت سوانح،فن وتجزیہ،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،دہلی،1989ء
87۔غلام رسول مہر،مولانا،(مرتب)خطوط غالب،مقدمہ شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،1993ء
88۔فرمان فتح پوری،ڈاکٹر،مشمولہ،اردو ادب کی فنی تاریخ،الوقار پبلی کیشنز،لاہور،2003ء
89۔فوزیہ چودھری،ڈاکٹر،اردو طنز ومزاح کے پچاس سال،پولیمر پبلی کیشنز،لاہور،س۔ن
90۔قاسم،غفور شاہ،پاکستانی ادب،شناخت کی نصف صدی،ریز پبلی کیشنز،راولپنڈی،2000ء
91۔قاسمی،عطاءالحق،سفرنامہ کیا ہے،اوراق،لاہور،جنوری فروری،1987ء
92۔قدسیہ قریشی،ڈاکٹر،اردو سفرنامے۔انیسویں صدی میں،نصرت پبلی کیشنز،لکھنو،1977ء
93۔قمر رئیس،ڈاکٹر(مرتب)،جوش ملیح آبادی خصوصی مطالعہ،سیمینار کمیٹی،دہلی،1993ء

94۔کیسل انسائیکلو پڈیا آف لیٹریچر، والیم ۔1۔2
95۔مجتبیٰ حسین، مشمولہ، مشتاق احمد یوسف ۔ چراغ تلے سے آب گم تک، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، 1997ء
96۔مظہر مہدی حسین، ڈاکٹر، مشمولہ، بیسویں صدی میں اردو ادب، دہلی، ساہتیہ اکادمی، 2002ء
97۔مختار شمیم، ڈاکٹر، ظہیر دہلوی، حیات وفن، نصرت پبلی شر، لکھنو، 1990ء
98۔مسعود حسین خاں، یوسف حسین خاں، ساہتیہ اکادمی، دہلی، 1990ء
100۔ممتاز فاخرہ، ڈاکٹر، اردو میں سوانح نگاری کا ارتقاء، نئی دہلی، 1984ء
101۔نظیر صدیقی، پروفیسر، ادبی جائزے، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، 1997ء
102۔نوالحسن ہاشمی، ڈاکٹر، ایک نادر روزنامچہ، ادارۂ فروغ اردو، لکھنو، 1954ء
103۔وہاب اشرفی، شاد عظیم آبادی اوران کی نثر نگاری، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، 1994ء
104۔رضا علی وکیل، اعمال نامہ، خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ 1992
105۔حکیم احمد شجاع، خون بہا، 1923
106۔ہوش یار جنگ، مشاہدات، 1955
107۔نقی محمد خاں خورجوی، عمرِ رفتہ، 1958، کراچی 2003
108۔سید ذوالفقار علی بخاری، سرگزشت، 1962
109۔قیصری بیگم، کتاب زندگی، 1968
110۔جوش ملیح آباد، یادوں کی بارات، 1970
111۔مشتاق احمد یوسفی، زرگزشت، 1976
110۔قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، 1986

رسائل

1۔اردو دنیا (دہلی)، نومبر، دسمبر، 2010ء
2۔نقوش، (لاہور)، آپ بیتی نمبر، 1964ء
3۔خدا بخش لائبریری جرنل، (پٹنہ)، شمارہ، 129، جولائی، ستمبر 2002ء
4۔کتاب نما، (سرور نمبر)، (دہلی) مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، 1992
5۔فکر و آگہی، (رفعت سروش نمبر)، (دہلی)، جلد نمبر 5، شمارہ، 1,2,3، 1990ء
6۔ارتقاء، (کراچی)، مارچ، 2002ء
7۔اخبار اردو، ماہنامہ، اسلام آباد، جلد نمبر 19، شمارہ نمبر 10، اکتوبر 2003ء
8۔ہنس (ہندی)، (دہلی)، جولائی، 2004ء

9۔آج کل (ہندی)،(دہلی)،دسمبر،1995ء

10۔پونرنوا(ہندی)،(وشیس انک)،(دہلی)،2002ء

11۔سمیانتر (ہندی)،(دہلی)،انک،اکتوبر،2003ء

خودنوشت سوانح عمریاں

1۔ابوالکلام آزاد،تذکرہ،کتاب محل،لاہور،1945

2۔ابوالکلام آزاد،غبارخاطر،آزادآکیڈمی،دہلی

3۔ابوالکلام آزاد،آزاد کی کہانی،والی پبلشنگ ہاؤس،دہلی،1958

4۔ابوالکلام آزاد،نقش آزاد،کتاب محل،لاہور،1959

5۔احسان دانش،جہان دانش،دانش کدہ،لاہور،1975

6۔احمد شجاع حکیم،خوں بہا،تاج کمپنی،لاہور،(طبع اول)1943

7۔اختر واجد علی شاہ،حزنِ اختر 1922

8۔اختر واجد علی شاہ،پری خانہ،1926

9۔اختر واجد علی شاہ،عشق نامہ

10۔آزاد جگن ناتھ،میرے شب وروز،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،دہلی،1965

11۔اعجاز حسین ڈاکٹر،میری دنیا،کاروان پبلشر منثور روڈ،الہ آباد،1965

12۔آل احمد سرور،نظر اور نظریئے،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،نئی دہلی،1973

13۔انیس قدوائی بیگم،آزادی کی چھاؤں میں،قومی ایکتا ٹرسٹ،دہلی،1975

14۔احمد سعید خاں چھتاری،یادآیام،علم ایجوکیشنل پریس،علی گڑھ،1949

15۔الطاف فاطمہ،اردو میں فن سوانح نگاری،اعتماد پبلشنگ ہاؤس

16۔الطاف فاطمہ،کا ارتقاء،اردو بازار دہلی،1974

17۔احمد شاہ علی،اردو میں سوانح نگاری،گلڈ پبلشنگ ہاؤس کراچی،1961

18۔احتشام حسین،تنقیدی جائزے،دانش محل لکھنو

19۔ابن انشاء،آوارہ گرد کی ڈائری،مکتبہ دانیال،کراچی

20۔ابن انشاء،دنیا گول ہے،مکتبہ دانیال،کراچی 1972

21۔ابن انشاء،ابن بطوطہ کے تعاقب میں،مکتبہ دانیال،کراچی 1975

22۔اسداللہ خاں غالب،عودِ ہندی،اسرار کریمی پریس،الہ آباد،1972

23۔اختر حسین رائے پوری،گرد راہ،انجمن ترقی اردو ہند،دہلی،1940

24۔باقر مہدی،تنقیدی کشمکش،خیاباں پبلی کیشن،بمبئ،1979
25۔حسرت موہانی،قیدفرنگ،
26۔خلیق الزماں چودھری،شاہراہ پاکستان،انجمن اسلامیہ،پاکستان،1967
27۔خواجہ حسن نظامی،آپ بیتی،ولی پرنٹنگ ورکس،دلی،1919
28۔خواجہ حسن نظامی،روزنامچہ،ولی پرنٹنگ ورکس،دلی،
29۔خواجہ حسن نظامی،سفرنامہ پاکستان،مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس،1952
30۔خواجہ غلام الدین،مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں،سید بن میموریل ٹرسٹ جامعہ نگر نئی دہلی،1974
31۔راجنیدر پرشاہ،میری کہانی
32۔رشید احمد صدیقی،آشفتہ بیانی میری،مسلم ایجوکیشنل پریس،علی گڑھ،1958
33۔رضا علی،اعمال نامہ،رنگ محل پبلشرس،دہلی،1942
34۔رضا شاہ پہلو،وطن کے لیے میرے عزائم،1971
35۔زکریا شیخ محمد،آپ بیتی،کتبہ خانہ یحیوئی متصل جامعہ العلوم مظاہر العلوم سہارن پور
36۔سلطان جہاں بیگم،تزک سلطانی یعنی تاج الاقبال جلد2،درمطبع سلطانی بھوپال،1909ء،1914ء
37۔سید عبداللہ،میرا من سے عبدالحق تک،چمن بکڈ پو اردو بازار دہلی،1967
38۔شاہ عظیم آبادی،شاد کی کہانی شاد کی زبانی،معارف پریس،اعظم گڑھ،1958
39۔شورش کاشمیری،بوئے گل نالہ دل و چراغ محفل،مطبوعہ چٹان لمیٹڈ میکلوروڈ لاہور
40۔شورش کاشمیری،موت سے واپسی،مطبوعہ چٹان لمیٹڈ میکلوروڈ لاہور
41۔شورش کاشمیری،تحفہ خدمت،مطبوعہ چٹان لمیٹڈ میکلوروڈ لاہور
42۔شوکت تھانوی،بدولت،ادارہ فروغ اردو،لکھنو،1946
43۔شبلی نعمانی،خطوط شبلی،تاج کمپنی لمیٹڈ،لاہور،1935
44۔شعیب اعظمی،صحبت یار آخرشد،انڈو پرشین سوسائٹی،دہلی،1977
45۔طہٰ حسین،الآیام،انجمن ترقی اردو ہند،علی گڑھ،1960
46۔ظفر حسین ایبک،آپ بیتی (حصہ اول)،اشرف پریس،لاہور
47۔ظفر حسن ایبک،آپ بیتی (حصہ دوئم)،منصور ایجوکیشنل پریس راوی اردو لاہور
48۔ظفر الحسن مرزا (مرتب) صلیبیں میرے دریچے میں،اعتقاد پبلشنگ،ہاؤس،1975
49۔ظفر الحسن مرزا،خطوط فیض احمد فیض،اردو بازار،دہلی
50۔ظہیر دہلوی،داستان عذر،مطبوعہ مطبع کریمی،دہلی،1910
51۔عبدالمجید سالک،سرگذشت (باردوم،قومی کتب خانہ،لاہور،1966
52۔عبدالماجد دریابادی،آپ بیتی،مکتبہ فردوس،مکارم نگر،لکھنو،1978

53۔عبدالواسع ڈاکٹر، بہار میں اردو سوانح نگاری، بک ایمپوریم سبزی باغ پٹنہ
54۔علی سردار جعفری، لکھنو کی پانچ راتیں، 1964
55۔عتیق صدیقی، یادوں کے سائے، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، 1974
56۔ذرا علی خنجر، محل خانہ شاہی، نامی پریس لکھنو، 1926
57۔فرحت اللہ بیگ، یاد ایام عشرت فانی
58۔فقیر محمد خاں گویا، گویا صاحب سیف، قلم، مکتبہ دانش محل لکھنو
59۔قرۃ العین حیدر، کار جہاں دراز ہے (جلد اول)، ادارہ فن اور فن کار بمبئی
60۔قرۃ العین حیدر، کار جہاں دراز ہے (جلد دوم)، ادارہ فن اور فن کار بمبئی
61۔کلیم الدین احمد، اپنی تلاش میں، کلچرل اکیڈمی رینہ ہاؤس، 1975
62۔گورکی میکسم، گرد راہ مترجم، اختر حسین، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی
63۔گاندھی جی، تلاش حق (مترجم) ڈاکٹر عابد حسین، مکتبہ جامعہ، دہلی
64۔محمد صدر الحق، نساخ حیات اور تصنیف، انجمن ترقی اردو، پاکستان، 1979
65۔محمد خاں کرنل، بجنگ آمد، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1977
66۔مجتبیٰ حسین، ادب اور آگہی، مکتبہ افکار لاہور
67۔مشتاق احمد یوسفی، زرگزشت، مکتبہ دانیال، کراچی، 1976
68۔مفتون دیوان سنگھ، نا قابل فراموش، رنجیت نیوز ایجنسی، دہلی
69۔ملک زادہ منظور احمد، مولانا ابوالکلام آزاد، نسیم بک ڈپو، لکھنو
70۔میر تقی میر، میر کی آپ بیتی (مترجم) مکتبہ برہان، دہلی
71۔میر تقی میر، نثار احمد فاروقی، 1957
72۔مولوی مظہر علی سندیلوی، ایک نادر روزنامچہ، فروغ اردو، لکھنو، 1954
73۔مولوی مظہر علی سندیلوی، نقوش آپ بیتی، ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1964
74۔مولوی مظہر علی سندیلوی، نقوش خطوط نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور
75۔مولوی مظہر علی سندیلوی، نجفۃ الادب (طبع سوم) 1973
76۔نظامی بدایوانی، نکات غالب، ناظمی پریس بدایوں
77۔ہوش بلگرامی، مشاہدات، انتخاب پریس حیدر آباد، 1955
78۔ہمایوں مرزا، میری کہانی میری زبانی،
79۔یوسف حسین خاں، یادوں کی دنیا، معارف پریس دار المصنفین اعظم گڑھ، 1967

خواتین کی خُود نوِشت اور سوانح عُمریاں

دنیا کی آبادی میں مجموعی طور پر خواتین کا تناسب پچاس فیصد سے زیادہ ہے۔خواتین معاشرہ اور ثقافت ہوتی ہیں اور مرد اِس کے اجزاء۔یہ تو ایسے ہی ہے جیسے پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں مرد معیشت ہوتے ہیں اور عورتیں صارفین۔ایسے بیانات زیادہ حقیقت پسندانہ نہیں ہوتے بلکہ علامتی وضاحتوں کی طرح تاثراتی ہوتے ہیں۔مگر اِس کے باوجود مکمل طور پر حقیقت کے جوہر سے محروم نہیں ہوتے۔ایسا اِس لیے ہوتا ہے کہ خواتین اور مردوں کی بائیولوجی، ہڈیوں، اعصاب، پٹھوں اور خون کا نظام کم، زیادہ یا مختلف درجوں میں ہوتا ہے۔اِسی لحاظ سے عورتوں اور مردوں کی جبلت، نفسیات، ارمان، احساس اور پیداواری صلاحیتیں مختلف درجات اور نوعیت کی ہوتی ہیں۔عورتوں اور مردوں کے حقوق میں فرق کے متعلق دنیا میں بہت زیادہ علم ادب تحریر و تحقیق کیا گیا ہے۔اس کے باوجود حقوق کے سوال کا مکمل طور پر شافی جواب ممکن نہیں ہوسکا۔نہ تو مرد اور عورت کی بائیولوجی ایک جیسی ہے اور نہ ہی سائیکالوجی۔مطالعہ اور تجزیہ کے امکانات بدلتے رہتے ہیں۔زندگی کے تقاضے، ماحول اور پیداواری صلاحیتیں تنوع اور تضاد سے معمور ہوتی ہیں۔اِس لیے انسانی رویّوں، اعمال اور سلوک کے امکانات کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔یہ مسلسل شعوری اور ارتقائی عمل تو ہوسکتا ہے فیصلہ سازی نہیں۔

پسماندہ اور ترقی پذیر معاشروں میں خواتین کا کردار ماتحت subordinate نوعیت کا سمجھا جاتا ہے۔عورت نہ صرف بنیادی حقوق سے محروم ہوتی ہے بلکہ انسانی حقوق سے بھی۔''ماتحت کردار'' کی لغت تہذیبی نوعیت کی ہے حقیقی نہیں۔عورت کا منصب غلام سے لے کر کسی بھی حد تک تشدد کا شکار ہوسکتا ہے۔مرد نے جسمانی طاقت سے سیاسی اقتدار و اختیار بھی حاصل کیا ہے۔تناسب کے لحاظ سے عورتوں کو اِس درجہ کا اختیار و اقتدار حاصل نہیں ہے۔مادر سری معاشرے پدر سری معاشروں میں ڈھلتے گئے۔زمین، اشیاء اور انسانوں پر ملکیت کا جواز پیدا ہوتا گیا۔ملکیت سے مالک اور ملک کا تصور عملی اقدار، قوانین، قواعد وضوابط اور آئینی شکل اختیار کرتا گیا۔عورت کی حیثیت کی تسلیم، اختیار کے مقابلہ میں کم تر ہوتی گئی۔یہ تاریخی عمل معاشری عمل بن گیا۔ڈاکٹر شبانہ سلیم اِس سیاق وسباق میں درجِ ذیل رائے کا اظہار کرتی ہیں:۔

> ''بیسویں صدی میں اور اس سے پہلے بھی ہندوستانی سماج
> میں عورت کا تعلیم حاصل کرنا ایک معیوب بات سمجھی جاتی تھی ایک لڑکی کی
> زندگی میں گڈے گڑیا کے کھیل، ہنڈکلیاں پکانے، سینے پرونے اور گھر
> داری میں ماہر ہونے کے علاوہ اور کوئی بات قابل توجہ نہیں تھی۔اگر کسی گھر
> کے افراد روشن خیال ہوئے بھی تو صرف قرآن پاک ناظرہ پڑھانے اور

اردو کی شُد بُد سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ یہ تعلیم بھی مستقل استعمال نہ ہونے کی وجہ سے بتدریج مائل بہ تنزل ہوتی جاتی تھی۔اس لئے کہ جو چیز استعمال نہ ہواس میں تنزل یقینی ہوتا ہے۔ایسے زمانے میں خواتین کا اپنی خودنوشت تحریر کرنا ایک سنگین جرم قرار دیا جاتا جس کی سزا گردن زدنی سے کم نہ ہوتی۔اس وقت کی خواتین میں اتنی خوداعتمادی بھی نہیں تھی جو وہ اپنے حالات قلمبند کرنے کا ارادہ بھی کرسکتیں۔

رفتہ رفتہ معاشرے کی سوچ میں تبدیلیاں آنی شروع ہوئیں۔ خواتین کے تئیں سماج میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا۔ سیاسی تحریکوں اور مردوں کے مغربی ممالک میں تعلیم سے بہریاب ہونے کے بعد ان کا اندازِفکر بدلا۔عام معاشرتی زندگی میں دھیرے دھیرے تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے ادب کو بطور آلہ کار استعمال کرنے کا رجحان شروع ہوا۔''1

ڈاکٹر شبانہ سلیم کی تحقیق سے متعلق لکھتے ہوئے ڈاکٹر رضیہ حامد بھی خواتین کی خودنوشت سوانح عمریوں کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:۔

''گزشتہ صدی سے پہلے خاتون صرف خاتونِ خانہ ہی ہوتی تھی ان کو گڈے گڑیا کے کھیل، ہنڈکلیاں پکانے، جھولا جھولنے کے علاوہ دنیا جہاں کی کسی بات کا علم تھا نہ دلچسپی۔ایک لمبے عرصے تک خواتین علم کے زیور سے ناآشنا گھر کی چاردیواری میں اپنی دنیا میں مگن زندگی گزارتی رہتی تھیں۔انہیں دنیا جہاں کی کوئی خبرنہیں تھی۔ان کے گھر کے مردان کو ناقص العقل کہہ کر اور سمجھ کر کسی بات پر مشورہ کرنا، ان کی بات کو توجہ سے سننا تضیع اوقات سمجھتے تھے اور ان کو صرف گھر اور محلات کی زینت قرار دیتے تھے۔ بابر کی آپ بیتی 'تزک بابری' پڑھنے کے بعد خواتین کے متعلق پایا جانے والا یہ خیال بہت حد تک غلط ثابت ہوجاتا ہے۔ بابر نے بتایا کہ عورت بڑے بڑے کام انجام دے سکتی ہے۔اس کے علاوہ اپنی اولاد کی بہترین تربیت کر کے اس کو عظیم انسان بنا سکتی ہے۔ بابر نے تزک

بابری کی ابتدا میں لکھا ہے کہ اس کی زندگی کو بنانے والی دوخواتین ہیں۔

ایک نانی ''ایسان دولت'' اور دوسری اس کی ماں ''قتلق نگار خانم''۔''2

ہندوستان کا مغل شہنشاہ بابر عورتوں کی اہمیت پر بات تو کر سکتا ہے مگر معاشرہ میں اُنہیں کوئی مقام، کردار یا رول دینے کا اشارہ بھی نہیں کرتا۔ اُس کی عورت دربار و محل کے اندر ہی کسی اہمیت کی حامل تھیں۔ معاشرہ میں اُس کا کوئی عملی مقام، سماجی منصب یا کردار نہ تھا۔ وہ اُستاد، انجینئر، ڈاکٹر، سیاست دان، وزیر، وزیر اعظم، جج، جرنیل، تاجر یا دوکان دار بھی نہ بن سکتی تھی۔ بادشاہوں کے حرم عہد قدیم کے ہوں یا جدید میں، عورت کے تو ہین خانہ ہوتے ہیں۔ وہ یا تو حرم کی مخصوص شاہی ضروریات پوری کرتی ہے یا پھر محل میں حرم واسیوں کی موجودگی کی ذلت سے پراگندہ زندگی بسر کرتی ہے۔ شہزادی یا حرم کی بیسوا، دونوں؛ عورت ہی ہوتی ہیں۔ اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون شہزادی اور کون حرم باسی ہے۔ کون محترم اور کون ارزل ہے۔ مرد کے معاشرہ میں مقام اُن کا سماجی سیاق وسباق ایک ہی ہے۔

عورت کی تاریخ اور تقدیر کھیت، اجناس کے گودام، گھر کی چار دیواری، باورچی خانہ اور بچے کے پالنے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ سہولت، عزت و آبرو اور تحفظ کے نام پر سماج میں اُس کا کردار ذیلی نوعیت کا رہ گیا۔ مرد کے پیش کردہ تحفظ میں عدمِ تحفظ کا شکار ہوگئی۔ عزت و آبرو حاصل کرتے ہوئے بے آبرو ہوگئی۔ سہولت اور آسانی حاصل کرتے ہوئے مصائب اور دشواریوں کا شکار ہوگئی۔ اپنی خودنوشت لکھتے ہوئے اُس کی تاریخی اور ارتقائی بے بسی اور بے کسی اُس کا دامن نہیں چھوڑتی۔ وہ سماجی عمل میں احمد فرازؔ کی طرح اپنے خیال کو اِس طرح شعر نہیں کر سکتی:۔

اور فراز چاہیں کتنی محبتیں تجھے

ماؤں نے تیرے نام پہ بچوں کا نام رکھ دیا

پسماندہ اور ترقی پذیر معاشروں میں خودنوشت سوانح عمریاں بے حد معنی خیز تخلیقات کا درجہ رکھتی ہیں۔ مگر اِن میں ادھورے پن کا احتمال ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ گویا خواتین کی سوانح عمریوں کا ادھورا پن عورت کا اپنا ادھورا پن ہے۔ مغرب میں عورت کو حقوق حاصل ہیں اُن میں بھی عورت کی مکمل تسکین، سہولت اور تحفظ نہیں ہے۔ مگر وہ معاشرے اِس بحث اور مکالمہ کو ہمیشہ جاری رکھتے ہیں جبکہ پسماندہ معاشروں میں اِس کا آغاز ہی نہیں ہونے دیا جاتا۔

جدید دنیا کے ترقی پذیر معاشروں میں خواتین کا مطالعہ، اُن کی نفسیات، بائیولوجی، مادریت اور خاندان کے حوالہ سے کیا جاتا ہے۔ اُن کے ماحول، پیداواری عمل اور سماجی ارتقا میں حصہ داری کو اقتدار و اختیار، معیشت اور ثقافتی اقدار کا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔ عورتوں کو معاشرے میں اُن کی عملی شراکت کے حوالہ سے اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ خودنوشت سوانح عمریوں میں ترقی پذیر ممالک کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں خواتین کو یہ منصب اور حیثیت حاصل نہیں ہے۔ مغربی معاشروں میں تحریر کی جانے والی خودنوشت سوانح عمریاں ترقی پذیر معاشروں کی نسبت بہت زیادہ

تعداد میں ہوتی ہیں۔پسماندہ اورترقی پذیر معاشروں میں رسم ورواج ،عقائد،اقدار کے سبب خواتین کاتعلیمی معیار مغربی خواتین کی طرح نہیں ہوتا۔ایک طرف تو وہ خواتین تشدد،استبداداوراستحصال کا شکار ہوتی ہیں اور دوسری طرف یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خواتین کسی بڑے کام کے اہل ہی نہیں ہوتی ہیں۔یہ دوگونہ dualاستحصالی طریقہ ءِ کار ہے۔خواتین رسم و رواج کے احترام میں معاشری سچائیوں کا اظہار ہی نہیں کرسکتیں۔کثیر ازدواجی خاندانوں اور معاشروں کی خواتین اِس ناجائز عمل کو ناجائز سمجھنے کی صلاحیت ہی سے محروم ہوجاتی ہیں۔اِس طرح کے ماحول میں خواتین نسائی اورنسوانی احترام حاصل کرنے کی بجائے آپس میں ایک دوسری کے ساتھ نفرت ،حسد کا سلوک بھی کرتی ہیں۔خاندانی ادارہ قبول کردہ استحصالی ادارہ بن جاتا ہے۔اظہارِ ذات ہی نہیں ہوسکتا تو سماجی ابلاغ کہاں کی قدر۔خودنوشت سوانح عمری میں اِس طرح کی وجوہات تحدیدواخفاء کی صورت حال پیدا کرتی ہیں۔وہ خودنوشت تحریر کربھی دیں تو اُنہیں بہت ہی احتیاط کا سلیقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے موضوعات کا انتخاب کرتی ہیں جس میں سے ہر وہ حقیقت خارج کردیتی ہے جسے سماج،خاندان، برادریاں وغیرہ قبول نہیں کرتیں۔گویا آدھی بات بھی آدھوری رہ جاتی ہے۔ابلاغ کی پابندیاں اپنی جگہ پر موضوعات ہی اپنے ابلاغ کے خلاف تحدید کا باعث بن جاتے ہیں۔اردوادب میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریوں کی روایت بہت زیادہ حوصلہ افزانہیں ہے۔ہاں البتہ تھوڑی بہت خواتین کی سوانح عمریاں مشاہدہ میں آتی ہیں۔اِن تحریروں میں جوموادموجود ہوتا ہے وہ اِس لیے قابلِ قدر ہے کہ کسی نہ کسی نے اتنی جرأت تو کی اوراظہارِ ذات کوسماجی ابلاغ کا حصہ بنا دیا گیا۔اُس کے مطالعہ سے نہ صرف مطالعہ کار معاشرہ میں عورت کے منصب اور کردار کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتے ہیں بلکہ اُن کے کردار ،عمل اور سیرت سے انسپائر بھی ہوتے ہیں۔خواتین کی خودنوشت سوانح عمریوں میں صنفی genderاورمعاشرتی احتیاط اِس بات کا ثبوت ہے کہ خواتین احتیاط کےعمل میں بہت سے حقائق ملفوف کردیتی ہیں۔ایسی سوانح عمریوں کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ احتیاط یاتحدید کارویہ کتنا ضروری ہے۔اِس کا خیال نہ رکھنے سے خواتین معاشرہ میں غیر محفوظ ہوجاتی ہیں۔کوئی شاعرہ اگر کسی ادیب کو خط بھی لکھ دے تو اُسے ادبی پیغام کی بجائے کسی جنسی معنویت میں شرح کیا جاتا ہے اور مکتوب نگار سزاوار بھی ٹھہرائی جاتی ہے۔ٹیلی فون کے جدید نظام سے پہلے ابلاغ ڈاک کے نظام کے ذریعہ پیغام رسانی ہوتی تھی۔مگر خواتین کی پیغام رسانی اوراُن کے ساتھ پیغام رسانی کےعمل کو''غیرت'' کے تصورات اور عمل میں تصور کیا جاتا تھا۔گویا عورت اور مرد کے کسی بھی تعلق کو ناجائز جذباتی اور جنسی تعلق کے انداز میں شرح کیا جاتا ہے۔عورت مرد کے تعلق کی جنسی تعلق کے علاوہ کوئی تشریح نہ تھی۔عورت مرد کا سماجی رشتہ محض جنسی تھا۔اِس طرح کی صورت حال میں خواتین کے پاس اپنی حد بندی اور احتیاط کا رویہ اختیار کرنے کی بجائے کیا انتخاب ہے۔خود نوشت بھی اپنی تخلیق کار عورت کی طرح سماجی تحدید میں حیات کرتی ہیں۔

خواتین کی سوانح عمریاں

بیگماتِ بھوپال

محمد امین ماہروی اِس کتاب کے مرتب ہیں۔ کتاب کے مکمل مندرجات میں یہ بات کہیں بھی واضح نہیں کرتے کہ کیا ''بیگماتِ بھوپال'' خودنوشتیں aoutobiographies ہیں یا سوانح عمریاں biographies۔ یہ تو کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ بیگماتِ بھوپال نے اپنی سوانح عمریاں خود تحریر کیں۔ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اگر اُنہوں نے اپنی سوانح عمریاں خود تحریر نہیں کی تو پھر کس نے کیں۔ محمد امین ماہروی نے ''مرتبہ'' کی اصطلاح استعمال کر کے ابہام پیدا کر دیا ہے کہ یہ یا تو بیگماتِ بھوپال کی تحریر کردہ خودنوشتوں کی مرتبہ کتاب ہے یا پھر دوسرا ابہام کہ یہ تحریریں بیگماتِ بھوپال کے علاوہ دوسرے درباری مصنفین کی ہیں جن کو ترتیب دیا گیا ہے۔ مگر مرتب اِس موضوع پر اپنی کوئی رائے نہیں دیتے۔ راقم کا خیال ہے کہ یہ تحریریں بیگماتِ بھوپال کی اپنی تحریر کردہ نہیں ہے۔ بہت کم، کوئی ہو بھی ہو سکتی ہے۔ مگر ایسا امکان بہت ہی کم ہے۔ البتہ مطالعہ سے یہ سنجیدہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''بیگماتِ بھوپال'' میں مرتّبہ تحریریں بیگماتِ بھوپال کے علاوہ درباری منشی، انشاء، پرداز، سوانح نگار ادیب اور مصنفین کی لکھیں ہوئی ہیں جن کا حوالہ اِس کتاب میں کہیں موجود نہیں ہے۔

بیگماتِ بھوپال کی سوانح عمریاں

رانی کملا پتی	فتح بی بی	ماجی ممولا	صالحہ بیگم
عصمت بیگم	زینت بیگم	موتی بیگم	نواب گوہر بیگم قدسیہ
بلقیس جہاں بیگم	سلیمان جہاں بیگم	آصف جہاں بیگم	نواب قدسیہ بیگم، تاجِ ہند
نواب سکندر بیگم، جی، سی، ایس، آئی	نواب شاہ بیگم، جی، سی، ایس، آئی	نواب سلطان جہاں بیگم، تاجِ ہند	پرنسیس عابدہ سلطان

حکمران خواتین کے درباری و سرکاری مصنفین ایسی تحریریں لکھ کر حکمرانوں کے اعزاز میں پیش کر دینے کا رواج تھا۔ ایسی تحریروں کو حکمران مصنف کے حوالہ کے بغیر اپنے نام و اکرام کے ساتھ شائع کروا دیتے تھے۔ اِسی طرح کی صورت حال اِن سوانح عمریوں کے متعلق قیاس کی جا سکتی ہے۔ تاہم راقم کو اِس موضوع پر کوئی تحقیقی مواد دستیاب نہیں ہے۔ بیگمات بھوپال کی سوانح عمریاں ہندوستان کی عورت کے اسیر خانوں کے دریچوں کی طرح ہے۔ اِن پر ہزار قسم کے تحفظات اُٹھائے جا سکتے ہیں مگر اپنے اُس خاص عہد میں اُن کا تحریر کیا جانا تہذیب ہند میں منفرد واقعہ ہے۔

خواتین کی خودنوشتیں

۔بملا کماری،''ایک ایکٹریس کی آپ بیتی''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی،2015

۔صالحہ عابد حسین،''آزادی کی چھاؤں میں''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی،2015

۔ادا جعفری،''جو رہی سو بے خبری رہی''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی، 2015

۔سعیدہ بانو احمد،''ڈگر سے ہٹ کر''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی، 2015

۔نفیس بانو شمع،''جنت سے نکالی ہوئی حوا''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی، 2015

۔حمیدہ سالم،''شورشِ دوراں''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی،2015

۔شائستہ اکرام اللہ،''پردے سے پارلیمنٹ تک''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی،2015

۔حمیدہ اختر حسین،''ہم سفر، نایاب ہیں ہم''، وہ کون تھی،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی،2015

۔کشور ناہید،''بری عورت کی کتھا''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی، 2015

۔امرتا پریتم،''رسیدی ٹکٹ''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی،2015

۔ عابدہ سلطان،''انقلابی شہزادی''،مشمولہ:اُردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں، فائن آفسیٹ پریس اردو بازار، دہلی، 2015

نسائی سوانحی ادب

سوانحی ادب مردوں اور خواتین کی سوانح نگاری اور خودنوشت پر مشتمل ہوتا ہے۔سوانحی ادب میں خواتین کی سوانح نگاری اور خواتین کی خودنوشت اصناف خاص ادبی اور سماجی اہمیت رکھتی ہیں۔سوانحی ادب کے حوالہ سے یہ بات آسانی سے قابل فہم ہوجاتی ہے کہ سوانح یا خودنوشت کسی ایسے کردار کے متعلق تحقیق وتحریر ہوتی ہے جسے اس کی کرداری خصوصیات کے سبب زندگی میں نمایاں پن siginificance نصیب ہوتا ہے۔سوانح یا خودنوشت کے کردار قارئین کو خاص وجوہات کی بناپر انسپائر Inspire کرتے ہیں۔انسپائریشن سوانحی شخصیت یا کردار کا بنیادی خاصہ ہوتا ہے جو قارئین کے لئے انسپائریشن کا باعث بن جاتاہے۔عام طور پر انساپریشن سے مراد انگیخت ،اُمنگ،الہام،تخلیقی تحریک،وجدان،آمد، فیضان،کشف،القاء،تحرک دینا،تولید کرنا،روح پھونکنا وغیرہ لیا جاتا ہے۔اُردو کی متبادل لغت میں انسپائریشن کی وہ معنویت ابلاغ نہیں ہوتی جو انگریزی لغت میں موجود ہے۔خواتین کے سوانحی ادب کے متعلق یہ بات بہت ہی اہم ہے کہ کسی نہ کسی طرح اِس کا تعلق ''نسائی فلسفہ feminism'' کے ساتھ قائم رہتا ہے۔بظاہر تو لگتا ہے کہ ایسی کوئی پیشگی شرط نہیں کہ نسائی فلسفہ خواتین کے سوانحی ادب سے لازمی تعلق رکھتا ہو۔مگر حقیقت میں خواتین کے سوانحی ادب سے نسائی فلسفہ کا بہت ہی بنیادی رشتہ ہے۔جن معاشروں میں خواتین پسماندگی کی زندگی بسر کرتی ہیں اور کوئی نمایاں کردار ادا کر کے سوانحی شخصیت بن جاتی ہیں اُنہیں اپنے سماج و ماحول کی مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا اور تصادم رہتا ہے۔عورت کی ترقی یا سماج میں نمایاں پن حاصل کرنے کے لئے اُس کی دشواریوں کا مطالعہ ہی نسائی فلسفہ اور عمل ہے۔ترقی یافتہ معاشروں میں بھی خواتین مختلف نوعیت کی محرومیوں ،دشواریوں اور رکاوٹوں کا شکار ہوتی ہیں۔خواتین پسماندہ معاشرہ سے ہوں یا ترقی یافتہ سے،اُن کی دشواریوں،مجبوریوں،محرومیوں،حق تلفیوں کا مطالعہ نسائی ادب کا حصہ ہے۔خواتین اپنے حقوق، پہچان اور اطمینان کے لئے جوجدوجہد کرتی ہیں وہ بھی نسائی ادب کا حصہ ہے۔گویا خواتین کے سوانحی ادب میں نسائی فلسفہ کا مطالعہ، تجزیہ اور اطلاق بنیادی شرط اور ضرورت ہے۔

یہ بات آفاقی حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام معاشروں اور تمام زمانوں میں عورتوں اور مردوں کے حقوق میں تفریق وامتیاز کا عنصر موجود رہا۔کچھ معاشروں نے اپنی تعلیمی،معاشی ترقی کی وجہ سے مردوں وعورتوں کے حقوق کے فرق کو بہت کم کیا۔خاص طور سے مغربی دنیا؛یورپ کے ممالک اور معاشرے،آسٹریلیا،کینڈا،امریکہ،جاپان اور چین میں خواتین زیادہ بااختیار،آزادکار،صاحبِ حقوق اور پُراعتماد دکھائی دیتی ہیں۔اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُن کو اُن کے تمام تر حقوق مل چکے ہیں۔لیکن یہ بات ماننے ہی بنتی ہے کہ وہ کچھ مجبوریوں،محرومیوں کے باوجود بہت کچھ حاصل کرتی جارہی ہیں۔ ''عورتوں کے حقوق'' مطالعہءِنسواں Women Studies کا اہم ترین موضوع ہے۔عام بات چیت میں عورتوں

کےحقوق مردوں کے برابر کےحقوق کے معیار پرلانے کی بات کی جاتی ہے۔دنیامیں حقوق نسواں کےحوالہ سےسب سے زیادہ تحقیقی کام''برابری کے حقوق'' کےتصور پر ہوا ہے۔جبکہ مردوں اورعورتوں کےحقوق برابر کےنہیں ہوسکتے،مختلف ہوتے ہیں۔دونوں اصناف کے حیاتیاتی اور وجودی خصائص،وظائف،پیداواری عمل،خاندان کےنشو ونما کےحوالہ سے مختلف ہیں۔دنیا بھر میں خانہ داری کی وجہ سے بھی عورتوں مردوں کے حقوق میں امتیاز وتفریق کی ضرورت ہے۔ عورتوں کے وجودی خصائص،وظائف،پیداواری عمل،خاندان کی نشو ونمااورخانہ داری کی وجہ سےمردوں سےمختلف ہے۔ اِس لیےاُن کےحقوق نہ صرف مختلف ہیں بلکہ تعداد وحجم میں زیادہ بھی ہیں۔یہ بحث ایک مکمل موضوع ہے کہ اِس حوالہ سے عورتوں کےحقوق کاتعین اور معیارات کیسے مقرر کئے جائیں۔اگر چہ یہ عمل بہت ہی سادہ اورآسان ہےمگرصدیوں سے ہونے والے استحصال کوعورتوں کےحقوق کی نفی کا جواز بنا کرپیش کیا جاتا ہے۔آخرمردوں کے پاس کونسااختیار ہےجس کی بنیاد پروہ عورتوں کوحقوق دیں۔اُن کے پاس کیا عطا ہے۔عورتوں کی صنف میں ایسی کیا کمزوری یا کمی ہے کہ وہ مردوں کے معاشروں سے حقوق مانگتی پھریں۔اگرکہیں حقوق کی بات چیت ہوتو تکڑی،ترازومیں برابری کے پلڑوں میں ڈال کر مفاہمت،مصلحت یا نتیجہ کی منافقت کا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔محرومی کی ایک تہہ پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئی سطحیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔جیسے چٹان کی تہہ اور سطح پراضافی تہوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔برابری کا درس بےفیض مفاہمت کا ہوتا ہے۔عورتوں کےحقوق اُن کےصنفی،حیاتیاتی اور جسمانی خصائص اورتقاضے،ازدواجی منصب،خانگی افزود ونمائش ،خانہ داری،معیشت میں حصہ داری اور سماجی ساختوں میں اُس کی قربانیوں اور حصہ داریوں کے حوالہ سے کیا جانا چاہیے۔حقوق کے ایسے آدرش اور اقدارخواتین کے سیاسی عمل میں شرکت،قانون سازی،قانونی اختیارجیسی صلاحیتوں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔معاشروں میں تعلیمی ترقی بہت ہی اہم کرداراداکرتی ہے۔مگراِس عظیم تقاضےکوایک بہانہ کے طور پربھی پیش کیا جاتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ علمی ترقی کے ذریعہ عورتوں کےحقوق کاتعین اورحصول بھی ممکن ہوجائے گا۔تعلیم اورآگاہی کی اہمیت بےمثال ہےمگرعورتوں کےحقوق کوتعلیم کے لئے بہانہ جوئی کےکفن میں دفن نہیں کردیناچاہیے۔یہ تو استحصالی مفاہمت،مصلحت اورسماجی منافقت کےاسباب ونتائج ہوسکتے ہیں۔تعلیم سےمتعلق یہ حقیقت کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ تعلیم ترقی اورآگاہی کا سست ترین عمل ہوتا ہے۔اُس کی تکمیل کے انتظار میں انسانی آبادی کے غالب حصہ؛ خواتین کومجبوریوں اورمحرومیوں کے عذاب میں نہیں ڈالنا چاہیے۔علم وتعلیم کا ارتقائی عمل بےحدسست رفتاری سے آگے بڑھتاہےاوراُسی لحاظ سے انسانی ذہن علم وتعلیم کی رَسل،وَصل کرتا ہے۔ادراکی تصورات کے وقت کا بہت زیادہ اصراف درکار ہوتا ہے۔ایک توانسانی ذہن کی وسعت،پختگی اوربصیرت کاعمل بہت ہی سست ہوتا ہے،دوسرے سماجی عمل اوراس کےنمونے اس قدر پیچیدہ ہوتے ہیں کہ اُن کی فہم وفراست کے لئے بہت زیادہ تعلیم وتعلم درکار ہوتا ہے۔انسانی بچہ اپنے بہت سے اعضاء میں غیرمکمل پیدا ہوتا ہے۔غیرمکمل اعضاء کی تکمیل کا عرصہ اُس کے ادراکی التواکا زمانہ ہوتا ہے۔علم کی

عظمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُس کی ارتقائی رفتار کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ انسانوں کی ارتقائی تعمیر اور ساختوں کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے شعور میں ازدواجی، خانگی اور سماجی ساختیں طویل عرصوں میں متشکل ہوتی ہیں۔ اِسی لحاظ سے ارتقائی ساختیں اور نمونے انسانی شعور و آگاہی میں سست رفتاری سے داخل ہوتے ہیں۔ اِن عوامل کے بہت اچھے فہم و ادراک سے سماجی معاملات یا عورتوں کے حقوق کے متعلق متوازن نکتہءِ نظر اور حکمت عملی منصوبہ کی جاسکتی ہے۔ اِس موضوع پر یووال نوح ہراری اپنا موزوں ترین نکتہءِ نظر پیش کرتا ہے:۔

''اس حقیقت نے نسل انسانی کی غیر معمولی سماجی اہلیت، اور اس کے منفرد سماجی مسائل کو جنم دیا۔ اکیلی مائیں بمشکل اتنی غذا اکٹھی کر پاتیں جو خود ان کے اور ان کی اولاد کے لیے کافی ہو، جب کہ طلب گار بچے تعاقب میں ہوں۔ بچوں کی نش و نما کے لیے خاندان کے دوسرے افراد یا پڑوسیوں کی مستقل مدد درکار رہوتی۔ ایک انسان کی پرورش کے لیے ایک قبیلہ درکار تھا۔ **ارتقا نے ان کی طرف داری کی جو مضبوط سماجی رشتے استوار کرنے کے قابل تھے۔** مزید یہ کہ کیوں کہ انسانی بچہ تیار پیدا نہیں ہوتا ہے، تو اسے دوسرے جانوروں کے مقابلے میں زیادہ تعلیم اور سماجی شعور درکار رہوتا ہے۔ زیادہ تر پیتانیے رحم سے ایسے برآمد ہوتے ہیں جیسے بھٹی سے نکلے مٹی کے برتن۔ انہیں دوبارہ شکل دینے کی کوشش سے وہ تڑخ سکتے ہیں یا ٹوٹ سکتے ہیں''۔1

ارتقائی تاریخ میں انسانوں کے لئے ایسے بہت سے درس و اسباق موجود ہیں۔

خواتین کے سوانحی ادب کی درجہ بندی تحریر کرنے والوں کے حوالہ کرنے سے زیادہ قابلِ فہم ہوسکتی ہے:۔

i۔ مردوں کی تحریر کردہ نسوانی سوانح عمریاں۔

ii۔ خواتین کی لکھی ہوئی خواتین کی سوانح عمریاں۔

iii۔ خواتین کی لکھی ہوئی خودنوشت سوانح عمریاں۔

مردوں کی تحریر کردہ خواتین کی سوانح عمریوں میں دلچسپ پہلو تو یہ ہوتا ہے کہ ایسی سوانح عمریاں صنفِ مخالف سے متعلق تحقیق و تحریر کی جاتی ہیں۔ چونکہ سوانحی ادب مکمل طور پر معروضی objective پیدا کاری نہیں ہوتا اِس لئے اِس میں مرد کی موضوعیت subjectivity کا امکان برقرار رہتا ہے۔ سوانح میں معروضیت اور موضوعیت کی اطلاق کاری تحریر میں معاشرتی دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ تاہم مردانہ تعصب بھی عمل کار ہوسکتا ہے۔ عورت کے متعلق لکھتے ہوئے مرد اُس کے

عورت پن سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہیں ہوسکتا۔اِس طرح مردوں کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں میں عورتوں کے تشخص، نفسیات، حیاتیاتی تخصیص، صنفی خصائص جیسے حقائق کو مسخ بھی کیا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر اگر کوئی خاتون اپنے شوہر کے ساتھ ناروا سلوک کرتی ہو تو یہ جاننے کی کوشش نہیں کی جاتی کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ عام طور پر خاندان، بچوں کی ضروریات کی تسکین نہ ہونے کی صورت حال میں خانہ دار خواتین جارحانہ رویہ اختیار کرسکتی ہیں۔ اِس رویہ کا کوئی اخلاقی جواز ہو یا نہ ہو، یہ تو حقیقت ہے کہ اُس خانہ دار خاتون کو اپنے خاندان کے بچوں کو کھانے پینے اور رہنے سہنے کی سہولیات باہم پہنچانا ہوتی ہیں۔خانہ دار خاتون ایسی محرومی کی صورت حال میں مرد سے زیادہ محروم ومظلوم ہوتی ہے۔وہ یہ بھول جاتی ہے کہ اُسے اپنے کما کر لانے والے اپنے شوہر کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔وہ اس بات کے دباؤ میں دفن ہوجاتی ہے کہ اُس کا خاندان فاقہ کشی کا شکار ہوسکتا ہے یا زندگی کی دوسری بنیادی سہولتوں سے محروم۔ یہ مثال ایک کمانے والے شوہر اور خانہ دار خاتون کی ہے، اِس کے علاوہ مردوں اور عورتوں کی معاشرے میں مختلف پوزیشن positions کے حوالہ سے مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔پوزیشن سے مراد عورت کا مقام ومنصب اور ذمہ داریوں کا احاطہ ہے۔ہر پوزیشن میں مختلف پیچیدگیوں اور مسائل کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ازدواجی، خانگی اور معاشری زندگی میں عورت کی پوزیشن سے مراد اُس کا ''مقام'' ہے جو کہ مختلف صورتِ حالات میں بدلتا رہتا ہے۔اُس کے مقام کے ساتھ عورت کا ''معاشری منصب status'' اور ''سماجی کردار role'' منسلک اور منضبط ہوتا ہے۔عورت کے حقوق وفرائض کا تعین اگر اُس کی ازدواجی، خانگی اور سماجی پوزیشنز کے حوالہ سے کیا جائے تو بے حد معقول اور متوازن نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔مردوں کے تحریر کردہ سوانحی ادب میں عورت کی نفسیات، مزاج، جذبات، جبلت اُن معیارات کے ساتھ تکمیل سے حقائق پیش نہیں کیا جاسکتا جو کہ سوانحی ادب کے لئے لازم ہوتے ہیں۔عورتوں کا فطری حجاب، شرمیلا پن، ابلاغی تحدید، مردوں سے بالمشافہ مانوس ہونا جیسے عمومی رویے سوانحی ادب میں مانعِ ابلاغ ہوتے ہیں۔ اِس نقد ونظر کے باوجود مردوں کی تحریر کردہ عورتوں کی سوانح عمریوں کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔البتہ نوعیت تھوڑی بہت مختلف ضرور ہوجاتی ہے۔خواتین کے وجودی خصائص، وظائف اور تقاضے ایسے موضوعات ہیں جو حقائق ہونے کے باوجود عورتوں کے ذاتی اور سماجی ابہام کا باعث بھی ہوسکتے ہیں۔مثال کے طور پر عورتوں کی تحریر کردہ سوانح عمریوں اور خودنوشتوں میں اُن کی موضوعیت شامل ہوسکتی ہے۔جبکہ مردوں کی تحریر کردہ عورتوں کی سوانح عمریوں میں عورتوں کے خاص جذبہ وجبلّت، چاہت وضرورت تک تحدید نہیں ہوتی ۔مرد سوانح نگار اپنی عصبیت، تعصب اور ابہام وایہام کا شکار بھی ہوسکتا ہے۔

خواتین، خواتین کی سوانح عمریاں بھی تحقیق وتحریر کرتی ہیں۔ایسے سوانح ادب کو زیادہ استناد کا اعزاز حاصل ہوتا ہے۔خواتین اپنے موضوعات کی خواتین کے جذبہ وجبلّت، چاہت اور ضرورت کو زیادہ بہتر انداز میں فہم وابلاغ کرسکتی ہیں۔عورتوں کے وجودی اور نفسیاتی حجابات کو بہتر انداز میں منکشف کرسکتی ہیں۔تاہم اِس نکتہءِ نظر سے یہ مراد نہیں کہ

مردوں کی تحریر کردہ سوانح عمریوں میں کوئی ابتری ہوتی ہے۔ ہاں البتہ مردوں کی تحریریں عورتوں سے متعلق عورتوں کی تحریر سے مختلف ضرور ہوتی ہیں۔ اُن کے مختلف ہونے کے عنصر کو عدمِ تکمیل کا نام بھی دیا جاسکتا ہے مگر یہ خیال درست نہیں۔ انسانی حیات کے متعلق خیالات امکانی نوعیت کے ہوتے ہیں جو براہِ راست درست یا غلط ہوسکتے ہیں۔ ہاں البتہ ایسے خیالات کا مجموعی اثر نسبتاً بہتر نتائج کا حامل ہوسکتا ہے۔ خواتین کی تحریر کردہ سوانح عمریوں پر خواتین کا آپس میں اختلاف اور ناپسندیدگی، حسد، رقابت اور نفرت اثر انداز ہوسکتی ہے۔ یہ بات تو آفاقی حقیقت ہے کہ کوئی خاتون عام طور پر اپنی خانگی زندگی میں کسی دوسری خاتون کی مداخلت برداشت نہیں کرتی۔ ایسے میں لڑائی جھگڑا سے لے کر قتل و غارت تک بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ خواتین کے حقوق کے موضوع سے قطع نظر ایسی صورت حال یا وقائع سے ترقی کا عمل نہ صرف رُکنے لگتا ہے بلکہ پسماندگی کی معکوس ترقی کے عمل کا آغاز ہوجاتا ہے۔ بہت سی خواتین مردانہ رویے اپنا کر کسی کامیابی کو حاصل کرلیتی ہیں۔ ایسی کامیابی اُن کی موضوعی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ گویا عورتوں کے خلاف ہونے والے استحصالی عمل میں شریک ہو کر وہ اپنے ہی حقوق کو مردانہ استحصالی قوانین، طریقہءِ کار، اقدار و اعمال سے حاصل کرتی ہیں۔ خواتین کے استحصالی معاشرہ میں اگر خواتین استحصالی طریق ہی استعمال کریں تو یہ مردوں کے استحصالی ہتھکنڈوں کو استعمال کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے استحصالی عمل کی پذیرائی ہوتی ہے اور یہ زیادہ سنگین عمل بن جاتا ہے۔ تاہم خواتین کی تحریر کردہ خواتین سے متعلق سوانح عمریاں زیادہ دلچسپی اور حقیقت کے قرب و ابلاغ کا باعث ہوسکتی ہیں۔

خواتین کی سوانح عمریوں کی درجہ بندی میں خواتین کی ''خودنوشت'' کو بہت دلچسپی اور اہمیت حاصل ہے۔ وہ اپنے متعلق زیادہ بہتر جانتی ہیں اور اُن کا بہترین اظہار کرسکتی ہیں۔ اپنے درُون و بیرون سے واقف ہوتی ہیں اور چاہیں تو حقیقت نگاری سے اُن کا انکشاف بھی کرسکتی ہیں۔ مرد محقق، خاتون سوانح نگار، خودنوشت لکھنے والی سے فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ عورت اور مرد، سوانح نگار، دونوں؛ خودنوشت لکھنے والی سے مختلف مرد اور عورت ہوتے ہیں۔ اُن کی تحقیق و تحریر مختلف دلچسپی، اصول و اقدار پر مبنی ہوتی ہے۔ جبکہ خودنوشت سوانح نگار اپنی ذات کا ابلاغ کررہی ہوتی ہے۔ لازم نہیں کہ وہ جو کچھ اپنے متعلق بیان کریں وہ سب کچھ درست ہی ہو۔ اِس میں حقائق کی کمی بیشی کا اہتمام بھی کرسکتی ہے۔ کسی دوسرے کے خلاف اپنے ذاتی خیالات کا اظہار بھی ہوسکتا ہے۔ زندگی میں کسی سے اختلافی تعلق کی وجہ سے ناپسندیدگی کا بیان ہوسکتا ہے۔ تاہم سوانح ادب میں اس طرح کی کمزوریاں مطالعہ کاروں کے لئے دلچسپی کا باعث ہی ہوتی ہیں۔ اُنہیں مختلف، متنازعہ اور متنوع موضوعات میسر آجاتے ہیں۔ یہ عوامل سوانحی ادب کی تردید کی بجائے اظہاری توسیع کا باعث ہوتے ہیں۔ اپنے حجابات، ابہام، ایہام، خطاء اور کمزوری کو بیان تو کیا ہی جاسکتا ہے؛ اُنہیں چھپانے یا اخفاء میں رکھنے کا کامیاب اہتمام بھی کیا جاسکتا ہے۔

تحقیق و تحریر کے حوالہ سے خواتین کی سوانح عمریوں کی درجہ بندی کسی سخت گیر نظم و اصول کا نتیجہ نہیں ہے۔ سوانحی

ادب میں سچائیوں اور حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ سوانحی جادوگری، ابہام، ایہام، بے جا اختلاف یا پسندیدگی جیسے کمزور عوامل سوانحی ادب کو نئے نئے رنگ اور دلچسپی کے موضوعات فراہم کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔

مادرسری عورت کی حیاتیاتی، ازدواجی اور سماجی مناصب Positions

خواتین کی ارتقائی تاریخ جس قدر طویل ہے اُس سے زیادہ دلچسپ بھی۔ تاریخ کے ''عہدِ وحشت'' میں عورت مادرسری معاشرہ کی سربراہ تھی۔ اُس کے مقام اور منصب کو مرد کے طاقت ور جسم، بڑی ہڈیوں، افزودہ پٹھوں اور زبردست اعصابی نظام سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مرد کی ایسی صلاحیتوں کو کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی بلکہ عورت کی خانگی پیداواری اور افزائش کی صلاحیت سماج کی بالاترین قدر سمجھی جاتی تھی۔ مادرسری قدیم عورت کے متعلق یووال نوح ہراری اپنی بہت ہی معنی خیز تحقیق ''بندہ بشر، Sapiens'' میں رقم طراز ہے:۔

> ''سیدھا کھڑے ہونے کے لیے پتلے کولہے درکار تھے، جس سے زچگی کا دَرّہ تنگ ہو گیا۔ یہ ایک ایسے وقت کہ جب نوازئدہ بڑے سے بڑے ہو رہے تھے۔ انسانی عورتوں کے لیے دوران زچگی موت ایک بڑا خطرہ بن گئی۔ وہ عورتیں جن کے ہاں بچے قبل از وقت پیدا ہو گئے، جب کہ بچے کا دماغ ابھی نسبتاً چھوٹا اور نرم تھا، وہ بہتر رہیں، زندہ بچ کر انہوں نے مزید بچوں کو جنم دیا۔ فطری چناؤ نے بچوں کے جلدی پیدا ہونے کو ترجیح دی۔ یوں یقیناً دوسرے جانوروں کے مقابلے میں انسان جلدی اور قبل از وقت پیدا ہو جاتے ہیں جب کہ ان کے اہم جسمانی نظام ابھی نامکمل ہی ہوتے ہیں۔ گھوڑے کا بچہ پیدا ہونے کے تھوڑی دیر بعد بھاگ سکتا ہے۔ بلی کا بچہ محض چند ہفتوں میں ہی اپنی ماں سے علیحدہ ہو کر اپنی خوراک تلاش کرتا ہے۔ لیکن انسانی بچے بے بس ہوتے ہیں۔ وہ کئی سالوں تک اپنی غذا، تحفظ اور تربیت کے لیے اپنے بزرگوں پر انحصار کرتے ہیں۔
>
> اس حقیقت نے نسل انسانی کی غیر معمولی سماجی اہلیت، اور اس کے منفرد سماجی مسائل کو جنم دیا۔ اکیلی مائیں بمشکل اتنی غذا اکٹھی کر پاتیں جو خود ان کے اور ان کی اولاد کے لیے کافی ہو، جب کہ طلب گار بچے تعاقب میں ہوں۔ بچوں کی نش و نما کے لیے خاندان کے دوسرے افراد یا پڑوسیوں کی مستقل مدد درکار رہوتی۔ ایک انسان کی پرورش کے لیے

ایک قبیلہ درکار تھا۔ ارتقا نے ان کی طرف داری کی جو مضبوط سماجی رشتے
استوار کرنے کے قابل تھے۔ مزید یہ کہ کیوں کہ انسانی بچہ تیار پیدا نہیں
ہوتا ہے، تو اسے دوسرے جانوروں کے مقابلے میں زیادہ تعلیم اور سماجی
شعور درکار رہوتا ہے۔ زیادہ تر پیتانیے رحم سے ایسے برآمد ہوتے ہیں جیسے
بھٹی سے نکلے مٹی کے برتن۔ انہیں دوبارہ شکل دینے کی کوشش سے وہ
تڑخ سکتے ہیں یا ٹوٹ سکتے ہیں''۔2

عورت کی ارتقائی تاریخ سے متعلق یووال ہراری کا مختصر متن بہت ہی جامع تعبیر وتشریح کا حامل ہے۔ ''عہدِ وحشت savagery'' میں عورت کا مقام، منصب اور کردار ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہ سکتا تھا۔ ارتقائی دھچکے schocks کا تقاضا تو یہی ہوتا ہے کہ اچھا یا بُرا، ماضی میں جو کچھ بھی تھا وہی حقیقت اور اپنے عہد کا قبول کردہ رویہ اور عمل تھا۔ ہاں البتہ عہدِ جدید کی فکری آگاہی کی روشنی میں جدید تنقید اور تجزیہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اخلاقیاتی مشاہدہ اور قدغن، تحدید وتحریف بے معنی ہو جاتی ہے۔ ارتقائی تاریخ کا عمل آگے بڑھتا ہے جس کی وجہ سے ماضی کی آسانی اور اُداسی کے ساتھ ساتھ نئے پن کا اجنبی پن اور اندیشے، وسوسے بھی موجود رہتے ہیں۔ وسوسوں کا یہ زمانہ پھر ماضی ہو جاتا ہے اور کسی نئی جدید زندگی کی بشارت دیتا ہے۔ اِس عمل کی تردید و تائید کی بجائے فہم وادراک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عورت کی پوزیشن کے تعین میں جن ارتقائی مراحل اور متغیرات نے بنیادی کردار ادا کیا اُن میں اہم ترین عوامل کی مختصر فہرست حسبِ ذیل ہے۔

دانہءِ گندم

گندم، مکئی، جَو، گوشت، مچھلی، کھجور اور دیگر بہت سی غذائی اشیاء کو ''دانہءِ گندم'' کی علامتی اصطلاح میں پیش کیا جاتا ہے۔ جانداروں کو اپنی بقاء کے لئے کچھ نہ کچھ غذائی تقاضوں کی تسکین کرنا ہوتی ہے۔ ''دانہءِ گندم'' کی علامت شروعات سے ارتقائی عمل کے سفر کے آغاز کا اشارہ کرتی ہے۔ گندم کا ایک دانہ زمین میں بو دیا جاتا ہے جس پر درجنوں ڈالیاں straw جنم لیتی ہیں۔ ہر ڈالی پر بالیاں یا خوشے لگتے ہیں۔ ہر خوشے میں گندم کے درجنوں دانے ہوتے ہیں۔ گویا بیج کے ایک دانہءِ گندم سے انسان نے سینکڑوں دانے حاصل کر لیے۔ اجناس کی فطری افراط کا باعث ایسے ہی عوامل ہیں۔ ایک ہی وقت میں اتنے سارے دانے اکٹھے میسر ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ غذائی حصول کی بے چینی سے نجات حاصل کر گیا۔ اِس مثبت نتیجہ کا منفی نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زیادہ غذائی اجناس حاصل کرنے سے اُس کے حصول کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔ جتنی تیزی سے غذائی اجناس دستیاب ہوتی ہیں زندگی میں اتنا ہی سکون یا منفی لُغت میں جمود طاری ہوتا ہے۔ اِس جمود کی قیمت انسانوں کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ خاص طور سے خواتین اپنے دماغ، ذہنی وجودی، حیاتیاتی خصائص

اور وظائف کی وجہ سے غذائی اجناس کی کثرت کے منفی اثرات سے متاثر ہوئیں۔ ''دانہ ءِ گندم'' غذائی اجناس کی مجموعی علامت ہے۔ ''دانہ ءِ گندم'' کی کاشت دیگر غذائی اجناس کی پیدا کاری کی علامت ہے۔ نعمتوں کی ضروریات سے زیادہ تکثیر انسانی عمل وارتقاء کی تقلیل کر دیتی ہے۔ اس سے خاص جمود، سست روی dormancy پیدا ہوتی ہے۔ اِس عمل کو زراعت agriculture کہا جاتا ہے۔ زرعی عہد کے بعد صنعتی industrial اور تجارتی ،کاروباری commercial زمانوں کا آغاز ہوتا ہے۔

''عرش سے فرش پر''

دنیا بھر کے بہت سے مذاہب میں ''دانہ ءِ گندم'' کو بنیادی مذہبی اعتقاد کی اہمیت حاصل ہے۔ مذاہب کے پیرو کاروں کا ایمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دانہ ءِ گندم کھایا تو اُس کی سزا میں عرش سے فرش پر اُتار دیئے گئے۔ گویا انسانیت کے مستقبل کا تعین دانہ ءِ گندم سے ہوا۔ عرش پر آدم کی حیات کتنی آسان یا خوشگوار تھی ، قطع نظر اس سے زمین کی زندگی نے اُسے جیون کے مسائل سے دو چار کیا۔ آدم علیہ السلام کو دانہ ءِ گندم ، اُس کی ساتھی'' حوّا '' کے ذریعہ کھلایا گیا۔ بہت سے مذاہب اور معاشروں میں اُن کو ''اماں حوّا'' کہا جاتا ہے۔ حیات کی اِس مذہبی تشریح میں آدم کے ساتھ تو جو ہوا سو ہوا، '' حوّا '' کو بھی اُس کے نتائج بھگتنا پڑے۔ ایسی تشریحی بنیادوں پر علمی اور فکری تجسس کی بنیاد اُٹھائی جاتی ہے۔ گویا غذائی اجناس کا حصول ابتدائے آفرینش کی ابتدائی زندگی میں بہت بڑی انقلابی تبدیلی کا باعث بن گیا۔ انسان غذائی تسکین کے لئے عرش سے فرش پر اُتر آیا۔ اِس سے انسانوں کے انحصاری رشتوں میں اضافہ اور تناؤ کا آغاز ہوا۔ اس طرح کے بیان کردہ واقعات بہت معنی خیز ہوتے ہیں ۔ عرش سے فرش کی ہجرت عرش کی نعمتوں سے محرومی ہے۔ اسی ہجرت کی حرکت میں برکت ہے۔ اس سے زمینوں پر انسانوں کا زبردست سماجی ، ارتقائی عمل ہوتا ہے۔ داستانِ حیات کی تشریحات اسی انداز میں کی جاسکتی ہیں۔

''غذائی اجناس کا گودام''

یووال ہراری کی مادرسری عورت کی پوزیشنز غذائی اجناس کے گودام کی وجہ سے یکسر تبدیل ہوکر رہ گئیں۔ ہر روز کا شکار اور اُس میں مصروفیت کی بجائے طویل عرصہ کے لئے غذائی اجناس کثیر مقدار میں گودام میں ذخیرہ کئے جانے لگے۔ مادری سری عورت کی حرکیات dynamics پر گودام میں ذخیرشدہ اجناس کی موجودگی اثر انداز ہوئی۔ عورت کا انحصار مرد کی غذائی اجناس اکٹھا اور ذخیرہ کرنے پر رہ گیا اور پھر عورت نے اُس کی بھاری قیمت چکائی۔ انحصار dependence میں جو کچھ ملا اُس سے زیادہ کچھ قربان بھی کرنا پڑا۔

''باورچی خانہ''

غذائی اجناس اپنی خام حالت میں کھائی جاتی تھیں۔ بعد ازاں شکار کو کسی ایک مقام پر اکٹھا کر کے شکار کرنے

کے لئے جنگلوں میں آگ لگائی جاتی تھی۔ جانور اِس آگ میں جل بُھن جاتے تھے۔ شکاری اُن کو زیادہ لُطف، حظ اور آسانی سے نوش جاں فرماتے اور خوش ہوتے۔ شکار کے اِس طریقہءِ کار کے ذریعہ انسان نے کھانے پکانے کا فن سیکھا۔ یہ عمل باورچی خانہ، رسوئی یا کچن kitchen کی ارتقائی بنیاد ثابت ہوا۔ ارتقائی عمل میں یہ تبدیلی تو ہونا ہی تھی اور ہو کر رہی مگر عورت اپنی شکارگاہ، جنگل، سبزیوں اور پھلوں کی وادیوں سے وطن بدر ہوگئی۔ باورچی خانہ کی آسائش، پکے ہوئے طعام کی کھانے میں آسانی، ذائقہ اور لطف باورچی خانہ کے اعلیٰ ترین ماحصل تھا۔ باورچی خانہ میں عورت کی آزادی تیار شدہ ''طعام'' کی نذر ہوگئی۔ یہ تبدیلیاں تو ناگزیر تھیں۔ مگر پہلے زمانوں کی آسانیاں آئندہ زمانوں کے لئے اثر انگیز نہ رہ سکتی تھیں۔ اُس عہد یا عہدِ جدید میں خواتین کچن سے کیا کچھ حاصل کرتی ہیں اُس کی فہرست بہت طویل ہے۔ اُس کے نتیجہ میں جو قربانی پیش کرتی ہیں وہ بھی بے مثال اور انمول ہے۔ زندگی کا یہ تضاد زندگی ہی کو توازن بھی عطا کرتا ہے۔ مگر ''باورچی خانہ'' کی سہولتوں، تحفظ اور وقار کی وجہ سے عورت کا انحصار اپنے کمانے والے مرد پر بڑھتا گیا۔ یہ انحصار نئی سماجی ساختوں کی تعمیر کا خام مواد ثابت ہوا اور مرد کو اپنی ایسی کامیابیوں کی وجہ سے سماجی برتری نصیب ہوئی۔ مرد کی سماجی برتری عورت کی سماجی کمتری ثابت ہوئی اور اِس کی بنیاد باروچی خانہ میں مرد پر انحصار کے سبب ہوئی۔

''خویش قبیلہ''

قبیلہ اور قبائلیت tribe and tribalism، عہدِ جدید میں بھی دنیا بھر کے معاشروں میں مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔ انسانی گروہوں groups میں سے قبیلہ سب سے زیادہ قدیم مضبوط اور عہدِ جدید میں بھی رائج نظام ہے۔ اگرچہ خانگی familial اقدار اور نظام تیزی سے بدل رہے ہیں اِس کے باوجود قبائلیت کی اہمیت کا دنیا بھر میں اب بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ قبیلہ کی بنیاد باہمی تعلق ''ہم'' کے جذبہ ''we feelings'' پر ہوتی ہے۔ قبیلے سے باہر کے لوگوں اور گروہوں کو ''غیر others'' یا ''اور'' سمجھا جاتا ہے۔ قبیلہ کی اندرونی اپنائیت اور بیرونی غیریّت قبیلہ کی ساخت کی تشریح کرتی ہے۔ کسی نسل یا باہمی خون سے جنم لینے والے گروہ اپنی حفاظت کے لئے اور دوسروں کو غیر محفوظ کرنے کے لئے اپنے اِرگرد اپنائیت کے قلعے تعمیر کرلیتے ہیں۔ ایک قبیلہ کسی دوسرے سے اچھے تعلقات بھی رکھ سکتا ہے مگر زیادہ تر عنادانہ enemic ہوتے ہیں۔ افراد کی اہمیت قبیلہ کی وجہ سے ہوتی اور اِس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ اقدار کا مرکز قبیلہ کا تقدس ہوتا ہے فرد کی انفرادیت نہیں۔ اِس نظام میں عورت بھی اپنا قبائلی کردار زبردست طریقے سے ادا کرتی ہے جو کہ اُس کے اپنے نسائی feministic حقوق کے خلاف ہوتا ہے۔ مگر سماجی تحفظات اور عدمِ تحفظ کے جھمیلے میں قبیلہ کا میلہ ہی کام آتا ہے۔ عہدِ جدید میں قبائلیت کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہے اور قبائلیت اپنی حفاظت اور بقاء و دفاع کے لئے اپنی جہت کرتی رہتی ہے۔ قبیلہ میں افراد کا تعلق حیاء، لحاظ، اصول پرستی، تعاون، وضع داری اور رواداری کا ہوتا ہے۔ یہ عوامل افراد پر لازم obligatory ہوتے ہیں ورنہ قبیلہ اپنی سلامتی قائم نہیں رکھ سکتا۔ عورتوں کے حوالہ سے قبائلیت کسی قسم کی روشن خیالی

،عورتوں کے لئے نرمی کا رویہ یا اُن کے حقوق کی جدید تشریح تو کیا تعارف بھی کرانا بھی اپنی سلامیت کے خلاف سمجھتی ہے۔ فرد قبیلہ کا احسان مند obliged ہوتا ہے اور وہ عمر بھر اسی احسان obligation کی اچھائیوں اور پابندیوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ انسانی عمرانی گروہوں میں سب سے زیادہ مضبوط گروہ ہی ادارہ قبیلہ ہی ہے۔ قبیلہ کے تصور کی اہمیت اور عمل کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ کلام پاک میں قبائل کے تصور کو ''قَبـــائِـل'' کی لغت میں پیش کیا گیا ہے۔ قبیلوں میں اُفقی تبدیلیاں horizantal بہت کم ہوتی ہیں اور ارتقاعی ارتقاء vertical evolution بھی برائے نام ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں دنیا بھر کے انسانوں کو ''قبائلیت'' کے متعلق بہت ہی اہم پیغام دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے:۔

''یَـــاَیُّهـــاالـنّـــاسُ اِنّـــاخَـلَـقْـنٰـکـم مّـنْ ذَکَرٍ وّاُنْثٰی وَجَعلْنٰکُمْ
شُـعُـوْبـاَوّقَبـآئِـلَ لِتَـعَارَفُوْ. اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰ کُم. اِنَّ الله
عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ 3 سورت الحجرات، آیت نمبر 13
اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں
قومیں اور قبیلے بنایا تا کہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم
میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ
جاننے والا خبردار ہے۔

کلام پاک میں قبیلہ، قبائل اور قبائلیت کو پہچان کی حد تک محدود کر دیا گیا ہے۔ قبیلہ فرد کو اجتماعی تحفظ تو پہنچاتا ہے مگر انسانوں کے مکمل حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ عمرانیاتی مطالعات میں قبیلہ کی اہمیت بنیادی گروہ کی ہے۔ قبیلہ کی پہچان کسی تکبر کی بنیاد نہیں ہونی چاہیے۔ قبیلہ کے تکبر کی بجائے انسانوں کا اچھا کردار اور سیرت قابلِ جزا ہیں۔ انسانوں کے اچھے سلوک، رویہ اور عمل کو قبائلیت پر اقداری، عمرانیاتی اور اخلاقیاتی برتری حاصل ہے۔

''زندگی کے راستے''

انسان کو کائنات میں حرکت کی ضرورت تھی۔ وہ ساکن نہ رہ سکتا تھا اور نہ رہ سکتا ہے۔ حرکت کے لئے اُسے اپنی منزل کی طرف جاتے راستوں کی ضرورت تھی۔ راستوں پر حرکت سے لمحہ بہ لمحہ زندگی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ عہد جدید میں ذرائع آمد و رفت اور سڑکوں، ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں کی تعمیر نے زندگی کو مسلسل انقلاب کی کیفیت میں رکھا ہوا ہے۔ انسانی آبادیاں اپنی حالت میں زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتی اور اُنہیں تبدیلی کے عمل میں داخل ہونا ہوتا ہے۔ اِس سے عورتوں اور مردوں کے خانگی تعلقات میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ انسان نہ تو جانوروں کے animal level اور نہ ہی درختوں سبزیوں کے vegetible level پر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ یہ ہمہ وقت تبدیلی عورتوں اور مردوں کے

تعلقات اورحقوق وفرائض کے تعین پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئی۔گویا سڑک پر جاری حرکت انسانی رشتوں میں سرائیت کرگئی اورانسانی رشتے سڑک کی رفتار کی مناسبت سے بدلنے لگے۔ بدلاؤ کے عمل میں توازن کا وزن مرد کے حق میں بڑھتا گیا اورعورت جادہءِ حیات پر کہیں بہت پیچھے رہ گئی۔ بدلاؤ کا نہ تو عقلی تجزیہ مناسب سمجھا گیا اور نہ تبدیلیوں کے اثرات پر نظرثانی کی فیاضی کی گئی۔

''صنعتی انقلاب''

صنعتی انقلاب بہت بڑا معاشی، سیاسی اور سماجی موضوع ہے۔زیر بحث موضوع سے متعلق نمایاں ترین عوامل صنعتی پیداوار میں مشینوں اور اوزاروں کا استعمال ہے۔انسانی رشتوں میں بھی تبدیلیاں درآئیں۔ ذرائع پیداواراور پیداوار میں تبدیلیوں سے صنعتی رشتے خانگی اور رشتوں پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں۔اس کی آسان ترین مثالیں ریڈیو، ٹیلی ویژن، فون، موبائل فون، انٹرنیٹ اور دیگر ابلاغی ذرائع کی وجہ سے انسانوں کا آپس میں ذاتی ابلاغ اور تفاعل بہت ہی منطق انداز میں متاثر ہوا ہے۔مشینوں اوراوزاروں کے ذریعہ انسانوں کی پیداواری توانائی سے لاکھوں گُنا زیادہ اشیاء پیدا کی جاتی ہیں۔مزدور کی استطاعت سے زیادہ پیداواری عمل زرعی نظام سے یکسر مختلف نظام کی بنیاد کا باعث بن جاتا ہے۔ مالی حرکیات financial dynamics زندگی کے تانا وبانا کو اوپر تلے تلپٹ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہ تبدیلی بھی ناگزیر ہے مگر اِس کی قیمت عورتوں کو خاص طور پر چکانا پڑتی ہے۔انسانی، خاص طور سے انسانی رشتوں کو نسوانی سیاق میں رکھ تعقلی تجزیہ کی بنیاد نہیں بنایا گیا۔ پرانے سماجی تعلق اور برتاؤ کے نمونوں پر نظرثانی کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی۔حالانکہ زندگی کا ہر نیا لمحہ مسائل کے نئے حل کا تقاضا کار ہوتا ہے۔

''تجارت، کاروبار، روزگار''

عہدِ جدید تجارت، کاروبار اور روزگار کی مسلسل تبدیلیوں سے فیض یاب ہوتا ہے۔تجارتی نظام بنا کر اُن پر عمل کیا جاتا ہے۔اِس سے جدید مالی نظام banking system , کو بنیاد میسر آتی ہے۔بینکوں کے علاوہ بے شمار تجارتی اور مالیاتی ادارے اشیاء اور خدمات کی خرید وفروخت میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ اس عمل میں مردوں کو عورتوں کی نسبت زیادہ مواقع میسر آتے ہیں جس کے نتیجے میں عورت کا مرد پر خانگی اور معاشی انحصار بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اِس انحصار میں عورت کی تجارت، مالیات، درآمدات وبرآمدات میں حصہ داری مرد کی نسبت بہت کم رہ جاتی ہے۔ اِس سے عورت اور مرد کی معاشی اور سماجی شراکت داری کا توازن کبھی قائم نہیں ہوسکا۔ ہاں البتہ زمانہ مستقبل سے متعلق ایسی توقعات کی جاسکتی ہیں کہ اشیاء کی پیداکاری، تجارت، مالیات، اور خدمات میں عورتوں کی شراکت داری مردوں سے متوازن ہوسکے۔ یہ بہت بڑا انسانی آدرش ہے۔

''سیاسی اقتدار و اختیار''

عہد جدید میں امریکہ کی تہذیب و ثقافت کو دنیا کی ترقی یافتہ ترین تہذیب تصور کیا جاتا ہے۔ مگر اُن کی مکمل تاریخ میں آج تک کوئی عورت سربراہِ مملکت نہیں بن سکی۔ عورتوں کی آزادی کے علم بردار امریکہ میں عورت کے حق میں بہت کچھ بیان بازی اور عملی اقدامات تو کئے جاتے ہیں مگر سیاست کے سنگھاسن پر آج تک اُن کی عورت نہیں براج سکی۔ یہ مثال اِس بات کی تشریح کرتی ہے کہ سیاسی عمل اقتدار و اختیار، آئین و قانون سازی اور آئین و قانون کے نفاذ اور عمل داری میں مردوں کی اجارہ داری اب بھی موجود ہے۔ یہ مثال آفاقی سطح پر عورتوں کی بے اختیاری کے تجزیہ کے لئے بہت ہی معنی خیز مواد فراہم کرتی ہے اور مباحث کو دعوت دیتی ہے۔ آئین و قانون بنانے کے عمل سے باہر رہتے ہوئے عورت صاحب اختیار نہیں ہوسکتی۔ نسائیت feminisim کے پرچارک عورتوں کے مردوں کے حقوق کی برابری کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ مناسب، جائز اور قابلِ جواز قدر نہیں ہے۔ عورت کی ازدواجی، خانگی اور سماجی پوزیشنز مردوں سے مختلف اور زیادہ حقوق کی تقاضا کار ہے۔ مرد اپنے ہاتھوں میں سیاسی اختیار سے عورت کے حق میں کیوں دست بردار ہوں گے۔ ایسے میں عورت ہی کے سیاسی عمل کو معاشرہ میں حقیقی اہمیت حاصل ہوجاتی ہے۔ سیاست کا راستہ بے شک بہت ہی کٹھن ہے مگر کوئی منزل دشواریوں سے گزرے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ معاشرہ، ریاست، آئین ساز اداروں، مردوں اور عورتوں کو مل کر عورتوں کی سیاسی اختیار داری کے لئے بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اِس کے نتیجہ میں انسانی احتیاجات کی تسکین بہت بڑے پیمانے کی جاسکتی ہے۔ دنیا بھر کی آبادی میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ اُن میں سے بہت بڑی نسائی آبادی جب کاروبار و روزگار اور سیاسی اقتدار و اختیار کے حصول کے لئے برسرِ عمل ہوجائے گی تو خاندانوں، معاشروں میں ترقی کا معیار بہت بدل جائے گا۔ سب سے اہم بات یہ کہ عورتیں؛ دنیا کی اکثریتی آبادی اپنے اطمینان سے اپنے خاندانوں ،ثقافت اور معاشرہ کی طرف بڑھے گی۔ زندگی کے مذکورہ حالات و واقعات تو ناگزیر تھے۔ ان کی اپنی برکتیں تھیں مگر ہر اچھائی ہمیشہ کی اچھائی ثابت نہیں ہوسکتی۔ فرد اور سماج کے ''دَرُون'' میں بدلاؤ ارتقائی تقاضے پیدا کرتے ہیں۔ بدلتی حیات کو بعض تشریح، تعقلیت، عقلی تجزیہ، نظرِ ثانی، ترمیم اور نئی ترکیب و ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ معاشرے ایسے ہی تصورات و اعمال کی وجہ سے ترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔

نسائی تاریخ، تحریک اور نتائج کے متعلق برطانیہ اور فرانس میں بہت کچھ تحریر کیا گیا۔ فرانسیسی نسائی فلسفی سِمون ڈی ماوے Simone De Beauvoir نے ''صنفِ ثانی Second Sex'' کے عنوان سے نسائی تجزیہ اور نتائج پیش کئے ہیں۔ میری والسٹون کرافٹ Mary Wollstone Craft نے اپنی تحقیق ''عورتوں کے حقوق کا اثبات و جواز Vindication of the Rights of Woman'' کے عنوان سے تحقیق و تجزیہ پیش کیا ہے۔ ایریان چرنوک Arianne Chernock نے ''جدید برطانوی نسائیت کی ساخت Making of Modern

British Feminism''اور جان سٹیوارٹ ملJhon Stuart Millنے عورتوں کے حق میں صدائے حق بلند کی۔وہ برطانیہ کی پارلیمان کا رُکن تھا اور خواتین کے مسائل اور اُن کے حل کو قانون سازی میں شامل کرنے کی جدوجہد کرتا رہتا تھا۔انیسویں صدی کی عظیم نسائی تحریک وعمل کار فلورنس نائٹ انگیل Florence Nightingaleنے اپنی تحریر''خاندان کی زندگی سے متعلق،On Family Life''نے نسائی فلسفہ،عمل،تحریک کے لئے تجزیہ وتجاویز پیش کیں۔فلورنس نے ہی عورتوں کے متعلق ہمیشہ کی سچائی کا جملہ تحریر کیا،''خواتین مردوں کی طرح کی تمام صلاحیتوں سے مالا مال ہیں مگر اُن کے لئے مواقع..... کوئی نہیں Women had, all potential of men but none of the opportunities''۔مارگریٹ واٹرزMargaret Watersنے اپنی تصنیف''نسائیت:مختصر تعارف Feminism: A Very Short Introduction''میں عورتوں کے حقوق،مسائل اور درکار وسائل پہ بہت ہی عقلی اور معنی خیز تشریح وتجزیہ پیش کیا۔یہ اُسی مصنفہ کا اعزاز ہے جس نے تحریر کیا:۔

> ''شادی شدہ عورت کے لئے اُس کا گھر، ہر چیز شوہر کی ملکیت ہوتی ہے۔مرد کی تمام چیزوں میں بیوی بچے پیدا کرنے کی مشین ہوتی ہے۔دراصل شادی شدہ خواتین غلام ہوتی ہیں۔اُن کی حیثیت ویسٹ اینڈیز کی غلام عورتوں کی طرح ہوتی ہے۔
>
> for a married women, her home becomes a prison-house. The house itself, as well as everything in it, belongs to the husband, and of all fixtures the most abject is his breeding machine, the wife.Married women are in fact slaves, their situation no better than that of Negroes in the West Indies۔

میریَن ریڈMarion Reidنے اپنی تصنیف''عورتوں کے لئے ایک دلیل A Plea for Women''کے عنوان سے پیش کی۔

برطانیہ کی نسائی عمل کاروں activistsنے ایملی ڈیویسز کی قیادت میں تحریک چلائی اور Queen's and Bedford Collegesمیں عورتوں کی تعلیم اور اسنادCertificatesکے اجراء کا اہتمام کیا۔آکسفورڈ

یونیورسٹی میں خواتین کے لئے مستقل ارکان کی نشستیں مخصوص کی گئیں۔ پنکر ہرسٹ خاندان کی کوششوں سے ''Women Social and Political Union'' جیسا ادارہ قائم ہوا۔ پنکرسٹ خاندان کی سربراہ عمل کار کریسٹ ایبل Christ Abel تھی۔ کریسٹ ایبل اور اُس کے خاندان کی جدوجہد سے 1918ء میں ''Representation of the People Act'' کی قانون سازی اور اجراء ہوا۔ اِس قانون کے مطابق تیس سال تک کی عمر خواتین کو رائے دہی Vote کا حق حاصل ہوا۔ 1928ء میں خواتین کی رائے دہی کی عمر کا تعین اکیس برس 21 کے طور پر کیا گیا۔ ستمبر 2014ء میں اقوام متحدہ نے برطانوی اداکارہ ایما واٹسن Emma Watson کو نسائی حقوق کے لئے اپنی اعزازی، ترجمان سفیر کے طور پر مقرر کیا۔ ایما نے نسائی تحریک کا آغاز ''HeForShe'' کے نام سے کیا۔ عورتوں کی آواز اقوام متحدہ تک تو پہنچ ہی گئی مگر اِس ادارہ نے عالمی سطح پر خواتین کے حقوق کے متعلق آغازِ عمل کیا۔ نسائی حقوق کی سب سے زیادہ طاقت ور تحاریک نے امریکہ میں سر اُٹھایا۔ امریکی سرزمین نئے رویّوں اور اعمال کی آزادی کے لئے مناسب ترین اور سازگار تھی۔ خواتین نسائی فلسفہ کی روشنی میں خواتین کے حقوق کو قانون ساز اداروں تک لے گئیں۔ نہ صرف قانون سازی نے عورتوں کو زیادہ سے زیادہ اہمیت ملی بلکہ اُن کی عمل کار خواتین قانون سازی کے عمل کا متحرک حصہ تھیں۔ ڈونلڈ جی میتھوز Donald G. Mathews اور جین شیرون ڈی ہارٹ Jane Sherron De Hart نے Sex Gender, And The Politics of Era کو امریکہ میں عورتوں کے حقوق کی قانون سازی کے لئے تحقیق کیا۔ قانون سازی کا آغاز نسائی حقوق کے تحریک کاروں کا بیسویں صدی کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ نسائی فلسفہ، تاریخ اور عمل سے متعلق یہ تحقیق مستند دستاویز ہے۔ اِس موضوع میں مرد اور عورت، دونوں اصناف کی باہمی سیاست کی تشریح و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

معاشرہ میں خاندان کا ادارہ مسلسل تغیر پذیر ہوتا رہتا ہے۔ یہ تبدیلی خاندانی گروہ کی اپنی معاشری تقاضا ہوتی ہے۔ خاندان سے متعلق تبدیلیوں کے تصورات اعمال میں ڈھل جاتے ہیں اور خانگی ادارہ کو جنم دیتے ہیں۔ ہونے والی تبدیلیاں خاندان کے حق میں تو کی ہی جاتی ہیں مگر بعض تبدیلیاں خاندان کی افلاح، آسانی اور خوشی سے متصادم بھی ہو سکتی ہیں۔ خاندان کے اِسی اندرونی تصادم کے دباؤ کے نتیجہ میں ردِ عمل کا فلسفہ جنم لیتا ہے۔ یہ فلسفہ مسائل کی تشریح و تجزیہ کرتے ہوئے فلاحی تجاویز بھی پیش کرتا ہے۔ نسائی feminist فلسفہ کا آسان ترین تصور تو یہی ہے۔ ہاں البتہ قانونی اور تکنیکی پہلو کسی حد تک دشواری کا باعث بھی ہو سکتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے ماحول، معاشرہ میں خانگی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ زندگی کے تنازعات بھی جنم لیتے رہتے ہیں۔ اُن تضادات کو سمجھنا اور اُنکی قابلِ حل تجاویز پیش کرنا ہمیشہ سے اور ہر جگہ انسانی زندگی کا تقاضا رہا ہے۔ گویا نسائی فلسفہ ہر اُس جگہ پر موجود ہے جہاں عورتیں بچے اور مرد زندگی کرتے ہیں۔ مگر یہ سارا عمل فطری یا غیر رسمی ہوتا ہے۔ نسائیت کی رسمی تشکیل مغرب؛ یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، روس، جدید جاپان اور چین

میں نمایاں ترین نظر آتی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں سترھویں صدی سے نسائیت کی رسمی تحریکیں مشاہدہ میں آتی ہیں۔ مگر یہ سارا عمل چونکہ شعوری ،ارتقائی ہوتا ہے اِس لیے مسلسل تبدیلی پذیر ہو کر آگے بڑھتا رہتا ہے۔ برطانیہ میں وکٹوریائی اور ایڈوارڈی عہد میں نسائی ادب و فلسفہ اور سوانحی ادب کو بہت زیادہ ترویج ملی۔ وکٹوریائی عہد ملکہ وکٹوریا، برطانیہ 1837 سے 1901 تک شمار کیا جاتا ہے۔ یہ زمانہ ماہ سال کی سخت گیرانہ تقسیم میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے سے پہلے اور اُس کے بعد تک کے زمانوں پر تحریکی اثرات مرتب نظر آتے ہیں۔ اُس عہد کی معاشری اقدار، خواتین کا منصب ادب و فلسفہ کی تحقیق وتصنیف کو وکٹوریائی عہد کے کارناموں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بادشاہ ایڈورڈ برطانیہ کا عہد 1901ء سے 1910ء تک دستاویز کیا جاتا ہے۔ وکٹوریائی اور ایڈوارڈی عہد عورتوں سے متعلق مطالعات کی بہت جدید تحقیق، تجزیہ اور تجاویز پیش کرتے ہیں۔ گویا صدیوں پرانے مسائل کو علمی انداز میں تجزیہ اور شرح کرنے کا عمل وکٹوریائی اور ایڈوارڈی عہد سے آغاز ہوا۔ وکٹوریائی اور ایڈوارڈی عہد میں شیرف Shirreff (خواہران)، شارلٹ ڈیسپارڈ Charlotte Despard، ماڈ رویئڈن Maude Royden، آلیور شیری نر Olive Schreiner، ایوا گور بُوتھ Eva Gore Booth، ایستھر روپر Esther Roper، سیسلی ہیملٹن Cecily Hamilton، ایملی وِلڈنگ ڈیوی سن Emily Wilding Davison، باربرا لے سمتھ بوڈی چن Barbara Leigh Smith Bodichon، جوزفین بٹلر Josephine Butler، ایملی ڈیویز Emily Davies، ملی سنٹ گیرٹ فوسٹ Millicent Garrett Facett اور پان خرسٹس Pankhursts جیسی اہم خواتین کی سوانح عمریاں تحریر کی گئیں۔ اِس زمانہ کی تحریروں نے تاریخ کے ملبہ کے نیچے سے عورتوں کی حیات کو آزاد کرایا اور لکھے لفظوں میں پیش کیا۔ نہ صرف یہ چند ایک سوانح عمریاں ثابت ہوئیں بلکہ ایک بڑی متحرک تحریک کا باعث بھی بن گئیں۔ کیتھرین کِش سکلار Kathryn Kish Sklar نے ''بیچر بہنوں'' کی زندگی کو دستاویز کیا۔ اُنہی خواہران کی حیات کے مطالعہ کو نئے نئے زاویوں سے جین بوئیڈسٹن Jeanne Boydston، میری کیلے Mary Kelley اور این مارگولائیز Anne Margolise نے اپنے اپنے انداز میں پیش کیا۔ گویا یہ مطالعات امریکہ میں انیسویں صدی کی عورت کے متعلق تھے۔ بہت سے نتائج میں سے ایک تجزیہ کا نتیجہ یہ بھی اخذ کیا گیا کہ عورت کو بنی بنائی سماجی ساختوں کے مطابق ''بنایا make'' کیا جاتا ہے۔ جب کہ اُس کو اُس انداز میں پیش نہیں کیا جاتا، عورت جس طرح کی ہوتی ہے۔ مارتھا ویچی نس Martha Vicinus نے ''Independent Women'' کے عنوان سے قابلِ قدر تحقیق و تجزیہ پیش کئے۔ کیلی اسرائیل Kali Israel نے لیڈی ڈِلکے Lady Dilke کی نسائی خدمات پر سیر حاصل مطالعہ پیش کیا۔ جین لیوس Jane Lewis نے ''عورت۔۔ سماجی عمل میں Women in Social Action'' کے عنوان سے تحقیقی تجزیات پیش کئے۔ جارج ایلیٹ George Eliot نے ناول میں نسائی میلانات کو کہانی کیا۔ جارج ایلیٹ

اور فرانسیس کوبےFrances Cobe پر مذہبی نقاد یا مذہبی بے راہ روی کی شکار تخلیق کار بھی قرار دیا گیا۔کیتھرین بیچر اور میری کارپینٹرMary Carpenter کو بھی اِسی طرح کی شدید تنقید وتردید کا سامنا رہا۔عہدِ جدید میں ورجینیا وُلف،تھامس ہارڈی،شارلٹ برانٹے،جینٹ وینٹرسن جیسے نسائی تخلیق کاروں کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔

خواتین کی سوانح عمریاں

مصنف	عنوان	مصنف	عنوان
سید سلیمان ندوی	سیرتِ عائشہؓ	حافظ محمد اسلم جیراج پوری	اُم المومنین حضرت عائشہؓ،اُم المومنین حضرت خدیجہؓ،حضرت فاطمہؓ،حضرت صفیہؓ، اسماءؓ،حضرت ام عمارہؓ ،حضرت ام سلیمؓ ، حضرت خنساءؓ،حضرت خولہؒ ،حضرت رابعہ بصریہ،حضرت سیدہ نفسیہؒ،زبیدہ خاتونؒ، ترکان خاتون،شجرۃ الذر،محمد صبیح صاحب آثر ،رضیہ سلطانہ
عابد حسین خاں	چاند بی بی	وحید احمد	گلبدن بیگم،نور جہاں بیگم
بنت نصیرالدین حیدر	جودہ بائی،نفیس دلہن صاحبہ،ممتاز محل	مولوی محبوب الرحمٰن	جہاں آرا بیگم،روشن آرا بیگم،زیب النساء بیگم
شروانی	صاحب جی	بنت نصیرالدین حیدر	زوجہ داؤد خاں پنی
عابد حسین خاں	بہو بیگم	مولوی محبوب الرحمٰن	قدسیہ بیگمؒ
حافظ محمد اسلم جیراجپوری	سکندر بیگم،شاہجہاں بیگم،سلطان بیگم	سید خورشید علی	قرۃ العین
فاطمہ محمدی بیگم	عزیز النساء بیگم	معشوق حسین خاں	فاطمہ علیہ خانم
گوہر اقبال	تزکِ سلطانی	اختر اقبال	نواب سلطان جہاں بیگم
بملا کماری	ایک ایکٹریس کی آپ بیتی	انیس قدوائی	آزادی کی چھاؤں میں'
صالحہ عابد حسین	سلسلہءِ روز شب	ادا جعفری	جو رہی سو بے خبری رہی
سعیدہ بانو احمد	ڈگر سے ہٹ کر	نفیس بانو شمع	جنت سے نکالی ہوئی حوا

حمیدہ سالم	شورشِ دوراں	شائستہ اکرم اللہ	پردے سے پارلیمنٹ تک'
قرۃ العین حیدر	کارِ جہاں دراز ہے	حمیدہ اختر حسین	وہ کون تھی
کشور ناہید	بری عورت کی کتھا	امرتا پریتم	رسیدی ٹکٹ
عابدہ سلطان	انقلابی شہزادی	عصمت چغتائی	ٹیڑھی لکیر'
شہر بانو بیگم	بیتی کہانی	عطیہ فیضی	زمانہ ءِ تحصیل
قیصری بیگم	کتابِ زندگی	حمیدہ اختر حسین رائے پُوری	ہم سفر
بیگم جہاں آراء حبیب اللہ	زندگی کی یادیں	ممتاز شیریں	شیریں کتھا
ساجدہ زیدی	نوائے زندگی	منور مادیوان	انقلاب زندہ آباد'
عذرا عباس	میرا بچپن	شوکت کیفی (زوجہ اعظمی کیفی)	یاد کی راہ گزر
رشیدہ عیاں	میری کہانی	زہرہ داؤدی	گرداب کی شناوری اور لذّتِ صحرانوردی
صوفیہ انجم	یادوں کی دستک	ثریا حسین	آب رودِ گنگا
صغریٰ مہدی	حکایتِ ہستی	تہمینہ دورانی	مینڈا سائیں My Fuedal Lord
نفیس بانو	جنت سے نکالی ہوئی حوّا	اجیت کور	خانہ بدوش
بینظیر بھٹو	دُخترِ مشرق Daughter Of the East	سلمیٰ صدیقی	بیت گئی ہے جیسے بیتی

اُردو ادب میں خواتین کی سوانحی ادب کی مثال بہت ترقی یافتہ نہیں ہے۔ خواتین معاشرتی دباؤ کی وجہ سے قلمی ناموں سے ادبی تخلیقی عمل میں حصہ لیتی تھیں۔ قلمی ناموں سے اپنے خطوط شائع بھی کرواتی تھیں۔ ''ماہ لقاء'' کے خطوط اِس ضمن میں نمایاں مثال ہیں۔ مرد حضرات بھی خواتین کے خیالات کو فرضی خواتین کے ناموں سے شائع کرا لیتے تھے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہذیب ہند میں عورت کو اپنے نام سے اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی بھی حاصل نہ تھی۔ تہذیب ہند کے مذاہب، ذات پات کا نظام، قبائلیت اور معاشی اجارہ داریوں کے تسلط میں خواتین کا سوانحی ادب خاطر خواہ ترقی نہ

کر سکا۔ اِسکے باوجود خواتین کی حصہ داری قابلِ قدر ہے۔خواتین کے سوانحی ادب میں عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں نے بھی شراکت داری کی ۔خواتین کے سوانحی ادب میں منظّم ترین اور رسمی تحریریں ''بیگماتِ بھوپال'' کی ہیں۔''بیگماتِ بھوپال ''میں نمایاترین نام اور اُن کی سوانح عمریوں میں ،رانی کملا پتی، فتح بی بی ، باجی مولا ،صالح بیگم،عصمت بیگم، زینت بیگم، موتی بیگم،نواب گوہر بیگم قدسیہ،نواب سکندر بیگم،نواب شاہ جہان بیگم، پرنس عابدہ سلطان کی سوانح عمریاں شامل ہیں۔محمد امین ماہروی نے''بیگماتِ بھوپال'1918ء، کے عنوان سے مفصل سوانحات پیش کی ہیں۔(5)۔اِس کے علاوہ بہت سا بکھرا ہوا ادب بھی مشاہدہ میں آتا ہے۔جدید تحقیقی اور تجزیاتی رُجحانات کے نتیجہ میں بہت اچھااور مستند موادمیسر آجاتا ہے6۔اس موضوع پر سیر حاصل بحث بھی کی گئی ہے اور تفصیلات پیش کی ہیں۔اِس سوانحی تحقیق میں درجِ ذیل سوانح عمریوں کی فہرستیں دیں گئیں۔

حوالہ جات

1۔''Sapiens(بندہِ بشر)''، یووال نوح ہراری، (ترجمہ:سید سعید نقوی)،ص 17،سٹی بک پوائنٹ ،اردو بازار، کراچی 2022۔

2۔''Sapiens(بندہِ بشر)''، یووال نوح ہراری، (ترجمہ:سید سعید نقوی)،ص 17،سٹی بک پوائنٹ ،اردو بازار، کراچی 2022۔

3۔قرآن مجید،سورت الحجرات،آیت نمبر 13۔

4۔خواتین،مولف حافظ محمد اسلم جیراجپوری،سنگم کتاب گھر،اردو بازار دہلی، 1951۔

5۔''بیگماتِ بھوپال'،مرتبہ:محمد امین ماہروی،مہتمم دفتر تاریخ مطبع سلطانِ ریاست، بھوپال 1918ء۔

6۔ڈاکٹر شبانہ سلیم نے اپنی تحقیق''اردو میں خواتین کی خودنوشت سوانح عمریاں۔تجزیاتی مطالعہ،2015ء''۔

نسائی سوانحی ادب کی کتابیات

1. Carolyn Heilbrun, Writing a Womans Life (New York: Norton); Anne Curthoys (1989) Feminism biography and autobiography.

2. Liz Stanley Ann Morley (1989) The Life and Death of Emily Wilding Davison.

3. Liz Stanley (1990) Moments of writing: is there a feminist auto/biography?, Gender and History.

4. Daphne Bennett (1990) Emily Davies and the Liberation of Women.

5. Millicent Garrett Fawcett & E. M. Turner (1927) Josephine Butler: her

work and principles, and their meaning for the twentieth century.

6. Barbara Stephen (1927) Emily Davies and Girton College.

7. Hester Burton (1949) Barbara Bodichon Jo Manton (1965)

8. Elizabeth Garrett Anderson (London: Dutton); A. S. G. Butler (1954) Portrait of Josephine Butler (London: Constable);

9. David Mitchell (1969) The Fighting Pankhursts.

10. Edward W. Ellsworth (1979) Liberators of the Female Mind, the Shirreff Sisters. Educational Reform and the Women?s Movement (London: Greenwood); Andro Linklater (1980)

11. An Unhusbanded Life. Charlotte Despard: suffragette, socialist and Sinn Feiner (London);

12. Sheila Fletcher (1989) Maude Royden (Oxford: Blackwell);

13. Ruth First & Ann Scott (1980)

14. Olive Schreiner Liz Stanley with Ann Morley (1989) Emily Wilding

15. Sheila Herstein (1985)

16. A Mid-Victorian Feminist. Barbara Leigh Smith Bodichon (New Haven: Yale University Press); Glen Petrie (1971)

17. A Singular Iniquity: the campaigns of Josephine Butler (London: Macdonald & Janes); Daphne Bennett (1990)

18. Emily Davies; David Rubinstein (1990)

19. A Different World for Women: the life of Millicent Garrett Fawcett (Brighton: Harvester)

20. David Mitchell (1977)

2. Queen Christabel (London: Macmillan).

22. See Sandra Stanley Holton (1992) The suffragist and the ?average? woman, Women?s History Review.

23. Ray Strachey (1928) The Cause: a history of the women?s movement

in Great

Britain (London: reprinted Virago, 1978).

24. Philippa Levine, Feminist Lives (Oxford: Blackwell); and Barbara Caine (1992) Victorian Feminists (Oxford: Oxford University Press).

25. For some of these new approaches to Victorian and Edwardian feminism, B. Caine (1982) Feminism, suffrage and the nineteenth-century English womens movement.

26. Sheila Jeffreys (1982) ?Free from all uninvited touch of men?: women?s campaigns around sexuality, 1880-1914, both in Women?s Studies International Forum.

27. Philippa Levine (1982) Victorian Feminism, 1850-1900 (London: Macmillan); Philippa Levine (1991) Feminist Lives.

28. Susan Kingsley Kent (1987) Sex and Suffrage in Britain, 1860-1914.

29. Gerda Lerner (1976) New approaches to the study of women in American history, in Berenice A. Carroll (Ed.) Liberating Women?s History, (Urbana: Chicago University Press).

30. Kathryn Kish Sklar (1973) Catharine Beecher: a study in American Domesticity, Yale University Press).

31. Jeanne Boydston, Mary Kelley & Anne Margolis (1988) The Limits of Sisterhood: the Beecher sisters on women?s rights and woman?s sphere, University of North Carolina USA.

32. Barbara Caine (1986) Destined to be Wives: the sisters of Beatrice Webb, (Oxford University Press).

33. Thea Thompson (1981) Edwardian Childhoods (London: Routledge & Kegan Paul).

34. Joyce Antler (1981) Feminism as life-process: the life and career of Lucy Sprague Mitchell, Feminist Studies.

35. Martha Vicinus (1985) Independent Women: work and community for women,

1850-1920 (London, Virago).

36. Kali A. K. Israel (1990) Writing inside the kaleidoscope: re-presenting Victorian women public figures, Gender and History.

37. Jane Lewis (1990) Women and Social Action in Victorian and Edwardian England (Aldershot: Edward Elgar).

38. Jane Rendall (1989) Friendship and politics: Barbara Leigh Smith Bodichon (1827-91) and Bessie Rayner Parkes (1829-1925), in Susan Mendus & Jane Rendall (Eds) Sexuality and Subordination: interdisciplinary studies of gender in the nineteenth century, (London: Routledge).

39. Theodore Parker (1863) Discourse on religion, in Frances Power Cobbe (Ed.) The Collected Works of Theodore Parker, (London).

39. Eileen Janes Yeo (1992) Social motherhood and the sexual communion of labour in British social science, Women?s History Review.

40. Kathryn Kish Sklar, Catherine Beecher: a study in American domesticity

---

سوانحی ادب اور خاکہ نگاری

سوانحی ادب میں خاکہ نگاری personality sketch سب سے زیادہ دلچسپ صنف ہے۔موضوع شخصیت کے متعلق خاکہ نگار کوئی مانوس رائے رکھتے ہیں۔موضوع شخصیت کی سیرت،کردار،مقام منصب اور معاشرے میں سرانجام دیئے ہوئے اعمال کی وجہ سے خاکہ نگار اُسے اپنا موضوع بناتا ہے۔لکھنے والا اور لکھا جانے والا،دونوں انسانوں کا آپس میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔تعلق کی مانوسیت intimacy خاکہ نگاری میں خاص لُطف سے لبریز مانوسیت،بے تکلّفی،غیر رسمی پن،تاثّراتی اظہاریت،مجلسی مزاج اور مزاح humour کو خاکہ نگاری کی بنیادی اقدار کا مقام عطا کرتی ہے۔تحریر میں موضوع سے متعلق اثر انگیزی قارئین کو مجلس کا سا ماحول بنا دیتی ہے۔عام طور پر خاکے دوست احباب کی موجودگی اور مجالس ہی میں پیش کئے جاتے ہیں۔بے تکلفی اور غیر رسمی پن خاکہ نگاری کو قارئین کے لئے دلکش،آسان یا حیران کن اسلوب میں پیش کرنے کا باعث ہوتی ہے۔یوں تو غیر رسمی اور جزوی خاکہ نگاری شاعری یا نثر دونوں کی اصناف میں مشاہدہ میں آتی ہے۔مگر خاکہ نگاری کا اصل لسانی پیکر نثر ہوتا ہے۔یہ کسی ضابطے قاعدے کی اصول بندی نہیں بلکہ خاکہ نگاری کی روایت نثر میں افزودہ ہوئی ہے۔نثری متن میں اشارے کنائے معنویت کو نہ صرف مفصل کرتے ہیں بلکہ ایجاز و ایماء کی جمالیات سے مزیّن بھی۔اُردو ادب میں فرحت اللہ بیگ کو خاکہ نگاری میں نمایاں مقام حاصل ہے۔خاکہ نگاری میں آسان اقدار کا تعین ڈپٹی نذیر احمد کے خاکہ ''ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی'' کے مطالعہ سے کیا جا سکتا ہے:۔

> ''رنگ سانولا مگر روکھا۔قد خاصا اونچا تھا،مگر چوڑان نے لمبان کو دبا دیا تھا۔دہرا بدن،گدار ہی نہیں بلکہ موٹاپے کی طرف کسی قدر مائل۔فرماتے تھے بچپن میں ورزش کا شوق تھا۔ورزش چھوڑ دینے سے بدن جس طرح مرمروں کا تھیلا ہو جاتا ہے،بس یہی کیفیت تھی۔بھاری بدن کی وجہ سے چوں کہ قد ٹھنگنا معلوم ہونے لگا تھا،اس لئے اس کا تکمّلہ اونچی تر کی ٹوپی سے کر دیا جاتا تھا۔کمر کا پھیر ضرورت سے زیادہ تھا۔تواند اس قدر بڑھ گئی تھی کہ گھر میں ازار بند باندھنا بے ضرورت ہی نہیں، تکلیف دِہ سمجھا جاتا تھا اور محض ایک گرہ کو کافی خیال کیا گیا تھا۔گرمیوں میں تہمد باندھتے تھے۔اس کے پلو اڑسنے کی بجائے اِدھر اُدھر ڈال لیتے تھے،مگر اٹھتے وقت،اگر اٹھنا ہوا تو پہلے اندازہ کرتے تھے کہ فی الحال اٹھنے

کوملتوی کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ضرورت نے بہت مجبور کیا تو ازار بند کی گرہ یا تہمد کے کونوں کے اڑسنے کا دباؤ توند پر ڈالتے تھے۔سر بہت بڑا تھا۔مگر بڑی حد تک اس کی صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا۔جوتھوڑے رہے سہے بال تھے، وہ اکثر نہایت احتیاط سے صاف کرادیے جاتے تھے، ورنہ بالوں کی یہ ڈگر ،سفید مقیش کی صورت میں ، ٹوپی کے کناروں پر جھالر کا نمونہ ہوجاتی تھی۔آنکھیں چھوٹی چھوٹی ، ذرا اندرکودھنسی ہوئی تھیں،۔بھویں گھنی اور آنکھوں کے اوپر سایہ افگن تھیں۔ آنکھوں میں غضب کی چمک تھی ۔ وہ چمک نہیں جو غصے کے وقت نمودار ہوتی ہے، بلکہ یہ وہ چمک تھی جس میں شوخی اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اگر ان کومسکراتی ہوئی آنکھیں کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔کلہ جبڑا بڑا زبردست پایا تھا۔چوں کہ دھانہ بھی بڑا تھااور پیٹ کے محیط نے سانس کے لئے گنجائش بڑھادی تھی۔اس لیے نہایت اونچی آواز میں بغیر سانس کھینچے بہت کچھ کہے جاتے تھے۔آواز میں گرج تھی ،مگر لوچ کے ساتھ،کوئی دور سے جو سنے تو یہ سمجھے کہ مولوی صاحب کسی کو ڈانٹ رہے ہیں ،لیکن پاس بیٹھنے والا ہنسی کے مارے لوٹ رہا ہو، جوش میں آکر جب آواز بلند کرتے تھے ،تو معلوم ہوتا تھا کہ ترم بج رہا ہے،اسی لئے بڑے بڑے جلسوں پر چھا جاتے تھےاور پاس اور دور بیٹھنے والوں کوایک ایک حرف صاف سنائی دیتا تھا۔ ناک کسی قدر چھوٹی تھی اور نتھنے بھاری ایسی ناک کو گنواروں کی اصطلاح میں ' گاجر'اور دلی والوں کی بول چال میں ' چھلکی' گومتانت چھوکر نہیں گئی تھی ،لیکن جسم کے بوجھ نے رفتار نے خود بخود متانت پیدا کر دی تھی ۔ داڑھی بہت چھدری تھی ، ایک ایک بال بہ آسانی گنا جاسکتا تھا۔ کلے تو کبھی قینچی کے منت کش نہیں ہوئے ۔البتہ ٹھوڑی پر کا حصہ کبھی کبھی ہموار کرالیا جاتا تھا۔ڈاڑھی کی وضع قدرت نے خود فرینچ فیشن بنادی تھی ، بالوں میں سے ٹھوڑی اس طرح دکھائی دیتی تھی جیسے اکس ریز X Raysڈالنے سے کسی بکس کے اندر کی چیز ۔ٹھوڑی چوڑی اوران کے

ارادے پکے ہونے کا اظہار کرتی تھی۔ گردن چھوٹی مگر موٹی تھی۔ لیجئے یہ
ہیں مولوی نذیر احمد خاں صاحب۔''1

مذکورہ خاکہ اپنی اقدار کے بہترین اطلاق کی وجہ سے ڈپٹی نذیر احمد خان کی شخصیت کا زعفرانِ زار محسوس ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے شخصیت اور وجود کا سادہ ترین اظہار، حجابات اور اظہارات نذیر احمد کی شخصیت کی شرح کرتے ہیں۔ اس اقتباس میں فرحت اللہ بیگ نذیر احمد کے وجودی خصائص کے حوالہ سے شخصی اور نفسیاتی وضاحتیں کرتے ہیں۔ بے تکلفی، مانوسیت، بے ساختگی، مجلسیت، تأثریت اور مزاح کے عناصر اپنی فطری اشکال میں مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔ بیگ، نذیر احمد کو گنجا کہنے کی بجائے بالواسطہ اسلوب ''سر بہت بڑا تھا۔ مگر بڑی حد تک اُس کی صفائی کا انتظام قدرت نے اپنے اختیار میں رکھا تھا'' میں پیش کیا ہے۔ اسی طرح نذیر احمد کی تہمد پوشی ''تو نداس قدر بڑھ گئی تھی کہ گھر میں ازار بند باندھنا بے ضرورت ہی نہیں، تکلیف دہ سمجھا جاتا تھا اور محض ایک گرہ کو کافی خیال کیا گیا تھا۔ گرمیوں میں تہمد باندھتے تھے۔ اس کے پلو اڑسنے کی بجائے اِدھر اُدھر ڈال لیتے تھے، مگر اٹھتے وقت، اگر اٹھنا ہوا تو پہلے اندازہ کرتے تھے کہ فی الحال اٹھنے کو ملتوی کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ضرورت نے بہت مجبور کیا تو ازار بند کی گرہ یا تہمد کے کونوں کے اڑسنے کا دباؤ توند پر ڈالتے تھے'' کو نذیر احمد کی ''تہمدی اقدار'' کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ لباس کی سادگی، وجودی مجبوریاں اور اخلاق و احتیاط کی اقدار منقولہ جملوں کی مضمرات implications ہیں۔ فرحت اللہ بیگ کے خاکہ میں وجود نفسیات، ماحول، اخلاقیات اور واقعات سماجی تشریح بھی کرتے ہیں۔ خاکہ نگار کے ادبی مقام و منصب کا تعین ایسی ہی اقدار کی اطلاق پذیری سے کیا جا سکتا ہے۔

خاکہ نگاری میں فرد، کسی دوسرے فرد کو تحریر کرتا ہے۔ بے تکلفی اور مانوسیت کے لُطف والطاف میں غیر مکمل شخصیت کو بھی اُس کے نفسیاتی محیط میں پیش کیا جاتا ہے۔ خاکہ sketch غیر مکمل نقشہ، شکل وغیرہ ہوتا ہے۔ حقائق کے ساتھ ساتھ اشارے، کنائے متذکرہ شخصیت کی پیش کاری کے آلات کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ سوانح عمری اور خودنوشت کی طرح ذاتی، معاشرتی اور تاریخی حقائق کے بجائے حقائق کا تاثراتی ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ خاکہ نگاری کی ایک اہم قدر یہ بھی کہ خاکہ حقائق کا تاثراتی اظہار ہوتا ہے۔ قارئین کے علاوہ دوستوں واحباب کی محفل و مجلس میں بھی اِس سے لُطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ سلیمان اطہر جاوید اِس موضوع پر رقم طراز ہے:۔

''یہ (خاکہ) دراصل کسی شخصیت کا نفسیاتی مطالعہ ہے جو عموماً سماجی ڈھانچہ میں کیا جاتا ہے۔ بہترین مرقع نگار ادب اور معاشرے کی ایک اہم خدمت انجام دیتا ہے، وہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے لوح و قلم کے ذریعے حیات جاوداں عطا کر دیتا ہے۔ اس طرح تہذیب و تمدن کی

اثباتی قدریں آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن جاتی ہیں۔"2

خاکہ سوانح عمری اور خودنوشت کی طرح طویل نہیں ہوتا بلکہ اِس کی پیش کاری اختصاریہ اور جامعیت کے پیکر میں کی جاتی ہے۔ کٹھور حقیقت نگاری کے بجائے تھوڑا سا افسانوی یا جادوئی ماحول بھی موجود رہتا ہے۔ اشارے کنائے میں کہی ہوئی بات ابہامی جادوئیت یا افسانویت کا تاثر پیدا کرتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ بہت ہی اعتدال سے کیا جائے تو احسن نتائج برآمد کئے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد عمر رضا اپنی تحقیق ''اُردو میں سوانحی ادب'' میں خیال آرائی کرتے ہیں کہ:۔

''غزل وہ افسانہ نگار کی طرح خاکہ نگار کو بے حد حسّاس، تمام تعصّبات سے پاک، زندگی کے حقائق اور انسانی نفسیات سے باخبر اور معروضی اندازِ نظر والا ہونا بے حد ضروری ہے۔'' 3

ڈاکٹر عمر رضا نے خاکہ میں سوانحی اقدار کا تعین کیا ہے۔ خاکہ نگاری میں معروضیت بہت ہی احتیاط اور اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاکہ نگاری میں تھوڑی بہت معروضیت کے ساتھ ساتھ ذاتی اور موضوعی اسلوب و عناصر نمایاں ہوتے ہیں۔ صداقت نگاری، حقیقت نگاری میں تخلیقی افسانویت اور جادوئیت کا فرق ہوتا ہے۔ خاکہ نگاری کے مزاج میں موضوع کردار کی پیش کاری میں طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ ہمدردی، عقیدت، اُنسیّت اور تعلق کی خاطر نمایاں اَوصاف ہوتی ہیں۔ خاکہ نگاری میں جذبہ کی گرمی، مانوسیت اور تاثریت impressionism کے عناصر، اظہاریت expression کو تخلیقی جمالیات اور حرکی توانائی فراہم کرتے ہیں۔ یہ سارا عمل تخیل کے اطلاق کی طرح ہوتا ہے۔ موضوع کردار کی حقیقت کو 'خیال' کے اسلوب میں پیش کیا جاتا ہے جس میں حقیقت افسانویت اور جادوئیت کے پیرہن میں ملبوس کر دی جاتی ہے۔ خاکہ متحرک تصویر ہوتی ہے جس میں موضوع و کردار اپنی تمام تر حرکت و برکت کے ساتھ متحرک نظر آتا ہے۔ صابرہ سعیدی کے خیال میں:۔

''خاکہ صفحۂ قرطاس پر نوکِ قلم سے بنائی ہوئی ایک مشبّہ ہے یہ بے جان ساکت اور گم سم نہیں ہوتی یہ بولتی ہوئی متحرک پُر کیف تصویر ہوتی ہے۔''4

ڈاکٹر آفرین شبّر نے اپنے مقالہ ''اُردو میں خاکہ نگاری'' میں خاکہ نگاری کے اجزاء واَوصاف یا اقدار پیش کئے ہیں: واقعہ، واقعہ نگاری، کردار نگاری (ارتقائی کردار، مثالی کردار) منظر کشی، سراپا نگاری، وحدتِ تأثّر (وحدتِ زماں، وحدتِ مکاں، وحدتِ عمل، وحدتِ تأثر) وغیرہ۔ خاکہ نگاری کی اسلوبی اور موضوعی تقسیم میں ''تعارفی، سَرسَری، مداحیہ، توصیفی، سنجیدہ، کرداری، سوانح، معلوماتی، اجتماعی، مزاحیہ، ذاتی، خودنوشت، انٹرویو نمایاں عناصر ہوتے ہیں۔5

خاکہ کسی موضوعی کردار کی شخصیاتی، نفسیاتی، معاشرتی اور اختصاری جمالیاتی، متحرک شبیہہ ہوتی ہے۔

تہذیب ہنداور اردوزبان میں خاکہ نگاری کی کوئی رسمی اور پُر زور روایت نہیں رہی ۔البتہ دیگر ادبی اصناف میں اشخاص کے متعلق جُزوی اور ذیلی نقش و اشکال کی مثالیں مل جاتی ہیں۔شعری اصناف میں مرثیوں،مثنویوں ،قصیدوں ،ہجو وغیرہ میں تخلیقی رائے زنی کی مثالیں ملتی ہیں۔نثری ادب میں تذکرہ ،بیاض ،روزنامچہ،ڈائری اور خطوط میں شخصیت نگاری یا خاکہ نگاری کے نقوش دریافت کئے جاسکتے ہیں۔خاکہ نگاری کے ابتدائی نقوش میر تقی میرؔ کی خودنوشت ''ذکرِ میرؔ''اور تذکرہ ''نکات الشعراء''1165ھ میں مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔سعادت حسن یار خان کا تذکرہ ''جوشِ معرکہ زیبا''،قدرت اللہ قاسم کا ''مجموعہءِ نغز''1221ھ کے تذکرے خاکہ نگاری کے حوالہ سے قابلِ ذکر ہیں۔فتح الحسینی گردیزی کا تذکرہ ''ریختہ گویاں''1166ھ میں اٹھانوے شعراء کا ذکر ملتا ہے۔مصحفیؔ کا''تذکرہءِ ہندی''،شیفتہ کا ''گلشنِ بےخار''اور سعادت یار خان کا''خوش معرکہءِزیبا'' قابلِ ذکر تصنیفات ہیں۔مطالعہ سے شخصیت کے خدوخال کا اندازہ ہوجاتا ہے۔قائم چاند پوری نے ''مخزنِ نکات''1180ھ کے عنوان سے تذکرہ پیش کیا۔انشاء اللہ خان نے ''دریائے لطافت'' میں کردار نگاری کے رسمی نمونے تخلیق کئے ہیں۔اُس کے کرداروں میں میر ظفر عینیؔ ،بی نورن ،بھارمل،مرزا صدرالدین اصفہانی اور مولا عبدالفرقان کی کردار نگاری قابلِ ذکر ہے۔اِس تذکرہ میں مرزا مظہر جان جاناں اور انشاءاللہ خان کی ملاقات کا بہت ہی دلچسپ ذکر موجود ہے۔انشاءاللہ خان کے تذکرہ میں شخصیت نگاری،خاکہ نگاری تک ارتقاء کر جاتی ہے۔انشاءاللہ خان کی تذکرہ نگاری جدید خاکہ نگاری کو رسمی،تخلیقی اور فنی بنیادیں فراہم کرتی ہے۔مثال کے طور پر وہ''مظہر جانِ جاناں سے ملاقات'' سے متعلق رقم طراز ہیں:۔

> ''آخر کار میں نے اصلاح بنوائی،ڈھاکے کی ململ کا جامہ پہنا سرخ رنگ کا چہرہ سر سے باندھا اور کپڑے بھی اسی قبیل سے تھا۔ایک کٹار پٹکے میں اُڑسا۔اس ہیت سے ہاتھی پر سوار ہوکر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔موصوف جامعہ مسجد سے متصل ایک بالا خانے پر رہتے تھے جو ان کے لیے رام بانیہ نے بنوایا تھا۔ جب میں اوپر پہنچا تو دیکھا کہ جناب ممدوح پیرہن اور سفید ٹوپی پہنےاور کندھے پر ناسپتی رنگ کے دوپٹے کا سموسہ بنا کر ڈالے ہوئے بیٹھے تھے۔''6

انشاءاللہ کی تخلیق کاری میں جدید فن خاکہ نگاری کی بِنا و بنیاد کی صورت مشاہدہ میں آتی ہے۔انشاءاللہ کی نگارش میں کرداروں کی داخلیت سے متعلق زیادہ مواد نہیں ملتا۔زیادہ تر بیرونیت اور اُس کے اجزاء کا ذکر ملتا ہے۔فرحت اللہ بیگ کے بعد آغا حیدر حسن نے''پسِ پردہ''نامی خاکوں کے مجموعہ میں مسز سروجنی نائیڈو،حیات انصاری کے علاوہ سید حسن کی خاکہ نگاری کی۔محمد حسین آزاد نے''دربارِ اکبری''، ''نیرنگِ خیال''اور''آبِ حیات''1885ء میں پیش کیں۔آزاد کی

خاکہ نگاری کو عہدِ جدید کی فن خاکہ نگاری کا آغاز قرار دیا جاتا ہے۔''آبِ حیات''میں حیدر علی آتشؔ کے کردار نگاری میں جدید خاکہ نگاری کے روایت کا اسلوب اپناتے ہیں:۔

''چھریرا بدن، کشیدہ قامت سیدھے سادے، بھولے بھالے آدمی تھے۔ سپاہیانہ، رندانہ اور آزادانہ وضع رکھتے تھے اور اس لئے کہ خاندان کا تمغا بھی قائم رہے کچھ رنگ فقیری کا بھی تھا۔ ساتھ اس کے بڑھاپے تک تلوار باندھ کر سپاہیانہ بانکپن کو بھی نباہے جاتے تھے۔ سر پر ایک زلف اور کبھی حیدری چٹا کہ یہ بھی محمد شاہی بانکوں کا سِکّہ ہے۔ اسی میں ایک طُرّہ سبزی کا بھی لگائے رہتے تھے اور بے تکلفانہ رہتے تھے اور ایک بانکی ٹوپی بھنوؤں پر دھرے جدھر چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔7

آزادؔ کی نگارشات میں کرداروں کی درُونیت کے ساتھ ساتھ بیرونیت کے معنی خیز نمونے زیر مطالعہ آتے ہیں۔ فرد کے باہر جو کچھ ہوتا ہے اُس کے آسان بیان کے ساتھ ساتھ نفسیاتی باریکیوں، نزاکتوں اور پیچیدگیوں کو فنکارانہ تخلیقی اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ اُس کی ''آبِ حیات'' میں حاتمؔ، سوداؔ، میرتقی میرؔ، انشاءؔ، ضاحکؔ، مصحفیؔ، ناسخؔ، آتشؔ، شاہ نصیرؔ، مومنؔ اور رواجؔ وغیرہ کے زندہ ورمتحرک خاکے ملتے ہیں۔ آزادؔ کی ''آبِ حیات'' کا موازنہ ڈاکٹر جانسن کی خاکہ نگاری کتاب ''Life of the Poets'' سے کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل تھی۔ مرزا ہادی رسُوا کے ہاں ناول، افسانہ میں کردار نگاری، خاکہ نگاری کی اشکال تک ارتقاء کر جاتی ہے۔ فنِ خاکہ نگاری کے حوالہ سے رُسواؔ کی ''وضع دارانِ لکھنو''میں خاکہ نگاری کے قابلِ ذکر نمونے دستیاب ہیں۔ اُس کے ناول ''اُمراؤ جانِ ادا'' میں شخصیت نگاری کے شاہکار نمونے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ حسن نظامی کی ''محرم نامہ'' اور ''نیرنگِ خیال'' میں خاکہ نگاری کو جدید اور تخلیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عبدالحلیم شرر نے ''سیرِ نسواں'' کے علاوہ منتخب شخصیتوں پر تین اہم سلسلے بھی لکھے۔ اِس عہد سے اور اِس کے بعد فنِ خاکہ نگاری کو رسمی اور فنی تشکیل نصیب ہوئی۔

مولوی عبدالحق 1870-1962 نے ''مرحوم دِلّی کالج'' اور ''چند ہم عصر'' کے عنوان سے خاکہ آرائی کی۔ اُس نے 'نکات الشعراء، تذکرہء ریختہ گویاں، مخزنِ نکات، چمنستان شعراء، گل عجائب، عقد چڑیا، تذکرہء ہندی، ریاض الفصحا اور مخزن الشعراء کو نہ صرف یہ کہ مرتب کیا بلکہ ان پر مفید مطلب مقدمے بھی لکھے۔ رشید احمد صدیقی 1898-1977 نے ''گنج ہائے گراں مایہ''، ''ہم نفسانِ رفتہ'' کے عنوان سے اپنی تخلیقات پیش کیں۔ بھارت کے مسلمان صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کا طویل خاکہ ''ذاکر صاحب'' کے عنوان سے تحریر کیا۔ سعادت حسن منٹو نے ''گنجے فرشتے''، ''لاؤڈ سپیکر'' اور ''شخصیتیں'' میں فن خاکہ نگاری کے جوہر دکھائے۔ اُس نے میرا صاحب، آغا حشر سے دو ملاقاتیں، آغا شیرانی سے چند

ملاقاتیں، تین گوکھلے، باری صاحب، عصمت چغتائی، مرلی دھن، پری چہرہ نسیم بانو، اشوک کمار، کشتِ زعفران اور بابوراؤ پٹیل کے شاہکار خاکے تخلیق کئے۔ عصمت چغتائی 1919-1815 نے ''نئے ادب کے معمار'' کے عنوان سے مجاز کا خاکہ تحریر کیا۔ اُس کے بعد اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ ''دوزخی''، کے عنوان سے تخلیق کیا۔ مشتاق یوسفی نے اپنی کتابوں ''خاکم بدہن''، ''زرگزشت'' اور ''آبِ گُم'' میں چند خاکے پیش کئے ہیں۔ یوسفی کا مزاح، فنکارانہ تخلیقی اور لُغت کے پُر کار فن میں ہے۔ مجتبیٰ حسین 1936 کی خاکہ نگاری میں ''آدمی نامہ''، ''سو ہے وہ بھی آدمی'' اور ''چہرہ در چہرہ'' کے عنوانات سے خاکہ آرائی کے مجموعے پیش کئے۔ شیخ محمد دہلوی کی ''ہم اور وہ''، ''دِلّی کا سنبھلا''، ''دِلّی کی آواز'' میں شاہکار خاکے پیش کئے ہیں۔ جینند کمار نے ''پریم چند'' کے عنوان سے بہت معنی خیز خاکہ پیش کیا۔ بشیر احمد ہاشمی کی ''گفت شنید'' اور خواجہ غلام سیدین کی ''آندھی میں چراغ'' اہم ادبی اثاثہ ہیں۔ سید ثقلین کی خاکوں کی کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''آندھی میں چراغ'' میں مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر ذاکر حسین، علامہ اقبال، راس مسعود، خواجہ غلام ثقلین، محبائی خاتون اور سیدہ خاتون کے خاکے ہیں۔ محمد عبدالرزاق کانپوری کے مجموعۂ خاکہ نگاری ''یادِ ایّام'' میں سر سید احمد خاں، علامہ شبلی نعمانی، مسٹر سید امیر علی، اکبر حسین الہ آبادی، محسن الملک، منشی ذکاءاللہ، محمد حسین آزاد، نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، اکبر، وقارالملک، وحیدالدین سلیم، رحمت اللہ سید محمد، عبدالحلیم شرر، سید جعفر حسین لکھنوی، میر ناصر علی اور راس مسعود شامل ہیں۔ عبدالمجید دریا آبادی نے ''معاصرین''، ''وفایا دماجدی'' کے عنوانات سے خاکہ نگاری کے دو مجموعے پیش کئے۔ اُس کے موضوعاتی کرداروں میں مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا اشرف علی تھانوی، افضل العلماء، مولوی عبدالحق، اکبر الہ آبادی، چودھری خلیق الزماں، مظہر الحق، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد حسین آزاد، سید سلیمان ندوی، مودودی صاحب اور چھوٹوں میں مولانا محمد اویس نگرامی، شوکت تھانوی اور رئیس احمد جعفری کے خاکوں کو بڑی ہی دلچسپی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ شوکت تھانوی نے ''شیش محل'' اور ''قاعدہ بے قاعدہ'' کے عنوانات سے خاکہ نگاری کی۔ اُس کے کرداری موضوعات میں جوش ملیح آبادی، ساگر نظامی، روشِ صدیقی، تبسم نظامی، جالب دھلوی، رفیع احمد خان اور سہیل الہ آبادی شامل ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نے ''ملکِ ادب کے شہزادے'' کے عنوان سے خاکہ نگاری کا مجموعہ میں پیش کیا۔ اِس کتاب میں اصغر گونڈوی، جگن ناتھ آزاد، جوش ملیح آبادی، معین احسن جذبی، علی سردار جعفری، ساحر لدھیانوی، مجروح سلطان پوری، مجاز، کیفی اعظمی، وامق جون پوری، حفیظ جالندھری کے خاکے قلم بند کئے گئے۔ محمد طفیل نے 1955ء اپنے ادبی ماہنامہ نقوش میں دو ضخیم شخصیات نمبر شائع کئے۔ جن میں گیارہ سو بیاسی ادیبوں اور شاعروں کے خاکے لکھوا کر شامل کئے۔ محمد طفیل کی ''جناب'' نامی خاکوں کی کتاب میں قاضی عبدالغفار، یگانہ چنگیزی، مجاز لکھنوی، ڈاکٹر محمد باقر، حمیداللہ خان، مرزا ادیب، بلونت سنگھ، عشرت رحمانی، قدرت اللہ شہاب، قیوم نظر، ابراہیم جلیس، سیف الدین سیف، اے حمید، اشفاق احمد، انتظار حسین اور ناصر کاظمی کے خاکے شامل ہیں۔ محمد طفیل نے ''صاحب'' میں سترہ خاکے سجائے جن

میں منٹو، احمد ندیم قاسمی، شوکت تھانوی، جگر مراد آبادی، فراق گورکھپوری، سید علی عابد اور احسان دانش کے خاکے شامل ہیں۔ خاکوں کی تیسری کتاب ''آپ'' میں محمد طفیل نے نیاز فتح پوری، جوش ملیح آبادی، اختر اورینوی اور کرشن چندر کے خاکے شامل کئے۔ عبدالمجید سالک نے ''یارانِ کُہن'' کے عنوان سے خاکہ آرائی کی۔ خاکوں میں علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد، آغا حشر کشمیری اور حسرت موہانی کے نمایاں خاکے شامل ہیں۔ اشرف صبوحی نے ''دِلّی کی چند عجیب ہستیاں'' میں چودہ خاکے شامل کئے۔ اُس کے کرداروں میں بہت ہی غیر روایتی کردار شامل ہیں۔ مثلاً ''گھمی کبابی، باقر علی، مٹھو مٹھیارا، مِلن بائی، میر ٹوٹڑ'' وغیرہ۔ ممتاز مفتی نے انیس کرداروں پر مبنی ''پیاز کے چھلکے'' کے عنوان سے خاکہ نگاری کا مجموعہ پیش کیا۔ مفتی کے کرداروں میں عزیز ملک، محمد طفیل، محمد عمر، قدرت اللہ شہاب، میرا جی، منٹو اور ابنِ انشاء شامل ہیں۔ دیوان سنگھ مفتون نے ''ناقابلِ فراموش'' کے عنوان سے مثالی خاکے تخلیق کئے۔ ضیاالدین احمد برنی نے ''عظمتِ رفتہ'' کے عنوان سے خاکوں کے مجموعہ میں ترانوے خاکے شامل کئے۔ مالک رام اردو کا کثیر نویس ادیب ہے۔ ''وہ صورتیں الٰہی ''اور'' تذکرہ معاصرین'' مالک رام کے خاکہ نگاری کے مجموعے ہیں۔ چراغ حسن حسرت کی مطبوعات میں ''جدید جغرافیہ پنجاب''، ''کیلے کا چھلکا''، ''دوڈاکٹر'' کے علاوہ خاکوں کا مجموعہ ''مردمِ دیدہ'' شامل ہیں۔ حسرت نے موید السلام، خیال عظیم آبادی، حشر کاشمیری، شفاء الملک، علامہ اقبال، ظفر علی خان اور ابوالکلام آزاد پر خاکہ نگاری کے فن کو آزمایا۔ تمکین کاظمی کے ایک خاکائی مضمون ''حیدر آباد کی چند شخصیتیں'' کو بے حد پذیرائی اور مقبولیت نصیب ہوئی۔ غلام احمد فرقت کاکوروی نے ''صید و ہدف'' کے عنوان سے خاکہ آرائی کا مجموعہ ترتیب دیا۔ اِس مجموعہ میں ایک سو سولہ کرداروں کی خاکہ نگاری کی گئی۔ رئیس احمد جعفری کے مجموعہ ''دید و شنید'' میں سَو شخصی مضامین مجتمع ہیں۔ شاہد احمد دہلوی کے خاکوں کا مجموعہ ''گنجینۂ گوہر'' سترہ خاکوں پر مشتمل ہے جس میں حسن نظامی، جگر مراد آبادی، قطب دہلوی، مرزا محمد سعیدی اور میرا جی کے خاکے شامل ہیں۔ علی جواد زیدی نے ''آپ سے ملیئے''، ''ہم قبیلہ'' اور ''اہل قبیلہ'' کے عنوان سے شخصیت نگاری کے مجموعے شائع کئے۔ ان تصنیفات میں بھگوتی چرن ورما، علی عباس حسینی، جوش ملیح آبادی، جگر مراد آبادی، عبدالماجد دریابادی اور اثر لکھنوی کے خاکے شامل ہیں۔ مختار مسعود نے اپنی تصنیفات ''آوازِ دوست''، ''سفر نصیب'' اور لوحِ آیام میں خاکہ نگاری کے فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ عبدالاحد خان بھوپالی کے مجموعہ ''پوسٹ مارٹم رپورٹ'' میں کنہیا لال کپور، شعری بھوپالی، بابو کامتا پرشاد، شاکر علی خاں، نور باز خاں، کیف بھوپالی، سید عبدالرقیب علوی، حکیم سید قمر الحسن، اختر عباس وغیرہ۔ معین الدین دردائی نے ''جلوے'' کے عنوان سے خاکوں کا مجموعہ ترتیب دیا۔ الطاف حسین قریشی نے ''ملاقاتیں'' میں سولہ شخصیات کی خاکہ آرائی مزّین کی۔ قرۃ العین حیدر نے ''پکچر گیلری'' کے عنوان سے خاکہ نگاری کا جادو جگایا۔ پکچر گیلری میں اُن کے والد سجاد حیدر یلدرم کا خاکہ بھی شامل ہے۔ اِس کے علاوہ اُن کے افسانوی ادب میں سوانحی ادب یا خاکہ نگاری کے بہت سے نمونے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ خاص طور سے ''گردشِ رنگِ چمن'' اور ''آخرِ شب کے ہم سفر'' اِس حوالہ سے خاص

اہمیت رکھتے ہیں۔ضیاالحق قاسمی نے ''چھیڑ خانیاں''اور''مزید چھیڑ خانیاں'' کے عنوان سے خاکہ نگاری کے مجموعے تصنیف کئے ۔اکبر حمیدی نے ''قدِ آدم'' کے نام سے مجموعہ ترتیب دیا۔انور ظہیر نے ''مت سہل ہمیں جانو'' کے عنوان سے مجموعہ ترتیب دیا۔مخمور سعیدی نے اپنے مجموعہ ''میرے عہد کی صدائیں'' میں سترہ خاکے شامل کئے ۔یوسف ناظم کی تصنیفات میں ''ذکرِ خیر''، ''علیک سلیک''اور''سائے ہم سائے'' خاکہ آرائی پر مبنی ہیں۔عابد سہیل نے ''کُھلی کتاب'' کے عنوان سے خاکوں کا مجموعہ ترتیب دیا۔شفیقہ فرحت کا خاکوں پر مبنی مجموعہ ''چہرے جانے انجانے'' تین جلدوں میں شائع ہوا جس میں ایک سو انیس اشخاص کی خاکہ آرائی کی گئی ہے ۔عزیز اندوری نے ''نیگیٹو سے پازیٹو'' کے نام سے بارہ خاکوں کا مجموعہ تصنیف کیا۔شبینہ فرشوری کے خاکوں کا مجموعہ (2006ء) میں آل احمد سرور، جیلانی بانو، قتیل شفائی، فانی بدایونی، شکیل بدایونی ، فاطمہ عالم علی خان، سلطانہ شرف الدین کے خاکے شامل ہیں۔حُمیرا جلیلی کا مجموعہ ''ساتھ ساتھ پھولوں کے''2012ء میں شائع ہوا۔حُمیرا کے خاکہ مجموعات میں ''روئے خوش رنگ''، ''خوش رنگ چہرے''اور''سُرخ رُو'' شامل ہیں۔ابنِ کنول نے خاکوں کا مجموعہ ''کچھ سنجیدگی کچھ شگفتگی'' کے نام سے شائع ہوا۔مجتبیٰ حسین کے بہت سے خاکوں کے مجموعوں میں ''قطع کلام''، ''آدمی نامہ''، ''سو ہے وہ بھی آدمی''اور''چہرہ در چہرہ'' شامل ہیں۔عطاء الحق قاسمی کے خاکہ نگاری کے فن پاروں میں''عطایئے''، ''مزید گنجے فرشتے'' وغیرہ شامل ہیں۔سید انیس شاہ جیلانی کی خاکہ نگاری کے اثاثہ میں ''آدمی غنیمت ہے''اور''آدمی آدمی انتر'' شامل ہیں۔

اُردو میں خاکہ نگاری کی روایت میں آغا حیدر حسن، محمد عبدالرزاق کانپوری، محمد شفیع دہلوی، شیر احمد ہاشمی، خواجہ غلام السیدین، عبدالرزاق کانپوری، عبدالماجد دریابادی، جینندکمار، بشیر احمد ہاشمی، فکر تونسوی، شوکت تھانوی، اشرف صبوحی، دیوان سنگھ مفتوںؔ، مالک رام، ڈاکٹر اعجاز حسین، چراغ حسن حسرتؔ، تمکین کاظمی، غلام احمد فرقتؔ، محمد طفیل، عبدالمجید سالک، صباء الدین احمد برنی، شاہد احمد دہلوی، علی جواز زیدی، عطاالحق قاسمی، محمد شفیع دہلوی، ابوالفضل صدیقی، اسد رضا، عزیز اندوروی، یوسف ناظم، مخمور سعیدی غضنفر، ابن کنول، صفدر امام قادری، مشرف عالم ذوقی، مشتاق احمد یوسفی، مخدوم محی الدین اور دیوندر ستیارتھی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

''اُردو کے بہترین شخصی خاکے''

مبین مرزا نے ''اُردو کے بہترین شخصی خاکے'' کے عنوان سے اردو ادب کے ستر بہترین خاکوں کو ترتیب و تالیف کیا ہے۔تحقیق و تجزیہ کے لئے آنے والے زمانوں میں اِس نوع کے محفوظ و مترتب ادب کو خزائن کی اہمیت حاصل ہوگی۔

جلداول

عنوان	خاکہ نگار	عنوان	خاکہ نگار
شمع محفل (سید راس مسعود)	خواجہ غلام السیدین	ملک الشعراء، خاقانی ہند، شیخ ابراہیم ذوقؔ	محمد حسین آزاد
ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی	مرزا فرحت اللہ بیگ	نام دیو مالی	مولوی عبدالحق
میرن صاحب	آصف علی	کندن	رشید احمد صدیقی
پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی	پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی	منشی پریم چند	جے نند کمار
مولانا محمد علی	مولانا عبدالماجد دریابادی	نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی	جوش ملیح آبادی
آغا حشر	چراغ حسن حسرت	مولانا حیدر حسین خاں	رئیس احمد جعفری
مولانا گرامی (مولانا غلام قادر)	عبدالمجید سالک	مصورِ غم علامہ راشد الخیری	ملا واحدی
عندلیب شادانی	شوکت سبزواری	عبدالمجید سالک	شورش کاشمیری
سنگار پور کا میجر حسرت	سید ضمیر جعفری	سر اٹھایا تھا کہ سنگ یاد آیا (نہال سیہواروی)	اخلاق احمد دہلوی
چودھری محمد علی ردودوی	انیس قدوائی	سنھو بھٹیارہ	اشرف صبوحی دہلوی
ہندوستان کا مام دین (سوامی پارس ناتھ جی)	دیوان سنگھ مفتون	مری کی دُھن (شیام)	سعادت حسن منٹو
راشد چند یادیں	غلام عباس	دوزخی (عظیم بیگ چغتائی)	عصمت چغتائی
منٹو میرا دشمن	اوپندر ناتھ اشک		

دوسری جلد

عنوان	خاکہ نگار	عنوان	خاکہ نگار
جی.جی.جی (دیوند، ستیارتھی)	میرزا ادیب	باندی (اماں)	ممتاز مفتی
سید امتیاز علی تاج	شوکت تھانوی	میر ناصر علی	شاہد احمد دہلوی
جگر مراد آبادی	مالک رام	مولانا صلاح الدین احمد	عاشق حسین بٹالوی

یادایام صحبت فانی	تابش دہلوی	ممتاز حسن	جلیل قدوائی
عابد صاحب	محمد طفیل	سید سجاد حیدر یلدرم	قرۃ العین حیدر
فالتو آدمی (زاہد ڈار)	انتظار حسین	ایک دوست کا مرقع (احمد ندیم قاسمی)	محمد خالد اختر
کنہیالال کپور	فکر تونسوی	فراق صاحب سے میری ملاقاتیں	گیان چند
بسمل سعدی ٹونکی	نثار احمد فاروقی	ان داتا (کرشن چندر)	فارغ بخاری
ساحر لدھیانوی	حافظ لدھیانوی	شاہد احمد دہلوی	صادق الخیری
مینا کماری	خواجہ احمد عباس	سچا اور سچا قہقہہ (ابراہیم جلیس)	رحیم گل
لذت آشنائے تلخی دوراں (شوکت)	ڈاکٹر اسلم فرخی	ابا جان مرحوم (محمد اقبال)	داؤد رہبر
سروجنی نائیڈو	آغا حیدر حسن		

تیسری جلد

ہمارے مولوی صاحب (مولوی عبدالحق)	حمیدہ اختر حسین رائے پوری	سراج الدین خان سائل	جمیل الدین عالی
استاد رسا دہلوی	ڈاکٹر خلیق انجم	محمد حسن عسکری	ڈاکٹر آفتاب احمد
سید سبط حسن	حمید اختر	رسالہ در معرفت ابنِ انشا	مشفق خواجہ
فیض احمد فیض	ساقی فاروقی	چھپن چھری (کشور ناہید)	احمد بشیر
پورٹریٹ (اطہر نفیس)	اسد محمد خاں	صادقین رنگ ونور کا آدمی	مجتبیٰ حسین
چچی (محمد النساء)	اسلم پرویز	انگنا کہار	سید ضمیر حسن دہلوی
میراجی	سحاب قزلباش	اُپندر ناتھ اشک	کوشلیا اشک
نظیر صدیقی مرحوم	نظیر صدیقی	جوگی (احمد بشیر)	یونس جاوید
منٹو ماموں	حامد جلال	ڈاکٹر زور شخصیت	ڈاکٹر رحیم الدین کمال
بھائی ابا (یگانہ چنگیزی)	بلند اقبال بیگم (بنت یگانہ)	بھاء جی (اختر شیرانی)	پروفیسر مظہر محمود شیرانی
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ	انور ظہیر خاں		

''سات آسمان''

سات کلاسیکی شاعروں کے ادبی خاکے

خاکہ نگار: ڈاکٹر اسلم فرخی

SHEHERZADE

عنواناتِ

عنوان خاکہ	عنوان خاکہ	عنوان خاکہ	عنوان خاکہ
حامداًومصلیاً	میر تقی میر	مرزا محمد رفیع سودا	خواجہ میر درد
غلام ہمدانی مصحفی	خواجہ حیدر علی آتش	شیخ امام بخش ناسخ	محمد ابراہیم ذوق
حامداومصلیاً	میر تقی میر	مرزا محمد رفیع سودا	خواجہ میر درد
غلام ہمدانی مصحفی	خواجہ حیدر علی آتش	شیخ امام بخش ناسخ	محمد ابراہیم ذوق

''یادگارِ زمانہ تھے جو لوگ''

ڈاکٹر انوار احمد

بک کارنر جہلم

عنوان خاکہ	عنوان خاکہ	عنوان خاکہ	عنوان خاکہ
حضرت جی ۔۔۔۔بنام حسین بخش!	بیگم بی بی بقلم خود	دو عجیب وغریب میاں بیوی، ایک عبرت ناک لوسٹوری	باجی راحت، امید کی پہلی مشعل
پروفیسر خلیکل صدیقی !میری محبوب شخصیت!	سید صفدر امام ۔۔۔۔فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں تھا مردِ خلیق	عرش صدیقی ۔۔۔۔شعور و ادراک کے پرچارک جذباتی انسان	ظفر اقبال فاروقی ۔۔۔۔ایک رندِ پارسا
سید افتخار حسین شاہ ۔۔۔۔دیانت، محنت اور طولِ کلام کی مثال	فرمان فتح پوری ۔۔۔۔اُردو علم و ادب کا ایک رومانوی کردار	ڈاکٹر سلیم اختر ۔۔۔۔ایک ملتانی شاگرد کی یادداشت میں	نصیرالدین صدیقی ۔۔۔۔ایک اُجلی روح

کتابوں والے، غصے والے، محبت والے لطیف عارف	پیار کو ترسنے والے پیارے فتح محمد ملک	ڈاکٹر احمد بختیار اشرف۔۔۔۔ایک خوش خیال پاکستانی تُرک	ایک غیر معمولی تخلیق کار اور نقاد اسلم انصاری
’نیلے پانیوں کی نیند‘ کا شاعر فرخ درانی	ڈاکٹر سید شمیم حیدر ترمذی۔۔۔۔محبت کی پھوار	میرے ایک شفیق معلم عبدالخالق عزمی	مہر گُل محمد۔۔۔۔ملتان کا دم دمہ
ملتان شہر یست در نواحِ ارشد ملتانی	مرزا ابنِ حنیف۔۔۔۔خرابوں کا محرمِ راز	حسن رضا گردیزی۔۔۔۔ایک افسانوی کردار	ہمارا پپو، اصغر ندیم سید۔۔۔۔ایک شاعر کی واپسی
سید محسن نقوی اور بے پایاں زندگی	مجلسی آدمی کی تنہائی کی مثال، مبارک احمد مجوکہ	فخر بلوچ، فخر عباس۔۔۔۔نہ نغمہ باقی نہ شادیانے	ملت کے مقدر کا ستارہ فیاض احمد حسین
نعیم چودھری ایمرسن کالج ملتان کی پکی پکی نشانی	احمد خان درانی۔۔۔۔خان بابا	شبیر حسن اختر ستارے نہیں ڈوبتے	ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ۔۔۔۔اپنے ہم زاد سے رقابت
خالد سعید: ایک نیم اساطیری ڈراما	ڈاکٹر انوار نسیم، ادب اور سائنس کی بائیوٹیکنالوجی	زبان و ادب کا ملامتی عاشق، ڈاکٹر شاہ محمد مری	کریم ملک۔۔۔۔مستاجری پر دیا ہوا ایک کھیت
سنگ رس کا سنگ تراش، غلام سرور	بے نظیر بھٹو سے خلقِ خدا کا انمٹ لگاؤ	ڈاکٹر احمد فاروق مشہدی، ایسا کہاں سے لائیں؟	ڈاکٹر آسمان بیلن کے لیے زمیں زاد کے چند محبت بھرے حرف
شائستہ جمال! ’اگلے جنم، موہے بٹیا ہی کیجو‘	ڈاکٹر عطا میراں	ایک بن لکھی رزمیہ اور جسٹس شبیر احمد	ڈاکٹر بشیر انور: خوش باشی کی ایک افسردہ مثال
حمید اختر سپاہِ دانش کا بہادر سپاہی	سید ریاض حسین زیدی، ایک فراخ دل استاد	میاں محبوب جیلانی، کوئی اسے میری طرح کیوں نہیں جانتا؟	موت کی دستک، استاد کے درِ دل پر، فیض مصطفیٰ

سید شبیر حسن شاہ، فرقہ
پسند تنظیم کا معصوم نشانہ

دس یادگار شخصی خاکے

مرتّبہ: ڈاکٹر انوار احمد

فکشن ہاؤس لاہور

خاکہ نگار	عنوان خاکہ نگاری	خاکہ نگار	عنوان خاکہ نگاری
مرزا فرحت اللہ بیگ	مولوی نذیر احمد کی کہانی: کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی	چراغ حسن حسرت	آغا حشر
سعادت حسن منٹو	مُرلی دھرن	عصمت چغتائی	دوزخی
حمیدہ اختر حسین رائے پوری	ہمارے مولوی صاحب	کنہیالال کپور	پیرو مرشد
بیگم زبیدہ خلیل صدیقی	یادِ ماضی (پروفیسر خلیل صدیقی ،مرحوم)	آصف فرخی	فہمیدہ ریاض: اِس ڈھلی شام کا حاصل کیا ہے
ڈاکٹر انوار احمد	عرش صدیقی: شعور وادراک کے پر چارک جذباتی انسان		

''آجکل اور غبارِ کارواں''

خودنوشت سوانح عمریاں

مرتبہ: محبوب الرحمٰن فاروقی، محمد کاظم

پبلی کیشنز ڈویژن وزارتِ اطلاعات ونشریات حکومتِ ہند 2000ء

محبوب الرحمٰن فاروقی اور محمد کاظم کی مرتبہ کتاب میں تینتیس خودنوشت سوانح عمریاں ترتیب دی گئی ہیں۔ اِن تحریروں کے متعلق دلچسپ انکشاف تو یہ ہے کہ لکھنے والا اپنے ہی بارے میں تحریر کرتا ہے۔ دوسرے اِن کی ساخت، موضوعات اور مزاج خودنوشت سے زیادہ خاکہ آرائی کا ہے۔ خودنوشت کی ''تاریخیت'' کی بجائے شخصیت نگار اپنے حالات یا نفسیاتی کیفیات کا انکشاف کرتے ہیں۔ ساختی لحاظ سے ''آج اور کل غبارِ کارواں'' کی خودنوشتیں خاکہ نگاری کی

بہترین مثالیں ہیں۔ اِس کتاب کے عنوانات میں خاکہ نگاروں نے اپنے اسماءِ گرامی ہی کو عنوان کیا ہے۔

خاکہ نگار اور عنوانات

صالحہ عابد حسین	اختر اورینوی	گیان چند جین	جمیل مظہری
مسعود حسین خاں	عبدالماجد دریابادی	اعجاز حسین	اسلوب احمد انصاری
عصمت چغتائی	فراق گورکھپوری	جوش ملسیانی	جگن ناتھ آزاد
سعید احمد اکبرآبادی	محمد حسن	عرش ملسیانی	حمیدہ سلطان
خواجہ احمد عباس	گوپی ناتھ امن	امجد نجمی	میکش اکبرآبادی
وحید اختر	علی محمد لون	سلام مچھلی شہری	سہیل عظیم آبادی
ہنسراج رہبر	شمس الرحمٰن فاروقی	مالک رام	علی جواد زیدی
کوثر چاندپوری	دوارکا داس شعلہ	گوپال متل	انیس قدوائی
مدن گوپال			

خواجہ احمد فاروق نے ''یادِ یارِ مہرباں کے عنوان سے گیارہ خاکے تخلیق کئے۔

سر تیج بہادر سپرو	آصف علی مرحوم	مردِ آزاد	صدیقی مرحوم
پنڈت جوہرلال نہرو	مولانا حامد حسن قادری	سیدین صاحب	راجہ جی
ڈاکٹر تارہ چند	مولوی عبدالحق	ذاکر صاحب	

''یادِ یارِ مہرباں'' کی کتاب پر سنِ اشاعت یا اشاعتی ادارہ نامعلوم ہے۔

سید انیس شاہ جیلانی کے مرتبہ خاکے

(غیر معیاری خاکے)

عنوان خاکہ نگاری	خاکہ نگار	عنوان خاکہ نگاری	خاکہ نگار
یونہی	سید انیس شاہ جیلانی	ایوب	رشید احمد صدیقی
قاضی احسان احمد شجاع آبادی	سید انیس شاہ جیلانی	علامہ اقبال	ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
جوش ملیح آبادی	شاہد احمد دہلوی	حیرت شملوی	جلیل قدوائی
دیوندر ستھیارتھی	پرکاش پنڈت	رئیس امروہوی	سید انیس شاہ جیلانی

سید محمد تقی	ڈاکٹر عالیہ امام	مولوی عبدالسلام ندوی	صباح الدین عبدالرحمٰن
غالب	گیان چند	غلام قادر گرامی	مولوی عبدالحق
نظیر صدیقی	فرحت پروین ملک		

حوالہ جات

1۔مرزا فرحت اللہ بیگ، ''ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی''ص5، مشمولہ 'مضامین فرحت' حصہ اول، عزیز احمد پبلشر، لاہور)۔

2۔سلیمان اطہر جاوید، ''رشید احمد صدیقی: شخصیت اور فن''، ص220 نیشنل بک ڈپو حیدر آباد)

3۔ڈاکٹر محمد عمر رضا، ''اردو میں سوانحی ادب''ص337، فکشن ہاؤس، لاہور، 2012)

4۔صابرہ سعیدی، ''اُردو ادب میں خاکہ نگاری''، ص61 علی گڑھ ایجوکیشنل ڈپو)

5۔ڈاکٹر آفرین شبّر، ''اردو میں خاکہ نگاری''، ص21-16، موہن لال، سُکھڈیہ یونیورسٹی، اودے پور، انڈیا، 2020)

6۔محوّلہ: نثار احمد فاروقی ''اردو ادب میں خاکہ نگاری، دید و دریافت، ص20 آزاد کتاب گھر، دہلی)

7۔محمد حسین آزادؔ ''آبِ حیات''، ص196، اتر پردیش، اردو اکادمی، لکھنؤ 1885ء)

کتابیات

1۔رام لعل ''سید احتشام حسین''۔دریچوں میں رکھے چراغ، دہلی اے ون آفیسٹ، پرنٹرز، 1991

2۔نثار احمد فاروقی ''اردو ادب میں خاکہ نگاری، دید و دریافت، دہلی آزاد کتاب گھر

3۔آب حیات، محمد حسین آزاد، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ 2003ء

4۔اردو ادب میں خاکہ نگاری، صابرہ سعدی، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔

5۔پس پردہ مجموعہ مضامین جناب آغا حیدر صاحب دہلوی، مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

6۔مولوی عبدالحق ادبی اور لسانی خدمات، خلیق انجم، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی

7۔صابرہ سعدی، اردو ادب میں خاکہ نگاری، حیدرآباد ع، سعر وحکمت

8۔مولانا عبدالماجد دریابادی خدمات آثار، مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

9۔منٹونامہ، جگدیش چندر ودھان، کتابید نیا دہلی، 2003

10۔ملک آزاد کے شہزادے، ڈاکٹر اعجاز حسین، کارواں پبلیشرز، الہ آباد

11۔یاران کہن، عبدالمجید سالک، مطبوعات چٹان

12۔ممتاز مفتی، ''پیاز کے چھلکے، راولپنڈی نیشنل پبلشنگ ہاؤس 1968
13۔وہ صورتیں الٰہی، مالک رام، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی
14۔''آب حیات''، مولوی محمد حسین آزاد، کاک آفسیٹ پرنٹرس دہلی، 2004
15۔آدمی نامہ، مجتبیٰ حسین، حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد، 1981
16۔آپ کی تعریف، رعنا فاروقی، مکتبہ ہم زبان، کراچی، 1989
17۔آشفتہ بیانی میری، رشید احمد صدیقی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، نئی دہلی، 1965
18۔آپ بیتی رشید احمد، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، کوہ نور پریس، دہلی، 1977
19۔اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر سنبل نگار، ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم، 2015
20۔اردو خاکہ نگاری محمد حسین جامی، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، 2010
21۔اردو ادب میں طنز، ڈاکٹر وزیر آغا، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1990
22۔اردو ادب میں خاکہ، صابرہ سعیدی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،
23۔چند ہم عصر، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1909
24۔آزادی کے بعد دلی، پروفیسر شمیم حنفی، اردو اکادمی، دہلی، 1991
25۔دید و دریافت، نثار احمد فاروقی، آزاد کتاب گھر کلاں محل دلی، 1964
26۔چہرے، ندا فاضلی، معیار پبلی کیشنز، گیتا کالونی، دہلی، 2006
27۔چند ادبی شخصیتیں، شاہد احمد دہلوی، موروڈن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 1983
28۔چہرہ در چہرہ، مجتبیٰ حسین، نئی آواز، جامعہ نگر دہلی، 1993
29۔حلیے اور خاکے، غیور حسین، احسان لیتھو پریس، دانشمندان، 1980
30۔دہلی کی یادگار شخصیتیں، محمد امداد صابری، جمال پریس چھتہ شیخ، 1987
31۔سائے ہم سائے، یوسف ناظم، معظم جاہی مارکیٹ، 1957
32۔ادبی اور لسانی تحقیق، پروفیسر عبدالستار دہلوی، شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی بمبئی، 1984
33۔اڑتے خاکے، سید ضمیر جعفری، جہلم، پاکستان، 1978
34۔دہلی کی چند عجیب ہستیاں، اشرف صبوحی دہلوی، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، 1943
35۔سو ہے وہ بھی آدمی، مجتبیٰ حسین، حسامی بک ڈپو مچھلی کمان حیدرآباد، 1987
36۔شیخ نیاز، رشید احمد صدیقی، سرسید بک ڈپو، علی گڑھ یوپی، 1958
37۔طنزیات و مضحکات، رشید احمد صدیقی، ہندوستانی اکادمی الہ آباد، 1934
38۔ذکر خیر، یوسف ناظم، نئی آواز، جامعہ نگر نئی دہلی، 1982

39۔عصمت چغتائی،سعادت حسن منٹو،قادری پریس نور منزل،محمد علی روڈ،بمبئی،1948
40۔عبدالحق،مختارالدین احمد،ساہیہ اکادمی،دہلی،1984
41۔خدوخال(خاکے)فکر تونسوی،لاجپت رائے اینڈ سنز دہلی،
42۔فکر تونسوی:شخصیت،سیدنصیرالدین،زندہ دلان،معظم جاہی مارکیٹ،1980
43۔کیا خوب آدمی تھا،ڈاکٹر سید عابد حسین،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،جامعہ نگر دہلی،1976
45۔گنجے فرشتے،سعادت حسن منٹو،چودھری رشید احمد،لاہور،پاکستان،1993
46۔گنجہائے گرانمایہ،رشید احمد صدیقی،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،جامعہ نگر دہلی،1976
47لاؤڈاسپیکر،سعادت حسن منٹو،ساقی بک ڈپو،دہلی،1993
48۔ہم نفسان رفتہ،رشید احمد صدیقی،دارالمصنفین،اعظم گڑھ،1958
49۔وہ صورتیں الٰہی،مالک رام،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،نئی دہلی،1974
50۔منتخب سوانح اور خاکے،سید نجم الدین،انوار بک ڈپو،لکھنو،1967
51۔مجتبیٰ حسین بحثیت،ڈاکٹر افسر کاظمی،موڈرن پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2004
52۔ہم نفسوں کی بزم میں،شمیم حنفی،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،نئی دہلی،2006
53۔یادِرفتگاں،سید سلیمان ندوی،مکتبہ الشرق کراچی،پاکستان،1955
54۔یاران تیز گام،کشمیری لال ذاکر،ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ،2006
56۔شاہد احمد دہلوی،پروین الٰہی سامی بک ڈپو اردو بازار،دہلی،1988
57۔رشید احمد صدیقی،ڈاکٹر احمد امتیاز،ایم آر پبلی کیشنز،دہلی،2011
58۔رشید احمد صدیقی،مرتبہ مالک رام،علمی مجلس،دہلی،1975
59۔شیش محل،شوکت تھانوی،ندارد
60۔دریچوں میں رکھے چراغ،رام لعل،شانتی نکیتن لکھنو،1991
61۔تذکرہ معاصرین،مالک رام،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،نئی دہلی،1976
62۔اردو کے منتخب خاکے،یوسف ناظم،انجمن ترقی اردو ہند،نئی دہلی،2007
63۔خاکہ نگاری اردو ادب میں،ڈاکٹر انیس صدیقی،عرشیہ پبلی کیشنز،دہلی،2016
64۔تذکرۃ الخواتین،مولوی عبدالباری آسی،منشی نولکشور،لکھنو،1969
65۔جانے والوں کی یاد آتی ہے،صالحہ عابد حسین،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،نئی دہلی 1974
66۔چند تصویر بتاں،شمیم احمد،مکتبہ شاہراہ،اردو بازار،دہلی،1966
67۔منٹو کی خاکہ نگاری،صوفیہ شیریں،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2021

68۔خوش رنگ چہرے،غضنفر،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2018

69۔سرخ رو،غضنفر،کتابی دنیا،2010

70۔روئے خوش رنگ،غضنفر،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ جامعہ نگر،دہلی،2014

71۔مجتبیٰ حسین بحیثیت مزاحیہ خاکہ نگار،ارشاد آفاقی،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2015

72۔عصمت چغتائی کی غیر،ڈاکٹر محمد اشرف،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2009

73۔انشائیہ کے فنی سروکار،ڈاکٹر احمد امتیاز،ایم آر پبلی کیشنز،نئی دہلی،2016

74۔مرزا فرحت اللہ بیگ،نامی انصاری،ساہتیہ اکادمی،2001

75۔ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی ''کچھ ان کی کچھ میری زبانی''،مرزا فرحت اللہ بیگ،انجمن ترقی اردو ہند دہلی،2015

76۔مضامین فرحت اللہ بیگ،ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی،القمر انٹر پرائزرز اردو بازار لاہور،1999

77۔دلی جو ایک شہر تھا،فیاضی رفعت،تخلیق کار پبلشرز،دہلی،

78۔منٹو نامہ جگدیش چندر ودھان،کتابی دنیا،1989

79۔آپ بیتی مولوی عبدالحق،سید معین الرحمٰن

80۔میری داستان،مرزا فرحت اللہ بیگ،مرزا شرافت اللہ بیگ،1977

81۔یارانِ کہن،عبدالمجید سالک،مطبوعات چٹان،لاہور،ندارد

82۔نیگیٹیو سے پازیٹیو تک،ڈاکٹر عزیز اندوروی،دگ درشن آفسیٹ پریس اندرو،1934

83۔پوسٹ مارٹم رپورٹ،عبدالعہد خاں،علوی پریس،بھوپال،1961

84۔پودے،کرشن چندر،مکتبہ سلطانی بمبئی،1947 مجتبیٰ حسین کے سفرنامے،مجتبیٰ حسین،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2003

85۔دلی کی چند عجیب ہستیاں،اشرف صبوحی،مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ،نئی دہلی،1989

86۔قطع کلا،مجتبیٰ حسین،نیشنل بکڈ پو مچھلی کمان حیدرآباد،1970

87۔علیک سلیک،یوسف ناظم،سا بک پبلشنگ ہاؤس مالیگاؤں،2006

88۔مت سہل جانو،انور ظہیر خاں،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ جامع نگر نئی دہلی،1996

89۔چہرے جانے انجانے،ڈاکٹر شفیقہ فرحت،مدھیہ پردیش اردو اکادیمی بھوپال،2005

90۔دہلی کی آخری شمع،مرزا فرحت اللہ بیگ،رشید خاں،1992

91۔''یادِ یارِ مہرباں'' خواجہ احمد فاروقی

سوانحی ادب اور ڈائری: روز نامچہ

لوگوں کا اپنے ماحول میں جن واقعات سے سامنا ہوتا ہے ،اُن کی یاداشتیں رکھنا بھی بعض لوگوں کو عزیز ہوتا ہے۔اِس طرح فرد کی ذاتی زندگی اور معاملات سے لے کر معاشرتی خوشیوں اور سانحات تک ڈائری یا روز نامچہ میں تحریر کیا جاتا ہے۔ڈائری کا سب سے اہم خاصا تو یہ ہے کہ اُس کا لکھنے والا ایک ہی ہوتا ہے :اپنے ذاتی خیالات تحریر کرتا ہے: اُس کے خیالات اور تحریر کے ماحول میں کوئی شرکت نہیں کرتا: اُس کی تحریر اُسی کے لئے خاص ہوتی ہے۔وہ اپنی تحریر میں خود تو موجود ہوتا ہی ہے اور اپنے علاوہ بہت سے انفرادی اور سماجی کرداروں ، واقعات اور معاملات کو بھی شامل کرتا ہے۔اِس طرح ڈائری اپنے وسیع نفسِ مضمون کے باوجود لکھنے والے کے ذاتی اظہارات کا مجموعہ ہوتی ہے۔لکھنے والا اپنی باتوں کو پوشیدہ، محجوب، راز دارانہ اور پُر اسراریت کے ماحول میں رکھتا ہے۔گویا وہ اپنی تحریر کے راز میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔پھر بھی خاص وجوہات کی بنا پر کچھ روز نامچے شائع ہو جاتے ہیں۔عام طور پر ایسی اشاعتیں لکھنے والوں کی حیات کے بعد منظرِ عام پر آتی ہیں۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی صاحبِ قلم روز نامچہ اِس خیال سے لکھتا ہو کہ وہ اُسے شائع کرائے گا۔اِس طرح کی ڈائری میں پیشگی اور شعوری فیصلے ہوتے ہیں کہ لکھنے والا کیا لکھے اور کیا نہ لکھے۔گویا معاشری شرائط کی پابندی ڈائری کے ماحول میں شامل ہو جاتے ہیں۔مثال کے طور پر اختر انصاری دہلوی کی ''ادبی ڈائری'' تحریر کئے جانے سے پہلے اپنے مصنف کے پیشگی کے فیصلہ کی حدود و قیود میں آجاتی ہے۔خط نویسی میں لکھنے والا تو ایک ہی ہوتا ہے اور اپنے بہت ہی ذاتی خیالات کا اظہار کرتا ہے مگر اُس خط کا حصہ دار مکتوب الیہ بھی ہوتا ہے۔ایسے خطوط شائع بھی ہو جاتے ہیں۔ڈائری کی ذاتی راز داری اُس کی بہت بڑی شرط ہے جب کہ خط میں مکتوب الیہ ،مکتوب نگار کا حصہ دار ہوتا ہے۔سوانح عمری میں لکھنے والا کوئی اور ہوتا ہے اور مذکورہ کردار کوئی اور۔تحریر کرنے والے کو پیشگی علم ہوتا ہے کہ اُس کی تحریر بہت سے لوگوں کے مطالعہ میں آئے گی۔اِس کے متعلق وہ اپنے رویّوں اور ترجیحات کے خاص فیصلے بھی کرتا ہے۔خود نوشت میں سوانح نگار اپنی ہی زندگی اور خیالات کو پیش کرتا ہے مگر وہ بھی اِس یقین کے ساتھ کہ اُس کی تحریر شائع ہو کر مطالعہ کاروں تک پہنچ سکتی ہے۔اِس لیے وہ بھی اپنے رویّوں اور ترجیحات کو مستقبل میں لوگوں کی شراکت داری کے یقین سے متعین کرتا ہے۔سفر نامہ نگار کو بھی ڈائری نگار کی سی اظہار کی ذاتی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ہاں البتہ سفر نامہ نگار اپنے سفر کے حقائق ،تاریخی حوالہ جات، علاقائی ثقافتوں کے اظہار میں زیادہ موضوعی نہیں رہتا بلکہ اُسے اِس حوالہ سے کافی معروضی رویّہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔اِس مختصر موازنہ سے ڈائری کا مزاج بہت ہی ذاتی ،خاص، راز دارانہ، پُر اسرار اور محفوظ ہوتا ہے۔تاہم اشاعتوں کے بعد اِس طرح کی تحریروں کے تجزیہ سے بہت سے درُوس و اسباق حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ڈاکٹر عمر رضا اِس موضوع پر رقم طراز ہے:۔

''روز نامچہ میں شعور اور وجدان ، داخلیت اور خارجیت ،
مقصدیت اور جمالیاتی کیفیت ، ابہام اور ترسیلی قوت ایک دوسرے میں
تحلیل ہو کر ایک تخلیقی اکائی کو جنم دیتے ہیں ۔ البتہ مقصد ، ماحول ، مصنف ،
میڈیم اور دوسرے محرکات کی روشنی میں ان عناصر اور اجزا میں کمی وبیشی
ہوتی رہتی ہے اور اسی نسبت سے کیفیت وکمیت کا رنگ و آہنگ بھی بدلتا
رہتا ہے۔''1

ڈاکٹر عمر رضا کا روز نامچہ کا تصور شخصیت کی دُرونیت پر مبنی ہے۔ ڈائری چونکہ تحریر کرنے والے کے ذاتی احساس و بیان کا نتیجہ ہوتی ہے اِس لئے ڈائری میں لکھنے والے کا مزاج موضوعی subjectiv اور دَرُونی interoversial رہتا ہے۔ مگر ایسی کوئی تحریر اپنے ماحول و معاشرہ کے تعلق کے بغیر نہیں ہوتی۔ یہ ضرور ہے کہ تحریر کرنے والے کا اپنے احساسات کا اظہار بہت ہی ترجیحی ہوتا ہے۔ لکھنے والا اپنی اَنا کی خدمت خاطر بھی کرتا ہے۔ اُسے یہ آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی اَنائی تسکین حاصل کر سکے۔ اِس عمل میں کچھ باتیں یا اظہارات جھوٹ یا سچائی سے اُوپر تلے یا باہر اندر بھی ہو سکتے ہیں۔ وہاج الدین علوی اِس موضوع پر لکھتے ہیں:۔

''نثری ادب میں روز نامچہ نگاری اظہار ذات کے لیے
موزوں سمجھی جاتی ہے۔ چوں کہ ایسا ادب خود بینی یا خود نمائی کی خواہش پر
مبنی ہوتا ہے اور بالخصوص سوانحی ادب میں یہ عنصر زیادہ پایا جاتا ہے اور
روز نامچے کی تحریر کا محرک بھی یہی جذبہ ہے۔ اگر چہ واقعات اور حادثات
کا تعلق براہ راست روز نامچہ نگاری کی ذات سے معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن ان
واقعات کی تہہ میں جھانکنے سے روز نامچہ نگاری کی رائے کے تجزیے سے
یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روز نامچہ کا بنیادی محرک شعوری یا غیر شعوری
طور پر روز نامچہ نگار کی ذات ہے، اظہار ذات یا خواہش خود بینی ہے اور
یہی وہ خصوصیت ہے جو روز ناچوں اور ڈائریوں کی خود نوشت سوانح
نگاری کے فن سے قریب کرتی ہے۔''2

وہاج الدین علوی ڈائری لکھنے والے کی داخلیت introversy کے ساتھ ساتھ خارجیت extroversy کا متوازن نظریہ پیش کرتے ہیں۔ کوئی فرد معاشرہ کے حوالہ کے بغیر اپنے ہونے کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ معاشرہ اور فرد ماں باپ اور اولاد کے رشتوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اِس لئے صنفِ سُخن ڈائری یا روز نامچہ بھی لکھنے

والے اور اُس کے معاشری ماحول سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہوتا ہے۔

سید شاہ علی اِس موضوع پر تحریر کرتے ہیں:۔

''روز نامچہ نگاری میں بھی اسی قدر تنوع پایا جاتا ہے جس قدر کہ فطرت انسانی میں۔ کسی ناول یا افسانے کے انجام کی طرح اس کی دلچسپی بھی سب سے زیادہ مستقبل سے نا آگہی میں مضمر ہوتی ہے جو مصنف کے ذہنی عمل اور ردعمل کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی لیے روز نامچہ نگاری کے لیے کسی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ ادبیت کے اظہار کی۔ لیکن ایک جزو جس چیز پر زور دینا ضروری ہے، وہ ایجاز اختصار ہے۔ طوالت لکھنے والوں اور پڑھنے والوں دونوں کے لیے دردسر کا باعث بن جاتی ہے اور اظہار مطلب کے لیے بھی طوالت غیر ضروری بلکہ مضر ہے۔''3

روز نامچہ نگار تاریخ، ثقافت، معاشرہ اور اپنے عہد کے متعلق موضوعات پر لکھ سکتا ہے۔ مگر یہ شرط لازم نہیں کہ ہر کوئی اِس کا پابند ہو۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ زیادہ تر ڈائریاں سماجی موضوعات رکھنے کے باوجود ذاتی نوعیت ہی کی ہوتی ہیں۔ بہت کم لکھنے والوں کو تحریر کرتے وقت شعوری ادراک ہوتا ہے کہ اُن کی ڈائریاں شائع کی جائیں گی۔ زیادہ تر ڈائریاں نہ صرف بہت ہی ذاتی personal ہوتی ہیں بلکہ لکھنے والوں کو اُن کی اشاعت سے زیادہ غرض بھی نہیں۔ اِس طرح کی بعض اہم ڈائریوں کو مصنف کی زندگی کے بعد یا اُس کی زندگی میں اجازت سے شائع بھی کیا جا سکتا ہے۔ بعض ڈائری نگار یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اُن کی ڈائری اُن کی زندگی کے بعد شائع کی جاسکتی ہے۔ دراصل شائع کرنے کے تصور سے ڈائری کی ذاتی اور سماجی تفریق نے فاصلہ طویل تر ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ڈائریاں تحریر کرتے ہیں اُن سب کے متعلق اطلاعات تو حاصل نہیں کی جاسکتیں۔ ہاں البتہ جو نمایاں ہوتے ہیں اُن کی ڈائریاں منظرِ عام پر آسکتی ہیں۔ اردو ادب میں ڈائریوں، روز نامچوں کی زیادہ حصہ داری اِس لئے نہیں ہے کہ اُن سب کی اشاعت ممکن نہیں ہوسکتی۔ تاہم اردو ادب کے اثاثہ میں روز نامچہ کی بہت اچھی مثالیں مل جاتی ہیں۔ مولوی مظہر علی سندیلوی 1911ء میں مکمل ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی نے اِس روز نامچہ کو چالیس برس بعد 1954ء شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ روز نامچہ سات ہزار سات سو نناوے صفحات پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر ہاشمی اِس موضوع پر رقم طراز ہیں:۔

''تاریخی اور تمدنی حیثیت سے قطع نظر یہ ایک مکمل سوانح عمری ہے۔ مولوی صاحب کی زندگی کے تمام پہلو مثلاً سعی روزگار، ترقی کی کوشش، زمانے کی سازگاریاں اور ناسازگاریاں، اپنا کیریکٹر، خیالات،

عادات واعتقادات، اپنی خوبیاں اور کمزوریاں غرضیکہ ان کی زندگی کا ہر
گوشہ اجاگر ہے۔مولوی صاحب سال کے اختتام پر اپنی زندگی کا محاسبہ
اور دنیا کے حالات پر تبصرہ ضرور کرتے ہیں۔تبصرے بھی دلچسپی سے خالی
نہیں ہیں۔''4

اختر انصاری کا روزنامچہ ''ادبی ڈائری'' کے عنوان سے 1944ء میں شائع ہوا۔زیادہ تر اِس کتاب کے مندرجات ادیبوں اور اُن کے تخلیق کردہ ادب سے متعلق ہے۔خواجہ احمد عباس نے ''مسافر کی ڈائری'' کے عنوان سے تحریر کی۔یہ روزنامچہ خواجہ احمد عباس کا سفرنامہ بھی قرار دیا جاتا ہے۔اُنہوں نے یورپ، امریکہ، چین اور جاپان تک کی مسافرت کی اور اپنے خیالات کو اِس دوران مجتمع اور منضبط کرنے کا اہتمام کرتے رہے۔خواجہ احمد عباس کی ڈائری سفرنامہ کے مندرجات کے ساتھ ساتھ ذاتی اظہارات کا خوبصورت مرقّع ہے۔خواجہ حسن نظامی بہت ہی معنی خیز اور جمالیاتی نثر کو ڈائری کے متن میں پیش کیا۔وہ اپنے ہنر میں بے مثال ہیں۔خواجہ حسن نظامی ''آپ بیتی'' کے عنوان سے روزنامچہ تحریر کیا۔اُردو ادب میں روزنامچہ یا ڈائری کا اثاثہ زیادہ بسیط نہیں ہے۔انگریزی ادب میں اِس صنف کی تکثیر اس لئے نظر آتی ہے کہ مغرب کے لوگ دن بسر کرنے کے بعد اپنے روزمرہ کا حساب کرتے ہیں۔خاص طور سے برطانوی انگریزوں کے گھروں میں روزنامچہ نویسی کی بچوں میں رسمی عادت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ہندوستان میں بھی رسمی ڈائری نویسی کی روایت انگلستان سے ہی آئی۔عیسائی دنیا میں مذہبی راہنماؤں کا ڈائریاں لکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔پادری نہ صرف اپنے عقائد کی اقدار کو محفوظ کرتے تھے بلکہ مستقبل کے لئے اپنے تجربات کو دستاویزی شکل میں پیش کرتے تھے۔ایولین Evalyne اور پیپس Pepys کے روزنامچوں کو ڈائری کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔1956ء میں بیڈلا نامی پادری نے اِس موضوع پر کتاب لکھی۔آرتھر ویلسن نے بھی روزنامچہ تحریر کیا جسے ڈائری کی صنف کے طور پر مطالعہ کے لئے عالمی قبولیت کا درجہ حاصل ہے۔

ڈائری: روزنامچہ

پروفیسر سویامانے یاسِر

اوساکا یونیورسٹی جاپان

''جاپانی ادب کا آغاز داستانوی ادب یا تاریخی داستانوں کے ساتھ ساتھ چینی ادب کے زیرِ اثر چینی شاعری سے شروع ہوا، جیسے برصغیر میں فارسی ادب کا رجحان تھا۔حاکم طبقے کے لوگ چینی ادب کا طریق کار یا صنف کو اپنا کر چینی شاعری کے انداز میں شاعری کرتے تھے یعنی لوگ، خاص کر مرد رئیس چینی حروف ہی کو استعمال کر کے شاعری یا روزنامچہ لکھتے تھے۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ چینی حروف کا استعمال سرکاری دستاویزات میں ہوا کرتا تھا اور روزنامچے سے مراد

سرکاری دستاویز تھا۔اس لیے سرکاری ملازم کے مرد ہی یہی چینی حروف استعمال کرتے تھے۔مگر اس کے ساتھ ساتھ جاپانی لوگوں نے اپنے مخصوص مقامی وزن میں آوازوں کے اظہار شاعری کرنا شروع کیا۔اس صنف کے لیے جاپانیوں نے اپنی مقامی آوازوں کے اظہار کے لیے اپنے حروف ایجاد کیے اوراس کے نتیجے میں چینی جاپانی دونوں حروف ملا کر لکھنے کا رواج بھی شروع ہوا۔ جیسے اردو والوں نے (یاانگریزوں نے) مقامی آوازوں کے لیے 'ٹ'یا 'ڑ' جیسے حروف مقرر کیے تھے۔ جاپان میں واقعہ ساتویں صدی میں ہوا تھا۔اس زمانے کی نظموں، گیتوں یاروزنامچوں کے مجموعے آج تک موجود ہیں اور ان کا کچھ حصہ ''گلِ صد برگ'' کے عنوان سے اُردو میں بھی ترجمہ ہوکر منزلِ عام تک آ چکا ہے۔

نظمیں اور گیت جاپان میں مرد اور خواتین دونوں لکھتے تھے مگر جیسا کہ ذکر ہوا ہے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ چینی طرز کی شاعری یاروزنامچہ مرد ہی سے لکھا جا سکتا ہے۔یعنی اس زمانے تک روزنامچہ یعنی سرکاری دستاویز، سرکاری حروف یعنی صرف چینی حروف ہی میں لکھا جاتا تھا۔ جاپان میں سب سے پرانا روزنامچہ نویں صدی میں لکھا گیا تھا جو ایک جاپانی افسر نے چین کا سفر کرتے وقت لکھا تھا۔اس کے برعکس اس زمانے میں چینی اور جاپانی حروف دونوں کو ملا کر تحریر کرنے کا حق صرف خواتین کو ہوتا تھا۔ یا تو یوں کہنا درست ہوگا کہ خواتین کو مردوں کی طرح صرف چینی حروف ملا کر روزنامچہ لکھتی تھیں۔ان کا روزنامچہ مردوں والے روزنامچے کی طرح سرکاری دستاویزات سے مختلف تھا یعنی ذاتی معاملے کا ذکر بھی اس میں شامل تھا۔مگر دسویں صدی میں ایک مرد نے آزمائش کے طور پر اپنے آپ کو خاتون بنا کر روزنامچہ کی شکل میں کہانی لکھی یعنی اُنہوں نے جاپانی اور چینی دونوں حروف استعمال کر کے روزنامچے کی شکل میں کہانی لکھی۔اس روزنامچے کا عنوان ''توسانونیکی''،یعنی ''توساشہر کا روزنامچہ'' ہے اوراس کارنامے کے آغاز میں انہوں نے یہ لکھا کہ'' کہا جاتا ہے کہ مرد ہی روزنامچہ لکھتے ہیں مگر اس خاتون نے سوجھی کہ خاتون بھی لکھے۔'' یہ جاپانی ادب میں ایک بڑا موڑ کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔یعنی مرد بھی جاپانی حروف اور چینی حروف ملا کر ذاتی معاملے اور ذاتی خیالات کا اظہار روزنامچے کی شکل میں لکھا، جیسے فارسی کے ساتھ اردو میں بھی شاعری لکھنے کا رواج شروع ہوا تھا۔ یوں جاپانی ادب میں روزنامچے کی شکل میں ذاتی خیالات کا اظہار مقبول ہوا۔آج تک کئی روزنامچے لکھے گئے۔

جاپانی ادب میں روزنامچہ باقاعدہ طور پر ایک منفرد ادبی صنف کے طور پر مانا جاتا ہے۔جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، اس صنف کی تاریخ جاپان میں کوئی ہزار سال سے زائد پرانی ہے۔دسویں صدی میں ادبا یا رئیس روزنامچہ کی شکل میں اپنا اظہار خیال کرتے تھے۔بعض ایسے روزنامچے بھی آ گئے کہ یہ نہ صرف روزنامچہ ہے بلکہ روزنامچے کی شکل میں دستانیں یا اخلاقی مضامین کے طور پر مانے جا سکتے ہیں۔ تیرھویں صدی میں جب جاپان میں بڑا زلزلہ آیا اور دارالحکومت شہر میں آگ لگی تو معاشی حالات بہت خراب ہوئے تو بدھ مت کا ایک پیرا ''Kamo no Chomei کا مونو چومے'' پہاڑی علاقے میں اکیلے جا کر وہاں روزنامچہ لکھتے رہے۔اس کا عنوان ''ہوجوکی Hojoki'' ہے اوراس کا آغاز کچھ یوں ہے ''بہتے دریا کا بہاؤ کبھی رکتا نہیں، دریا میں حباب بنتے ہیں اور ختم ہوجاتے ہیں، دنیا کے واقعے بھی اسی طرح ہوتے ہیں۔'' یہ روزنامچہ دنیا کی نافانی کو فلسفیانہ انداز میں بحث اٹھاتا

ہےاور جاپانی روزنامچہ ادب میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

روزنامچہ ادب کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔یعنی ایک تو واقعی ذاتی والا اور دوسراایسا تخلیق جو روزنامچے کی شکل میں لکھا جائے۔یا لکھنے والے اس توقع پر لکھے کہ یہ آئندہ کسی دوسرے کی نظر سے گزرے۔مرزا غالب کے بعض خطوط میں بھی یہی خصوصیت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے کچھ مصنوعی پن بھی پیدا ہوسکتا ہے۔پھر بھی، روزنامچہ ایک ایسی صنف مانا جاسکتا ہے جو مصنف کے ذاتی معاملہ کا اظہار ہے۔اپنے زمانے کی عکاسی کی وجہ سے تاریخی اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے۔

یہ ایک جرمن خاتون کے تاریخی روزنامچے کا اردو میں ترجمہ ہے جو آپ کے سامنے ہے۔اس کی مصنفہ نے عام زندگی نہیں گزاری بلکہ جدید دور کے ایک موڑ کو اپنی آنکھوں سے، خاص ماحول میں، خاص شخص کے ساتھ دیکھا تھا۔گویہ روزنامچہ بیسویں صدی کا ایک اہم گواہ سمجھا جاسکتا ہے۔جاپان میں بھی ایک روزنامچہ بہت مقبول ہے جسے عام جاپانی میڈیکل یونیورسٹی کے طالبِ علم نے 1940ء سے 1950ء تک کے زمانے میں تقریباً ہر روز لکھا تھا۔یہ روزنامچہ دوسری جنگِ عظیم کے گواہ کے طور پر مانا جاتا ہے کہ ایک عام جاپانی نے کیا کچھ محسوس کیا تھا۔تاریخ کے میدان میں ایسی تحریروں کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بیسویں صدی اشتہار کا زمانہ تھی۔میڈیا کی ترقی سے اشتہار کا چرچہ شروع ہوا تھا۔بلکہ بعض اوقات ایسا تجربہ بھی ہونے لگا کہ سیاست دانوں یا حکمرانوں نے اشتہار کے ذریعے مقبولیت حاصل کی، یا تو اشتہار استعمال کر کے سیاسی تحریک چلائی۔ہٹلر کا زمانہ اسی اشتہار کے زمانے میں آیا تھا۔یہ روزنامچہ اسی زمانے کی عکاسی کر رہا ہے۔"5

ایوابران کی ڈائری

ڈائری کی صنف، ادب کی سب سے کم تحریر کی جانے والی صنف تو نہیں البتہ سب سے کم شائع ہونے والی ضرور ہے۔یہ سب سے زیادہ اسرار رموز رکھنے والی صنف بھی ہے۔ڈائری لکھتے تو بہت سے لوگ ہیں مگر بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو یہ نوشتہ خود شائع کرانے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ڈائری نویس اگر خود اس کی اشاعت کا اہتمام نہ کریں تو بعض اوقات لکھنے والے کی کسی خاص اہمیت کی وجہ سے اشاعت کار ڈائریوں کو شائع کر دیتے ہیں جو کہ قارئین کے لیے کسی نادیدہ شخصیت، عہد، واقعہ، خوشی یا غم کے اسرار کھولتی ہیں۔بعض ڈائری نویسوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ ان کی ڈائری کو شائع کر کے ان کے راز، اسرار، رویے، خوشیاں، غم مشاہدے اور آراء سرِ بازار مشتہر کر دی جائیں گی۔پھر بھی رسمی انداز میں ہر وہ ڈائری جو قابلِ اشاعت ہوتی ہے اس میں کچھ خاص ضرور ہوتا ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈائری نویس کا ادیب، صحافی یا تخلیق کار ہونا بھی ضروری نہیں۔ہوتا۔البتہ ڈائری کی کوئی خصوصیت اُسے اہم، ممتاز اور مرغوب بنا دیتی ہے اور وہ ہر لکھنے والے کی ممتاز خاصیت پر مبنی ہوتی ہے۔ہر ڈائری میں یہ خاصیت الگ الگ ہوسکتی ہے۔البتہ ڈائری کے بنیادی خدوخال، اصول وقواعد مشترک حیثیت رکھتے ہیں۔ڈائری نویس اپنے آپ سے اپنی بات کہنا اور سننا چاہتے ہیں جو

انہین کے لیے خاص ہو۔ کچھ ڈائری نویس اس قسم کے نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی تحریر میں عوام الناس اور انسانیت کا حصہ اور حق ہوسکتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ڈائریوں کی اشاعت کے فیصلہ پر پہنچ جاتے ہیں خواہ ان کی حیات میں یا بعد از مرگ
۔

ایوا براان کسی بھی عام جرمن لڑکی کی طرح تھی لہٰذا وہ اپنے عہد کی ہر عام لڑکی کی طرح جنگ و جدل سے مملو اپنے دَور کی تاریخ کے اوراق پر شاید کوئی نقش اُجاگر نہ کر پاتی۔ مگر ہٹلر سے اس کے تعلقِ خاص نے اس کو خاص امتیاز بخشا۔ حکمرانوں سے متعلق ہونے کی اہمیت لازم نہیں کہ بہت ہی متنازعہ کرداروں کے تعلق کی اہمیت کے برابر ہو۔ ہٹلر چونکہ تاریخ کے سیاق وسباق میں متنازعہ، اہم، طاقت ور اور بہت زیادہ اثر انگیز تاریخی کردار ہے۔ اس لیے اس کے تعلق میں ایوا براان کو بھی اس کی نسبت کی شہرت، اہمیت یا متنازعہ حیثیت حاصل ہے۔ ایوا کی ڈائری کے تخلیقی محرکات میں سب سے اہم محرک ایوا کا ہٹلر سے تعلق ہے اور یہی اَمر اس کی ڈائری کے اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ ہٹلر سے تعلق کے علاوہ ایوا براان کی اپنی شخصیت بے حد جاذب ولآویز تھی۔ جنگی حالت، تباہی و بربادی، ریاستی جبر وقہر میں وہ کس طرح ردّعمل کرتی تھی یہی نکتہ ڈائری کا اصل حاصل ہے۔ وہ اپنی ڈائری میں اس سربستہ راز کی طرح ہے جو سب پہ آشکار ہے۔ سو یہ رازِ عیاں قارئین کے تجسس، حیرانی اور تلاش کی آرزو کو تسکین دیتا ہے۔ ہٹلر سے خاص تعلق کے باوجود ایوا کی ڈائری ایک عام ذہن کی عورت، یا محبت کی آرزومند اور محبت کرنے والی حسینہ کی ڈائری ہے۔ ڈائری کا مزاج حالات و واقعات کی سنگینی اور انوکھے پن کی وجہ سے جذباتی مدوجزر کا باعث بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایوا، اپنا مزاج ڈائری کے مزاج میں جذب کر دیتی ہے۔ ایوا کا اضطراب اس کی ڈائری کا اضمحلال ہے۔ ڈائری کا مجموعی ماحول اور فضا اضطراب ہی ہے۔ ایوا کے دور کا آشوب، شورش، بے ترتیبی، بدنظمی، جنگ اور تباہی سب کچھ اس کی ڈائری کے مزاج کا حصہ ہیں۔6

ڈائری : روزنامچہ

نمونہ کا متن

میونخ: اگست 1940ء

''مجھے آج نیند سے اٹھ جانا چاہیے کیونکہ ''ہٹلر'' نے آج شام پہنچ جانے کا پیغام دیا ہے۔ یہ آخری دن مجھ سے بہت کچھ اڑا لے گئے ۔ مجھے بال تراشنے اور سنوانے والے ماہر کی طرف بھی جانا ہے۔ میں اگر سو برس کی بھی ہو جاؤں تو ربن ٹراپ کے استقبالیہ کی یاد میرے ذہن سے محو نہیں ہوسکتی ۔''وہ جذبات کا طوفان ۔'' میں اپنے آپ سے چمٹی ہوئی ہوں۔ کیا میں واقعی اس کے اہل ہوں کہ مجھے ''وہ خفیہ ملکہ'' کہے۔ اب میں اپنے آپ کو دنیا کی تمام ترغیبات سے محفوظ سمجھتی ہوں ''دانتے کی طرح'' اس نے مجھے بتایا ''تم دوزخ سے گزر آئی ہو۔'' جب میں پچھلے ہفتہ برلن سے آ رہی تھی تو میں اپنے

آپ کو اندر سے بیس برس پہلے کی حسینہ سمجھ رہی تھی۔ باور نو بجے مجھے ہوٹل سے ٹمپل ہوف لے جانے کے لیے آ گیا تھا۔ ہم برشٹ گاڈن Berchtesgaden کی طرف پرواز کر رہے تھے۔ دورانِ پرواز وہ غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔

ہٹلر کا جہاز خاص انداز سے بنایا گیا تھا اور وہ دورانِ پرواز بات چیت کرنا پسند کرتا تھا۔ ''میں دورانِ پرواز ہی دفاعی حکمتِ عملی کے بہترین فیصلے کرتا ہوں۔'' اس نے مجھے مزید اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ اسے چاہیے کہ وہ خود برطانیہ پر ہوائی حملے میں شرکت کرے تاکہ جزیرے کی فتح کا مسئلہ ہی حل ہو جائے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ وہ اس مایوسی کے احساس سے باہر آ جائے مگر میری کچھ پیش نہ چلی۔ اس نے ایک مرتبہ میری طرف دیکھتے ہوئے پُر تجسس انداز میں پوچھا ''کیا تم نے ان دنوں میں کوئی نئی دلچسپی کی دوستیاں کی ہیں؟ میں تمام عرصہ پرواز کے دوران اس سوال کی اذیت میں مبتلا رہی۔ جب کہ یہ بھی ممکن تھا کہ اس نے یہ سوال بالکل بے ضرر انداز میں پوچھا ہو۔ اُف خدایا آخر مجھے کُرٹ کی کہانی میں کود جانے کا خطرہ مول لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر وہ میری نیم برہنہ تصویر بنا کر مجھے پیش کر دے تو اس کے کیا نتائج ہوں گے۔ یقیناً مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے کیا نتائج ہو سکتے تھے۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ خوبصورت نوجوان فنکار اور محبتوں کی پیاسی عورت کی نیم برہنہ تصویر بناتے ہوئے محض معصومانہ اندازِ محبت تک محدود نہیں رہ سکتے تھے۔ یہ تو خوش نصیبی ہوئی کہ کُرٹ نے وہ تصویر نہیں بنائی۔ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتی ہم دونوں ایک دوسرے کو ''جانتے'' تھے، مگر یہ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ ہماری محبت پاکیزہ نہیں تھی۔ دس منٹ کی پرواز کے دوران ایڈولف اچھے مزاج میں آ گیا۔ وہ جب بھی برگ ہوف کے قریب آتا ہے تو ایسی ہی تبدیلیاں قبول کر لیتا ہے۔ وہ صرف اپنے چند ایک من پسند لوگوں کو دعوت پہ بلاتا تھا۔ فراؤ ٹروسٹ Frau Trost انہی میں سے ایک تھی۔ وہ میونخ میں ایک ماہرِ تعمیرات کی بیوی تھی۔ فراؤ کی موجودگی اس پر ہمیشہ خوشگوار اثرات مرتب کرتی تھی۔ مہمانوں میں وی آنا کی دوادا کارائیں اور ایک نوجوان نواب بھی شامل تھا۔ اس کا نام ہیر فُن پلوئری Herr von Ploery تھا۔ میں نے اس دن ذرا گہرے گریبان کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور مجھے معلوم تھا۔ وہ ذرا اُترتے ہوئے گریبان کو پسند کرتا ہے۔ رات کا کھانا تو معمول کے مطابق تھا۔ تھوڑی دیر میں کھانا پیش کر دیا گیا اور پھر کھانے کو اور کچھ نہ بچا۔ کھانا اس قدر جلدی میں پیش کیا گیا کہ پھر کھانے کو کچھ بچا ہی جنہیں۔ مگر مجھے اس قسم کی مزاحیہ صورتِ حال سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اور میں نے اس سے قبل ہی فراؤ ڈوھنا Frau Dohna کے باورچی خانہ سے کچھ نکال کھایا تھا۔ اس کے بعد ماحول کافی خوشگوار تھا۔ سردی کافی زیادہ ہو رہی تھی۔ انگیٹھی گرم کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ ہیر فُن پلوئری نے Arrow Gross کے متعلق بات چیت چھیڑ دی مگر ایڈولف کو سواستیکا Swastika میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے موضوع کا رخ رومانیہ کے شہر بڈ پیسٹ کے شبستانوں کی طرف موڑ دیا۔ ایسا بہت ہم کم ہوتا تھا کہ وہ کسی کو اس قدر باتیں کرنے دے جتنی کہ اس نوجوان کو۔ وہ بہت باتونی ہو رہا تھا۔ فراؤ ٹروسٹ نے پوچھا ''میرے فیوہرر آپ جنگ کے کامیاب اختتام کے بعد کیا لائحہ عمل اختیار

کرنے والے ہیں۔'' اس نے فراؤ کی طرف دیکھا اور کوئی جواب نہ دیا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی بات کا کوئی جواب نہیں دینا چاہتا تو یہ ظاہر کرتا تھا کہ اسے کوئی بات سنائی ہی نہیں دی۔ فراؤ نے پھر بات چھیڑ دی۔ ''بہت سے لوگ جنگ کے بعد اپنی یادداشتیں لکھنا چاہتے ہیں اور ان میں دلچسپی کا کافی سامنا ہوگا۔'' ایڈولف ہنس دیا۔ اس کی ہنسی میں خاص قسم کا طنز مخصوص تھا۔ ''میں بھی اپنی یادداشتیں لکھنے اور شائع کرانے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔'' ''مگر اس کا عنوان؟'' بد قسمت خاتون نے پوچھ لیا۔ ''میرے عہد ہائے شکستہ کا مجموعہ'' ہوگا۔

تھوڑی دیر کے لیے ہر طرف خاموشی چھا گئی اور لوگ شرمندہ شرمندہ دکھائی دینے لگے، کیونکہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اسے مذاق پر واقعی ہنسنا تھا یا نہیں۔ آخر کار ان دو دادا کاراؤں نے دانت کچکچائے اور ہم بڑی مشکل سے مسکرا دیئے۔ مجھے تو خود بھی سمجھ نہیں آیا کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ ہم جلد ہی وہاں سے چل دیئے۔ میں گزشتہ رات مسلسل بیداری کے بعد تھکن سے ٹوٹ رہی تھی۔ ہم نے وہ دن جہاز اور برگ ہوف میں بسر کیا اور تمام دن نہ تو باتیں کیں اور نہ ہی ہم نے ایک دوسرے کے جسم کو پیار سے سہلایا۔ گیارہ بجے کے قریب ہم اپنے اپنے راستے پر ہو لیے۔ اپنے معمول کے خلاف ایڈولف اکیلا ہی رہا۔ یہاں تک کہ شوآب بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری طرف ضرور آئے گا اور میں اسی انتظار میں کھڑکی کھولے لیٹی رہی۔ رات ٹھنڈی، ہلکی پھلکی اور پہاڑی ماحول کے مزاج کی تھی۔ میں اس سے پہلے بھی بہت سی ایسی راتیں بتا چکی ہوں۔ مجھے اندھیرے ہی میں سونا تھا کیونکہ مجھے اس کے پاس جانے سے سختی سے منع کر دیا گیا تھا۔ جب میں بیدار ہوئی تو اس وقت بھی اندھیرا ہی تھا۔ میں جب بیدار ہوئی تو ''ہٹلر'' میری آنکھوں کے سامنے کھڑا تھا اور میں دہل گئی۔ وہ ایک سائے کی طرح لگ رہا تھا مگر تھا تو وہی۔ میں اسے اسی طرح پہچان گئی تھی جس انداز میں میرا دل اس کے لیے دھڑکتا ہے۔ میں اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس نے کہا ''ٹھہرو۔'' اس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی۔ اب کھڑکیوں کو بند کر دیا گیا تھا۔ باہر سیٹیاں بجاتی تیز ہوا چل رہی تھی۔ میرے تو اعصاب ہی جواب دے گئے۔ پھر ایڈولف میز پر اُنگلیاں بجانے لگا تو مجھے قدرِ سکون ہوا۔ اور آخر کار وہی سوال نازل ہوا جس کا بہت سختی سے انتظار ہو رہا تھا۔ مگر میں اب بھی اس کے لیے تیار نہ تھی۔ اس نے صرف اتنا پوچھا ''یہ وی آنا والا کون ہے؟'' اس نے زور سے پاؤں زمین پر مارے اور ایک جھٹکے سے مڑا تو کرسی گر کر ٹوٹ گئی۔ وہ ایک ہی قدم میں میرے بستر تک پہنچ چکا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ اب میرے ساتھ جسمانی ایذا رسانی کرے گا اور یہ اتنا برا بھی نہیں ہوگا۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ اس سے میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے کہا ''بات کرو!'' انسانوں پر اس کی طاقت ناقابلِ تسخیر ہے۔ میں نے اسے گُرٹ کے متعلق سب کچھ بتا دیا ماسوائے اس کے آخری دو تین دن میں ہوا تھا۔ میں اسے وہ کچھ بھی بتا دیتی مگر اس میں اس کی کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ وہ سب کچھ جانتا تھا۔ وہ بالکل ساکت اور اکڑا کھڑا تھا اور میں تو اسے دیکھ کر بالکل مفلوج ہو کر گری، مجھے معلوم تھا کہ کوئی بہت ہی خوفناک واقعہ ہونے والا ہے۔ وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور مجھے چھوئے بغیر بولا ''یقیناً تم بھی تو آ رہی ہو۔'' میں اُٹھ کر کھڑکی کی طرف

ہوگئی۔ میں بے حد کمزور ہورہی تھی سومیں نے اپنی لاغرسی آواز میں پوچھا" مجھے کیا پہننا ہے۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دروازہ چیرتے ہوئے راستہ بنایا اورنکل لیا۔ میں اسی حالت میں اس کے پیچھے پیچھے ہولی۔ ہوا آندھی کی طرح وحشی ہورہی تھی۔ پانچ منٹ کے بعد کار کا انجمن گھر گھر آتے ہوئے سنائی دیا اور پھر ہم میونخ کی طرف جارہے تھے۔ میں نے اب بھی گہرے گریبان کا وہی لباس پہن رکھا تھا جورات کو پہن کر رکھانے پرگئی تھی۔ اس نے بغیر ٹوپی کے وردی پہن رکھی تھی۔ مجھے اس قدر سردی لگی کہ میرے دانت بجنے لگے۔ جب ہم میونخ پہنچنے تو صبح صادق کی کرنیں ابھر رہی تھیں۔ ایک بہت ہی شان دار تیز ہواؤں کا دن۔ ہم گُرٹ کے ڈفری گریس ٹراس defreggerstrasse میں فلیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ ایڈولف گاڑی سے پہلے کود گیا۔ اس نے دروازہ بھی بند نہیں کیا۔ خفیہ تنظیم SS کے دوحملہ آور افسران چمڑے کے کوٹ پہنے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے ایڈولف کو پہچان لیا اور بڑے زور دار انداز میں سلیوٹ کیا۔ ان میں سے ایک نے سامنے کا دروازہ کھولا۔ وہ اندر داخل ہوگیا اور میں دومنزلوں تک اس کے پیچھے بھاگتی رہی۔ اس نے دروازے پر بار بار گھنٹی بجائی اندر سے" آپ کیا چاہتے ہیں۔" کی کمزورسی آواز برآمد ہوئی۔ وہ اس پر دھاڑنے لگا اور پھر چر چراتا ہوا دروازہ کھلا۔ اس کے دھاڑنے پر گُرٹ نے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ کی۔ وہ واپس اپنے بستر میں بیٹھ بھی نہ سکا۔ نہ بال سیدھے کرسکا اور مدھم روشنی میں آنکھیں جھپکتا رہ گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا سب خوفناک، خوفناک اور بس خوفناک تھا۔ میں نے جب سمجھنے کی کوشش کی کہ کیا ہوا تو اس وقت تک سب کچھ ہو چکا تھا۔ نیچے SS کے دونوں افسر انتظار کررہے تھے۔ ایڈولف نے سرگوشی میں احکامات صادر کیے جن کو میں اپنی گھبراہٹ میں بالکل نہ سمجھ سکی، پھر اس کے بعد ہم چنگھاڑتی ہوئی گاڑی میں ایک سوبیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوبر سالز برگ کی طرف ہولیے۔ ہم راستے ہی میں تھے کہ سورج نکل آیا۔ یہ صبح واقعی لہو کی طرح سرخ تھی۔ میں یا تو بے ہوش ہوگئی تھی یا سوگئی تھی۔

میونخ: بدھ: اگست 1940

میں صبح کے وقت اس قدر تھک چکی تھی کہ اور کچھ کرنے کے قابل نہ رہی تھی۔ میں آرائشِ گیسو کے ماہر کے پاس چلی گئی اور وہاں سے جسمانی مالش والی کے پاس۔ میں نے اپنے چہرے پر تازگی لانے کی بھرپور کوشش تو کی مگر میں اس سے صرف آدھی انسان ہی لگ رہی تھی۔ میرے منہ کے ارگرد کی جھریاں گہری ہورہی تھیں۔ وہ جب تک انہیں dimples کہتا ہے تب تک تو سب کچھ درست ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ گُرٹ کی موت نے مجھ پر کوئی روحانی اثرات مرتب کیے ہوں گے۔ مجھے اس کا کوئی درد یا دُکھ نہیں تھا۔ مگر جب کوئی، بہت ہی اچانک، زندگی کے اس تسلسل کو توڑ دیتا ہے جس کا اس کے جسم سے تعلق ہوتا ہے تو اس سے بہت ہی بڑا اچکا لگتا ہے۔ مجھے گُرٹ نے یہ خوفناک سبق پڑھایا تھا۔ اب مجھے ہمیشہ کے لئے یقین ہوگیا ہے کہ میری زندگی میں کوئی مرد نہیں آتا۔ نہ اندرونی طور پر نہ بیرونی طور پر، نہ اب، نہ پھر کبھی۔ میں نے جس طرح دوسرے مردوں کے لاڈ پیار اور چاٹ چمکار کی وجہ سے اپنے آپ کو خراب کیا وہی میں نے گُرٹ

کے ساتھ محسوس کیا اور اپنے لیے کبھی بھی محسوس نہ کروں گی۔ میں اور بہت سی چیزوں کی عادی ہوں۔ کُرٹ کے ساتھ تو یہ صرف اعصابی کھیل تک محدود تھا۔ میرا خیال ہے وہ یہ سب جانتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تک نہیں۔ اس نے صرف اسی ''چیز'' کونیست و نابود کرنا تھا۔ وہ برگ ہوف مین غصہ میں گھومتا رہا۔ مگر اب مجھے اس سے کوئی خوف لاحق نہ تھا کیونکہ میں سمجھتی تھی کہ طوفان گزر چکا۔ اس نے کُرٹ کی باقیات کی ہر شہادت کو ختم کر دینے کا حکم دیا اس کے چھیاسٹھ سالہ والد کو ''ڈاچاؤ'' کی تیسرے درجے کی جیل میں بند کر دیا گیا تھا اور دوسرے رشتہ داروں کو تھیری سن سٹیٹ theresienstadt میں مار کر دفن کر دیا گیا۔ یہ یہودیوں کا شہر تھا۔ اس نام کا تمام ریکارڈ رجسٹروں میں سے ختم کر کے نئے یا متبادل صفحات لگائے گئے ہیں۔ SS کے دونوں افسروں کو خصوصی مہم پر گرم محاذ پر بھیج دیا گیا ہے۔ اب ڈفری گریس ٹراس کے گھر میں کیا ہو رہا ہے اس کے متعلق صرف ''وہی'' جانتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ مجھے معاف کر چکا ہے۔ بہرحال وہ ان معاملات پر کوئی بات چیت پسند نہیں کرتا۔ کُرٹ کے صفحۂ ہستی سے مکمل نشان مٹنے کے بعد ہر بات ختم ہو گئی تھی۔ اس کا حسد بے مثال، غیر معمولی اور خاص ہے۔ بالکل اس کی اپنی ذات کی طرح۔ میرا خیال ہے کہ وہ خوفناک حد تک اور ناقابلِ پیمائش سطح تک حسد کرتا ہے مگر اس کا اظہار اس لیے نہیں کرتا کہ وہ ظاہر کر سکے کہ وہ اپنی عظمت میں عام انسانی جذبوں سے بہت بالا ہے۔''7

ایوا کی ڈائری کا مزاج

''ڈائری'' ایک ایسی صنفِ تحریر ہے جس میں خالصتاً ذاتی موضوعات کو بہت ہی ذاتی لہجہ و اسلوب میں لکھا جاتا ہے۔ راز داری (Privacy) ڈائری کی بنیادی شرائط میں سے اہم ترین ہے۔ اس میں ڈائری لکھنے والا ایسے موضوعات کو احاطۂ تحریر میں لے کر آتا ہے جو اس کے لیے خاص ہوتے ہیں اور وہ نہیں چاہتا کہ اس کی پسند یا ناپسند میں کوئی اور شریک ہو۔ چونکہ ڈائری کے تصور میں لکھنے والے کا کوئی شریک، راز دار یا حصہ دار نہیں ہوتا اور اُس میں مکمل راز داری اور تحفظ میں اپنے خیالات، حالات و واقعات کو لکھا جا رہا ہوتا ہے اس لیے موضوعیت (subjectivity) بھی ڈائری کا اہم وصف ہے۔

تاہم ڈائریوں میں معروضی حالات (objective conditions) پر بہت سے خیالات بھی شامل ہو سکتے ہیں۔ ڈائری مرد لکھ رہا ہو یا عورت، اس میں ذاتیت، پرائیویسی، موضوعیت، احساس، تحفظ کی بنیادی شرائط موجود ہوتی ہیں۔ تاہم اگر ڈائری نویس کا تعلق صنفِ نازک سے ہو تو ڈائری کی شرائط پر زیادہ سختی سے عمل درآمد کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ خواتین ڈائری نویس مردوں کی نسبت زیادہ ذاتی، خاص، خفیہ، راز دارانہ اور نفاست کا لہجہ اختیار کرتی ہیں۔ ان کی نفسیات، جسم اور شخصیت کے ایسے خالص حصے ہوتے ہیں جن میں وہ کسی کو بھی کسی بھی قیمت پر شریک نہیں کرنا چاہتیں۔ خواتین ڈائری نویسوں کے ہاں نفاست و نزاکت کا معیار بڑھتا رہتا ہے۔ اسی انداز سے اس کے اُصول و ضوابط

پرعمل درآمد میں زیادہ سختی کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔

ایوا براان کی ڈائری میں متذکرہ بالا اجزائے ترکیبی بھی آسانی سے مشاہدہ کیے جا سکتے ہیں اور یہ بہت نمایاں ہیں۔تاہم مغرب کی عورت کا مزاج مشرق کی عورت کے مزاد سے کافی مختلف ہوتا ہے اس لیے ایوا کے بعض رویوں کا فرق بھی ہمارے قارئین کو بہت ہی واضح انداز میں نظر آئے گا۔اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ڈائری نویس مغرب کی عورت ہو یا مشرق کی ،ان کے درمیان ''عورت پنfeminity'' قدرِمشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ایوا نے اپنی ڈائری میں اگر چہ اپنے جنسی تعلقات، جذبات،معاملات ومیلانات کا ذکر کیا ہے مگر یہ سب کچھ نسائی رنگ ورموز میں پیش کیا گیا ہے۔اس میں کسی قسم کی روحانی برہنگی spiritual nakedness کا شائبہ نہیں ہے۔

ایوا کے متعلق ہٹلر نے اپنے ہاتھ سے درج کیا تھا کہ اس کی پہلی ملاقات 29 ستمبر 1930ء کو ہوئی۔ایلان بارٹ لیٹ نے اس واقعہ کو یوں درج کیا ہے:

"He had also successfully negotiated the key date in his entire career, 14th september 1930 By the time Eva met him"

مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ ایوا کی ڈائری کا آغاز 1937ء سے ہوتا ہے۔کیا اس دوران میں ایوا کو ڈائری لکھنے کا خیال نہ آیا اور اس نے بعد میں فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ڈائری لکھے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے ہٹلر اور اس کے اردگرد کے ماحول نے اُسے ابتدائی سات آٹھ برسوں میں یہ سوچنے یا ایسی سوچ پر عمل کرنے کا موقع ہی فراہم نہ کیا ہو۔ممکن ہے وہ اس عرصہ میں کسی فیصلہ کے متعلق سوچتی ہی رہی ہو کیونکہ ہٹلر اور نازی ماحول کی موجودگی میں اُسے ہر قسم کی خوشیاں تو یقیناً مِل سکتی تھیں لیکن اس قسم کی آزادی نہیں۔

ایوا کی ڈائری سے متعلق ایک پہلو بہت ہی اہم ہے۔ڈائریاں ہمیشہ لوگ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ڈائری کے موضوعات چونکہ ذاتی،حساس اور راز دارانہ ہوتے ہیں لہذا کم وبیش ہر ڈائری نویس راز داری سے متعلق تحفظات کے پیشِ نظر ڈاری بدستِ خود تحریر کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔غیر آلات طباعت کو بیچ میں لانے کو عموماً پسند نہیں کیا جاتا کہ اس سے تو ڈائری کا تصور ہی مسخ ہوسکتا ہے۔مگر ایوا کی ڈائری ٹائپ شدہ تھی۔ جب کہ اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ایوا ٹائپ کرنے کا ہنر جانتی تھی۔اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ وہ ٹائپ کا فن جانتی تھی تو آخر وہ ہٹلر کے ماحول میں کس طرح اپنی اور اپنی ٹائپ شدہ ڈائری، کاغذ، ٹائپ مشین کو اخفا میں رکھ سکتی تھی۔ یہ سوال از خود اس سوال کی نفی کر دیتا ہے کہ ایوا نے ڈائری خود ٹائپ کی۔مگر یہاں ایک نئے سوال کو جنم ملتا ہے کہ آخر یہ خوف ناک کام،ایوا کے لیے کون کرتا تھا۔ کیونکہ اس راز کے طشت از بام ہونے کے نتیجے میں ایوا کے اس ہمدرد معاون کو دردناک انداز میں جان تک سے ہاتھ دھونے پڑ سکتے تھے۔

اس پہلو کو سمجھانے کے لیے ماہرین تاریخ،سوانح اور نفسیات تین اہم اِشاروں clues کا سہارا لیتے ہیں۔ایوا

کے اردگرد ہٹلر کے ماحول ہی میں بہت سے لوگ ایوا سے شفقت، مروت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرتے تھے۔ اس بات کا کافی امکان ہوسکتا ہے کہ ہٹلر کے معاونین ہی میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں جو ایوا کا یہ مشکل کام بھرپور راز داری سے سرانجام دیتے رہے ہوں۔

ایوا کی بہن گریٹل کی شادی ہٹلر کے سرکاری فوٹوگرافر ہوف مین کے خاندان میں ہوجانے کے بعد گریٹل کا ایوا سے ملنا ملانا بہت زیادہ ہوگیا تھا۔ ہٹلر کے ہاں ہوف مین خاندان کی بہت آؤ بھگت اور تکریم و تعظیم کی جاتی تھی اس لیے بران خاندان کو بالواسطہ طور پر سرِ عام پذیرائی ملی جو کہ گریٹل کی شادی سے پہلے ممکن نہ تھی اس سے قبل سخت قسم کی ریاستی راز داری کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ایک غالب اِمکان یہ ہوسکتا ہے کہ گریٹل ایوا کے لیے ٹائپ کا کام کرتی رہی ہو۔ متذکرہ بالا دونوں اِشاروں یا اِمکانات کی نسبت ایک اور حوالہ زیادہ معتبر ہے۔

روڈالف ھیس واحد آدمی تھا جس کو بغیر کسی رسمی پن کے ہٹلر کے ہاں آمد و رفت کی مکمل آزادی تھی۔ وہ ہٹلر کا قابلِ اعتماد آدمی، ساتھی اور رفیق کار تھا۔ وہ دونوں جرمنی میں ایک جیل میں اکٹھے قید کی سزا بھی کاٹ چکے تھے۔ اسی دوران ہٹلر کی سوانح روڈالف ھیس ٹائپ کرتا رہا تھا۔ وہ ٹائپ کا فن جانتا تھا اور اس نے ہٹلر کی خودنوشت سوانح ''مائن کا مپ mein kamp''، جیسے ضخیم مسودے کی طباعت کی اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ ایوا کی ڈائری کی ٹائپ کا کام روڈالف نے ہی سرنجام دیا ہو اور اپنی بے تکلف رسائی، پذیرائی اور قابلِ اعتماد ہونے کی وجہ سے یہ کام کرگزرا ہو۔ روڈالف ھیس چونکہ ہٹلر کے لیے تقریریں، اخباری بیانات، تبصرے اور خفیہ خط و کتابت بھی لکھتا اور ٹائپ کرتا تھا اس لیے ایسا ہوسکتا ہے کہ روڈالف ہی نے ایوا کی ڈائری بھی ٹائپ کردی ہو۔

جہاں تک ڈائری میں ایوا کے مزاج کا تعلق ہے یہ بہت ہی واضح ہے کہ ایک خوش مزاج، نفاست پسند عورت ہٹلر کے قہر و جبر کے ماحول میں کس طرح محسوس کرتی اور اپنی ذہنی کیفیات کا کس انداز میں اظہار کرسکتی تھی۔ ڈائری کا مزاج ایوا کی نفسیات کی تشریح کرتا ہے۔ جنگِ عظیم، ہٹلر اور جرمنی کی تکون میں مقید حسینہ جس قسم کی ذہنی کیفیت میں تھی اسی میں اس نے اپنی ڈائری کو رنگ دیا ہے۔ وہ خوف، اخفاء اور راز داری کے پیش نظر اپنے کرداروں کے لیے علامتی نام استعمال کرتی رہی، جیسے ایڈولف کے لیے 'A' میورل کے لیے 'M' اور ہٹلر کے لیے 'H' کی علامتوں کو اس نے تکنیک کی طرح استعمال کیا ہے۔ مگر اس سادہ لوح کو کیا خبر تھی کہ اس کی یہ راز داری اس کے لیے تو ہوگی مگر درحقیقت یہ راز داری کسی پر کوئی حجاب فراہم نہیں کرتی۔ یہ بہت ہی جانی پہچانی اور روزمرہ کی علامتیں تھیں۔

سوانح نگاری کے طالب علم کی حیثیت سے راقم ایوا بران کی ڈائری میں ایک نہایت ہی اہم پہلو کو اُجاگر، تلاش اور دریافت کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ایوا کی تحریر میں بے ربطگی، بے ترتیبی، بے اعتمادی یا کم از کم، کم اعتمادی کی بہت واضح جھلک نظر آتی ہے۔ متذکرہ کمزرویاں ڈائری میں اس لیے جھلکتی ہیں کہ یہ ایوا کی شخصیت، کردار و نفسیات کا حصہ تھیں۔

وہ اپنے، ہٹلر، نازی، جنگِ عظیم کے ماحول میں بے ربط، بے ترتیب، بے اعتمادی میں رہی اور وہی اجزاء اس کی ڈائری کا خاصا بن گئے جو ایوا کی تحریر کو قارئین کے لیے عزیز تر بنا دیتے ہیں۔ ڈائری کے مطالعہ سے قاری کے دل میں ایوا کے لیے شفقت اور پیار کا جذبہ جنم لیتا ہے اور ڈائری قاری کو مطالعہ کی ترغیب دیتی ہے۔ ایوا بران یا ایوا ہٹلر کی ڈائری کا مزاج اس کے اپنے مزاج کا سا ہے۔ اس کے ماحول میں جو المیہ، سانحہ، تباہی اور بربادی تھی وہ سب ایوا کے اضطراب کا حصہ تھا۔ ایوا کے اضطراب نے ایوا کی ڈائری کو بھی مضمحل مزاج عطا کیا۔8

حوالہ جات

1۔ڈاکٹر عمر رضا ''اردو میں سوانحی ادب: فن اور روایت''، ص34، فکشن ہاؤس لاہور، 2012

2۔وہاج الدین علوی ''اردو خود نوشت: فن اور تجزیہ، ص17 شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، 1989

3۔ڈاکٹر سید شاہ علی ''اردو میں سوانحی نگاری، ص83، گلڈ پبلشنگ ہاؤس، کراچی، 1961

4۔ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، ایک نادر روزنامچہ، ص18، ادارہ فروغ اردو، لکھنو، 1954

5۔پروفیسر یامانے یاسر، دیباچہ ''ہٹلر کی محبوبہ''، ص12-9 مثال پبلی شرز، فیصل آباد 2010

6۔''ہٹلر کی محبوبہ''، تحقیق و تجزیہ و ترجمہ، ص20-17، خالد محمود خان، مثال پبلی شرز، فیصل آباد 2010

7۔''ہٹلر کی محبوبہ''، تحقیق و تجزیہ و ترجمہ، ص131-125، خالد محمود خان، مثال پبلی شرز، فیصل آباد 2010

8 ''ہٹلر کی محبوبہ''، تحقیق و تجزیہ و ترجمہ، ص63-59، خالد محمود خان، مثال پبلی شرز، فیصل آباد 2010

روزنامچہ کی کتابیات

1۔الطاف فاطمہ، اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1974

2۔ڈاکٹر صبیحہ انور، اردو خود نوشت سوانح حیات، نامی پریس لکھنو، 1982

3۔وہاج الدین علوی ''اردو خود نوشت: فن اور تجزیہ، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، 1989

4۔ڈاکٹر سید شاہ علی ''اردو میں سوانحی نگاری، گلڈ پبلشنگ ہاؤس، کراچی، 1961

5۔ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، ایک نادر روزنامچہ، ادارہ فروغ اردو، لکھنو، 1954

6۔ابوذر عظمانی، اسالیب نثر، تعلیمی مرکز، پٹنہ، 1978

7۔اختر انصاری، ایک ادبی ڈائری، کتب خانہ ایم ثناء اللہ، لاہور، 1944

8۔خلیل الرحمٰن اعظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1996

9۔ڈاکٹر منصور عمر، اختر انصاری دہلوی: حیات اور ادبی خدمات، شعبہ اردو و فارسی، سی ایم کالج، دربھنگہ، 1994

سوانحی ادب اور مکتوب نگاری

خط نویسی سوانحی ادب کی بہت ہی عمومی اور دلچسپ صنف ہے۔ بے شمار لوگ اپنے پیغام اپنے عزیزوں ، دوستوں ، پیاروں اور دیگر لوگوں کے لئے خطوط ارسال کرتے ہیں۔ اِس لئے مکتوب نگاری کا دائرہ ءِ کار تخلیقی ادب میں بہت ہی وسیع ہے۔ یہ صنف چونکہ دو افراد کے درمیان کسی نہ کسی انداز میں تحریری ابلاغ کی شکل ہوتی ہے اس لئے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کی راز داری privacy قائم رہتی ہے۔ دونوں کے پیغام میں باہمی اعتماد ہوتا ہے۔ خط لکھنے والے اور وصول کرنے والے کے درمیان ذاتی خیالات، احساسات اور بات چیت کا ابلاغ ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے خط نویسی کو صنفِ ادب کی موضوعی صنف بھی قرار دیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ ذاتی خطوط کے علاوہ ،صحافتی ،ثقافتی ،معاشرتی اور سب سے زیادہ سیاسی خطوط بھی تحریر کئے جاتے ہیں۔ عہدِ سرسید تو خطوط کی فلاحی ، اصلاحی اور ہدایتی تحریک تھی۔ اِس لحاظ سے علمی ، سیاسی اور فلاحی موضوعات کے خطوط موضوعی نوعیت کی بجائے سماجی ،معروضی اور تعقلیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خطوط مکمل طور پر علمی یا سائنسی انداز میں معروضی نہیں ہوتے۔ اُن کی فکری نوعیت معروضیت پر مبنی ہوسکتی ہے۔ اِس لحاظ سے خطوط کو محض موضوعی یا معروضی قرار دینا درست اندازِ فکر نہیں ہے۔ دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرسٹوفر ِگلّی Christopher Gillie رقم طراز ہے:۔

> "This is clearly an important branch of literature even when the interest of the letters is essentially historical...or biographical."
>
> ''یہ واضح طور پر ادب کی بہت ہی اہم صنف ہے؛ خواہ خط کا موضوع لازمی طور پر تاریخی یا سوانحی ہی کیوں نہ ہو۔'' 1

ِگلّی نے نجی اور ادارہ جاتی خطوط دونوں کو صنفِ ادب قرار دیا ہے۔ خطوط کا اسلوب ایک ہی جیسا ہوتا ہے اگرچہ موضوعات فردی سے اجتماعی اور نجی سے ادارہ جاتی ہوتے ہیں۔ جس طرح ذاتی خطوط فرد سے فرد میں ابلاغ کا باعث ہوتے ہیں اِسی طرح ادارہ جاتی خطوط فرد سے ادارہ یا ادارہ سے ادارہ کے درمیان پیغام پہچانے اور وصول کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ مذہبی پیشواؤں ،سربراہانِ حکومت ،مختلف اداروں اور گروہوں کے درمیان ابلاغ خطوط ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم تحریر کرتے ہیں:۔

> ''خودنوشت حالات اور روزنامے لکھتے ہوئے لکھنے والے کو

ہمیشہ یہ احساس رہتا ہے کہ وہ ایک سے نہیں، ہزاروں افراد سے مخاطب ہے، اس لیے اپنی شخصیت ، کردار اور خیالات اور نظریات پر کچھ نہ کچھ پردے ضرور ڈالے رہتا ہے۔ نجی خط صرف دو آدمیوں کا معاملہ ہے۔ عام طور پر مکتوب نگار کو یقین ہوتا ہے کہ خط مکتوب الیہ تک پہنچ کر عدم کی پُر اسرار وادیوں میں گم ہو جائے گا اور اس کا راز ہمیشہ راز رہے گا۔''2

ڈاکٹر خلیق انجم کی رائے میں سوانح عمری اور خودنوشت میں راز کو افشاء کیا جاتا ہے۔ خط میں اُسی طرح کے راز کو راز داری کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ خودنوشت اور مکتوب میں موضوع افراد کے مزاج، احساس و جذبات کا اظہار ہوتا ہے جو کہ قاری تک ترسیل ہوتا ہے۔ خط میں یہی احساس و جذبہ کاتب اور مکتوب الیہ کے درمیان راز دارانہ انداز میں محفوظ رہتا ہے۔ تاہم سوانح عمری، خودنوشت اور خط میں اظہارِ ذات کسی نہ کسی انداز میں قدرِ مشترک ہوتا ہے۔ خط نویس اپنے مکتوب الیہ کے علاوہ کسی کے اثر میں نہیں ہوتا۔ اُسے اپنے خطاب الیہ سے ذاتی پن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ سوانح عمری اور خودنوشت تحریر کرنے سے پہلے کافی کچھ سوچنے سمجھنے، منصوبہ بندی کرنے، مواد اکٹھا کر کے ترتیب دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِس کے برعکس خط میں بے ساختگی اور فوری پن میں اظہارِ خیال و ذات ہوتا ہے۔ بقول جلیل قدوائی:۔

''خطوط عام طور پر اپنے لکھنے والے کے خیالات اور متعقدات کا آئینہ اور اس کی شخصیت کے کمزور اور مضبوط ہر دو پہلوؤں کا عکس ہوتے ہیں۔ خطوط میں انسان اپنے دوستوں کو اپنی دلچسپیاں، خوشیاں، مصیبتیں، اپنے دل کے ذرا ذرا سے بھید اور ہر قسم کی تمنائیں اور آرزوئیں لکھ دیتا ہے اور چوں کہ لکھتے وقت خطوط کے شائع ہونے یا کسی غیر متعلق شخص کے دیکھنے کا دُور دُور گمان نہیں رہتا، اس لیے لکھنے والا ان کے بیان میں پوری آزادی اور بے تکلفی سے کام لیتا ہے۔ خط پہلے سے تیار ہو کر نہیں لکھے جاتے نہ ان کے مسودے پہلے سے مرتب کیے جاتے ہیں۔ ان میں کوئی مصنوعی نقطۂ نظر نہیں پیش کیا جاتا۔ اس لیے ان کی صداقت ہر طرح مسلم ہوتی ہے۔ پھر چوں کہ خطوط مدت العمر تک لکھے جاتے ہیں، ان میں لکھنے والے کی عمر کے مختلف حصوں کے حالات، واقعات افکار و تر ڈدات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خطوط سے ان کے لکھنے والے کے نہایت متعبر اور سچے سوانح حیات مرتب کیے جا سکتے ہیں اور بعض بڑی سوانح عمریوں میں

خطوط سے یہ کام بھی لیا گیا ہے۔''3

خطوط میں نامہ نویس اپنے ،اپنے ماحول،خاندان،شہر،بستی،ثقافت اور معاشرت تحریر کرتا ہے۔گویا نہ صرف وہ اپنی سوانح ترتیب دے رہا ہوتا ہے بلکہ سماجی حالات کی تاریخ بھی تحریر کرتا ہے۔مثال کے طور پر خطوطِ غالب میں سے اُس عہد کی تاریخ کشید کی جاسکتی ہے۔''ثمینہ راجہ کے خطوط'' میں سے اُس کی مکمل زندگی،ماحول اور تاریخیت کا حقیقی نقشہ تیار کیا جاسکتا ہے۔4

اِس طرح کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔اِسی سبب خلیق انجم نتیجہ اخذ کرتے ہیں:۔

''سوانح نگاری کے بہترین ماخذ خطوط ہوتے ہیں۔''5

خط نویس اپنی تخلیقی اور ابلاغی صلاحیتوں کی بنیاد پر خط کے مندرجات میں دلچسپی،حیرانی،خوشی،افسردگی یا غم کی دلچسپی کا سامان کرتا ہے۔فنِ مکتوب نگاری میں اِس صلاحیت کو تاثریت یا اثر پذیری کی اصطلاح میں پیش کیا جاتا ہے۔

مکتوب نگاری کے ارتقاء کا آغاز تو انسانوں کی آپس میں پیغام رسانی کے عمل سے شروع ہوجاتا ہے۔ابتدا میں یہ عمل آوازوں ،اشیاء ،نمونوں اور نقوش کے انداز میں سرانجام دیا جاتا تھا۔رفتہ رفتہ زبان یا الفاظ کے نقوش کو پتوں ،درختوں کی چھال،لکڑی کے ٹکڑوں ،مٹی کی تختیوں ،پتھروں،دھات کی پلیٹوں اور چمڑے کے ٹکڑوں وغیرہ پر کندہ وتحریر کرکے خط ارسال کئے جاتے تھے۔کاغذ،قلم اور روشنائی کی ایجاد سے یہ کام بہت ہی آسان ہوگیا۔اپنی آسانی کی وجہ سے کاغذ پہ خط تحریر کرنے کا حجم ہر طرح کے دیگر وسیلوں سے زیادہ ہے۔بابل،نینوا اور مصر کی قدیم تہذیبوں میں خط کے ارتقاء کے بنیادی نمونے مشاہدہ میں آتے ہیں۔سب سے پرانے خط کا تعلق حضرتِ یعقوب علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے جو انہوں نے اپنے ہجر زدہ بیٹے یوسف علیہ السلام کو عالمِ ہجر میں تحریر کیا۔''یہ خط اپنے پورے متن کے ساتھ لفظ بہ لفظ قرآن پاک میں موجود ہے۔''6

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حبشہ کی ملکہ بلقیس کو خط ارسال کیا۔اِس کے متعلق مولانا فتح محمد خان جالندھری رقم طراز ہے:۔

''پتوں، چھالوں اور مٹی کی لوحوں پر جو خط تحریر کیے جاتے تھے ، وہ مختصر اور کاروباری قسم کے ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسا ہی خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے دسویں صدی قبل مسیح میں فلسطین سے ہم جانب حبشہ ارسال کیا گیا تھا۔حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت (953ق م تا 992ق م) موجود مشرق اردن تا یمن وسیع وعریض مملکت تھی۔ غالباً سب سے پہلا خط عبرانی زبان میں تحریر کیا گیا تھا۔ جو ملکہ سبا کے نام

ارسال کیا گیا تھا وہ مختصر بامعنی اور تبلیغی تھا اور جس کی بدولت ملکہ سبا
(بلقیس) مشرف بہ اسلام ہوئی تھیں۔ ملکہ سبا کا ذکر مورخین اپنی اپنی
تصنیفات میں کرتے آئے ہیں۔ یہ خط جدید کے ذریعے ارسال کیا تھا
کلام پاک میں خط مذکورہ کا ذکر موجود ہے۔سوۂ نمل ملاحظہ فرمائیں۔7

رسم الخط کی ایجاد اور لکھنے کا طریقہ سیکھنے کے ساتھ ہی خط نویسی کا ارتقاء شروع ہو گیا ہوگا۔ تین ہزار سال قبل کی تین سو ایسی لوحیں دریافت ہوئیں جن پر مصر کے فراعنہ کے نام سے خطوط کندہ ہیں۔ 1887ء میں عراق، سمرنا کے مقام پر یہ لوحیں دریافت ہوئیں۔عیسیٰ علیہ السلام کے دورِ حیات و نبوت میں بھی خط و کتابت کا وسیلہ میسر تھا۔ یونانی ادب کے بے مثال تخلیق کاروں کی تحریروں میں خطوط کا ذکر اور مثالیں کثرت سے مشاہدہ میں آتی ہیں۔گویا عظیم یونانی شاعر ہومر Homer یا اُس سے قبل کے زمانہ سے خطوط نگاری کے نمونے مشاہدہ میں آتے ہیں۔روم میں سرکاری عہدہ داروں کو مکتوب نگاری کی خصوصی تربیت دی جاتی تھی۔وہ دور دراز کے علاقوں سے خط و کتابت کے ذریعے پیغام رسانی کا کام لیتے تھے۔

دنیا کی ہر زبان کے ادب میں مکتوب نگاری کی قدیم شکلیں اور مثالیں دستیاب ہیں۔اِس لحاظ سے انگریزی ادب بہت ہی زرخیز ذریعہِ مکتوب نگاری ہے۔ڈائری اور خط نویسی کی خاندان میں بچوں کو خاص تربیت دی جاتی تھی۔انگریز معاشروں میں روز نامچہ نویسی اور مکتوب نویسی بچوں کی تربیت کی بنیادی اقدار رکھتی ہیں۔کلیساء کے اداروں میں اوائلِ تاریخ سے لازم کر دیا گیا تھا کہ پادری خواتین و حضرات روزمرہ کی ڈائری کا اہتمام کریں گے اور اپنی اطلاعات خطوط کے ذریعہ دور دراز کے علاقوں تک ارسال کریں گے۔ یہ روایات اُن تہذیبوں و معاشروں میں اب بھی قابلِ عمل ہیں۔انگریزی ادب میں ڈاکٹر سموئیل جانسن Dr. Samuel Jhonson، لارڈ چیسٹر فیلڈ Lardchestir Field، ولیم کوپر William Couper، چارلس لیمب Charls Lamb، کیٹس Keats، شیلی Shelly، بائرن Byron، براؤننگ Brawning اور جارج برنارڈ شاہ Jeorge Barnard Shaue، مادام دوبیزی اور ایلزبتھ بیرٹ کے خطوط قابلِ ذکر ہیں۔فرانسیسی ادب میں نپولین Napolen، بادشاہ ہینری ہشتم ، وکٹر ہیوگو Victor Hugo اور گائی ڈی ماپاساں Giue De Maupassant کے خطوط خاص مقام رکھتے ہیں۔

عربی علاقوں اور زبان میں خطوط نگاری کو بطور پیشہ profession کے طور پر اپنایا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ظہور اسلام اور اُس کے بعد مختلف علاقوں کے شاہوں اور سربراہوں سے خط و کتابت کرتے تھے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ''نہج البلاغہ'' اُن کے خطوط و تقریر پر مبنی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''دارالانشاء'' کے عنوان سے خطوط کو محفوظ کرنے کا ادارہ قائم کیا۔بنواُمیّہ کے عہد میں ''دیوان الانشاء'' کے نام سے ادارہ خطوط کے مجموعے

تشکیل دیتا تھا۔ فارسی زبان میں خطوط نگاری کی بے مثال روایت موجود ہے۔ذاتی خطوط کے علاوہ سرکاری یا حکومتی خطوط لکھنے کا ایران میں باقاعدہ ادارہ تشکیل دیا گیا۔نظامی عروضی ثمرقندی نے ''چہار مقالہ'' میں مکتوب نگاری کے فن پر تفصیل سے رائے زنی کی ہے۔امیر تیمور نے بھی 1304ء میں فرانس کے بادشاہ چارلس ششم کو خط لکھا۔

ہندوستان میں خط کی ابتدائی شہادتیں چندر گپت موریہ کے عہد سے نمایاں ہوتی ہیں۔یہ زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کوئی تین سو سال پہلے کا ہے۔چانکیہ کوتلیہ کی ''ارتھ شاستر'' سے ثابت ہوتا ہے کہ چندر گپت موریہ کے عہد میں خط و کتابت کا عام رواج تھا۔''اعجاز نامہ خسروی'' کو ہندوستان میں خطوط کے اولین مجموعہ کا نقش قرار دیا جاتا ہے۔شاہ عبدالرزاق علوی قادریؒ ،مکتوب قدوسی شاہ عبدالقدوس گنگوہی ، بحرالمعانی شیخ ابوجعفر مکی حسینی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔علاوہ ازیں مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی سلسلہ نقشبندیہ کے ذکر و کشف و مراقبہ اور ریاضت کے مضامین سے منور ہیں۔ مقاوضات حضرت شاہ محمد کاظم قلندری علوی کا کورویؒ و مکاتیب حضرت حافظ شاہ علی انور قلندری کا کورویؒ ، نیز فیوض العارفین و تعلیماتِ قلندریہ مرتبہ مولانا شاہ تقی حیدر قلندرؒ سلسلہ قلندریہ کے اذکار و اشغال ،حقائق و معارف اور تعلیمات وغیرہ سے مزین ہیں۔خواجہ عمادالدین محمود کے مکاتیب کا مجموعہ ''ریاض الانشاء'' کے نام سے موسوم ہے۔سید اشرف جہانگیر سمنائی اور ابوالفضل کے مکاتیب کے مجموعے بھی مشاہدہ میں آتے ہیں۔ابوالفضل کا مجموعہ ''مکاتیبِ ابوالفضل'' کے نام سے شائع ہوا۔''رقعاتِ عالمگیری'' اور ''کلماتِ طیبہ'' کے عنوان سے مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے خطوط کے مجموعے شائع ہوئے۔شاہ محبّ اللہ الٰہ آبادی کے خطوط کا قلمی نسخہ ،مجموعہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔مرزا مظہر جانِ جاناں ،مرزا محمد قتیل ،مرزا غالب، امام بخش صہبائی اور مومن خان مومن نے فنِ خط نویسی کو مزید ترویج دی۔

ہندوستان میں جدید اردو کا فروغ سرسید کی تحریک ،علی گڑھ یونیورسٹی اور فورٹ ولیم کالج کا مرہون منت ہے۔ اردو زبان کے ارتقا میں عربی اور فارسی زبان کا بنیادی اور بہت زیادہ عمل دخل ہے۔عربی کا تعلق مذہبی اور فارسی کا تعلق ادبی، ثقافتی اور تہذیبی تھا۔عربی اور فارسی کے زیرِ اثر تحریر کی جانے والی اردو زبان کو ''معرّب اور مفرّس'' کہا جاتا ہے۔تحریک سرسید، علی گڑھ یونیورسٹی اور فورٹ ولیم کالج نے اردو کو فارسی اور عربی کے اسلوبِ لسان و نگارش سے آسان کیا۔اِس عہد کے ممتاز ادیب اور مکتوب نگار سہلِ ممتنع یا آسان ترین اُردو میں متن تحریر کرتے تھے۔انگریزی ادب کا اردو زبان سے سیاسی تعلق ہے۔انگریزی تہذیب میں زبان سے مراد ابلاغ ہی لیا جاتا ہے۔زبان کا مقصد محض اور محض ابلاغ ہے۔دیگر ادبی تخلیقی خصائص ضمنی اور ذیلی سمجھے جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جدید دنیا میں انگریزی زبان کو ابلاغ کے حوالہ سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔انگریزی زبان ابلاغ ہی کے سبب دنیا میں سب سے زیادہ وسیع جغرافیہ میں بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔علی گڑھ یونیورسٹی اور فورٹ ولیم کالج کی وساطت سے جدید اُردو کی بنیاد اُٹھائی گئی۔دِلّی کالج ورنیکلر

ٹرانسلیشن سوسائٹی 1843ء میں قیام پذیر ہوئی اور اردو زبان کی جدّت اور اختراع کے لئے بنیادی کردار ادا کیا۔'' جامِ جہاں نما، دہلی اُردو اخبار اور سیّدالاخبار'' نے جدید اردو میں صحافت کا آسان اور رواں زبان میں آغاز کیا۔ اُس عہد کے ادیبوں اور مکتوب نگاروں نے اردو زبان کی سلاست اور روانی کو بنیادی معیارات کے طور پر اپنا لیا۔ انیسویں صدی جدید اردو زبان کا بنیادی عہد تھا۔ ڈاکٹر شاداب تبسم کا خیال ہے:۔

> ''انیسویں صدی کے خطوط میں ''جدّت'' کے اسالیب کو پیش کیا جانے لگا۔ جدید مکتوب نگاری انشاء پردازی سے الگ ہو کر بے تکلف اور مکالمے سے قریب تر ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت مراسلہ کو مکالمہ بنانے کا دعویٰ غالبؔ کے علاوہ دیگر افراد بھی کر رہے تھے۔ آغاز سے ارتقائی دور میں قدم رکھنے کے بعد مکتوب نگاری میں عجیب عجیب تبدیلیاں ہوتی نظر آئی ہیں۔ سادگی و سلاست اور جدّت کی جانب آئے نثر کے اثرات بجا طور پر خطوط میں محسوس کئے جا سکتے ہیں۔''8

مرزا قتیلؔ کے خطوط، جدید اُردو مکتوب نگاری کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ غلام غوث بےخبرؔ نے اُردو زبان میں سادگی تو پیدا کی مگر تھوڑی بہت فارسیت کا بھی اُس کے اسلوب پر اثر مشاہدہ میں آتا ہے۔ رجب علی بیگ سرور کے خطوط اپنے عہد کی تہذیب و ثقافت کو پیش کرتے ہیں۔ اُن کے اسلوب کا ایک پہلو خالصتاً لکھنوی انداز بھی ہے۔ اُس کے خطوط میں 'سادہ' اور 'رنگین' دونوں اسلوب اپنی اپنی شناخت کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ لکھنو کے نواب واجد علی شاہ اور اُس کی بیگمات کے خطوط، غالبؔ، داغؔ، مومنؔ اور ذوقؔ کے جدید خطوط و مکتوب نگاری کی تاریخ کے بنیادی اجزا ہیں۔ سرسید، نواب وقارالملک، محسن الملک، محمد حسین آزادؔ، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالیؔ، مولوی نذیر احمد، ریاض خیر آبادی، امیر مینائی، اکبرالہ آبادی، شوق قدوائی اور سید ناصر علی مکتوب نگاری کا ایک ممتاز دبستان ہیں۔ سرسید کی تحریکِ اصلاح و تعقلیت کے زیر اثر مکتوب نگاری کو ذاتیات سے باہر سیاست، ثقافت، معاشرہ اور تہذیب کے دائروں تک رسائی کے مواقع دستیاب ہوئے۔ اِس طرح مکتوب نگاری کے موضوعات کی وسعت فرد سے پھیلتی ہوئی تہذیبوں تک جا پہنچتی ہے۔ علامہ محمد اقبال، ابو الکلام آزاد، مہدی افادی، نیاز فتح پوری، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریا بادی اور رشید احمد صدیقی جدید اردو مکتوب نگاری کے رواج کار ہیں۔ سجاد ظہیر، صفیہ اختر، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، چوہدری محمد علی، مجنوں گورکھ پوری، جاں نثار اختر، نیّر مسعود، عابد حسین، صالح عابد حسین، قرّۃ العین حیدر، شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر رشید حسن خان، خواجہ احمد فاروقی بیسویں صدی کی جدید اُردو مکتوب نگاری کے قلم و علم بردار ہیں۔ مکتوب نگاروں، مرتبین اور خطوط کے مجموعوں کی مختصر تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مکتوب نگار۔مُرتّب	مجموعہ مکتوب	مکتوب نگار۔مُرتّب	مجموعہ مکتوب

مرزا قتیل	معدن الفوائد	غلام غوث بے خبر	1۔انشائے بے خبر 2۔فغانِ بے خبر 3۔خونابہ جگر (فارسی رقعات) 4۔''عودِ ہندی (مرتبہ: خطوطِ غالب)
غلام امام شہید	انشائے بہارِ بے خزاں	رجب علی بیگ سرور	انشائے سرور
عبدالغفور سرور مارہروی	مہرِ غالب	غلام غوث بے خبر	عودِ ہندی (مرتبہ: خطوطِ غالب)
مرزا اسداللہ خاں غالب	اُردو معلّٰی (حصہ اول)	مرزا اسداللہ خاں غالب	اُردو معلّٰی (حصہ دوئم: اشاعت الطاف حسین حالؔی)
مولوی امتیاز علی عرش	مکاتیبِ غالب	آفاق حسین آفاق دہلوی	نادراتِ غالب (مرتبہ)
رسا لکھنوی	نادر خطوطِ غالب	مہیش پرشاد	خطوطِ غالب
غلام رسول مہر	خطوطِ غالب	خلیق انجم	غالب کے خطوط
مرزا محمد عسکری	ادبی خطوطِ غالب	خلیق انجم	غالب کی نادر تحریریں
اسداللہ خان غالب	دستنبو (فارسی خطوط)	اسداللہ خان غالب	خطوطِ غالب بنام شاہ عالم
احمد الدین نبیرہءِ سرسید	مجموعہءِ خطوط	تحریر فی اصول التفسیر	سرسید کے دو خط (مطبع مفید عام آگرہ 1882ء
عثمان مقبول (مرتب) مطبع احمدی علی گڑھ 1915ء	سرسید کے تین خطوط (مکاتبات اخلان فی اصول التفسیر وعلوم القرآن)	وحیدالدین سلیم پانی پتی (مرتب)	سرسید کے خطوط
سرراس مسعود (مرتّب)	خطوطِ سرسید	شیخ عطاء اللہ (مرتّب)	انتخابِ مکاتیب (سر سید، علامہ اقبال اور شبلی نعمانی کے خطوط)
شیخ اسماعیل پانی پتی (مرتّب)	مکتوبات سرسید احمد خان	مشتاق حسین (مرتّب)	مکاتیب سرسید احمد خان

نسرین ممتاز (مرتّب)	خطوط سرسید (سرسید کے ذاتی خطوط)	سرسید احمد خان	خطوطِ سرسید (بنام محسن الملک)
سرسید احمد خان	خط بنام وقار الملک، علی گڑھ 1889ء	سید جالب دہلوی	مکتوباتِ آزاد
مرغوب بک ایجنسی، طبع 1907ء	مکتوباتِ آزاد	طاہر بک ڈپو، طبع 1920ء	مکتوباتِ آزاد
آغا محمد طاہر نبیرہءِ آزاد (مرتبہ 1923ء)	مکتوباتِ آزاد	سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی (مرتّب: 1966ء	مکاتیب آزاد
ساحل احمد (مرتّب: 1997ء)	مکاتیب آزاد	1۔عبدالغفور شہباز (مرتّب) 2۔مولوی بشیر الدین احمد (مرتّب: پسر ڈپٹی نذیر احمد)	موعظہ حُسنہ
محمد امین زبیری (مرتّب)	مکاتیب نواب محسن الملک، وقار الملک	محسن الملک	الخلان فی التفسیر علوم القرآن
سجاد حسین (مرتّب)	مکتوباتِ حالؔی (حصہ اول)	سجاد حسین (مرتّب)	مکتوباتِ حالؔی (حصہ دوئم)
سجاد حسین (مرتّب)	مکتوباتِ حالؔی (حصہ سوئم)	اسماعیل پانی پتی	مکاتیب حالؔی
حکم چند نیر	مولانا حالؔی کے چار نادر غیر مطبوعہ خط: کے۔ایم ہندی، انسٹی ٹیوٹ آگرہ، لائبریری	محمد امین زبیری (مرتّب)	''مکاتیب'' وقار الملک: محسن الملک
سید سلمان ندوی (مرتّب)	مکاتیب شبلی نعمانی (حصہ اول، لکھنو 1916ء	سید سلمان ندوی (مرتّب)	مکاتیب شبلی نعمانی (حصہ دوئم، اعظم گڑھ، 1917ء

محمد امین زبیری (مرتّب)	خطوطِ شبلی، لاہور 1935ء	ابوالکلام آزاد	کاروانِ خیال۔ نقشِ آزاد۔ مکاتیب ابوالکلام آزاد۔ میرا عقیدہ۔ ادبی خطوط وجوابات آزاد۔ غبارِ خاطر
مولوی احسن اللہ خان ثاقب	''خطوطِ منشی امیر احمد'' امیر مینائی علی گڑھ 1910ء	مطبع ادبیہ لکھنو (مرتّب واشاعت کار، 1924ء	امیر مینائی کے خطوط کا دوسرا ایڈیشن
''نیرنگِ دہلی'' امیر نمبر، 1891ء	نجی خط: امیر مینائی: بنام مرزا نواب خان داغ	احسن مارہروی (مرتّب)	1۔انشائے داغ، انجمن ترقی اردو ہند 1941ء 2۔زبانِ داغ، نسیم بک ڈپو لکھنو
اکبر الٰہ آبادی	1۔خطوطِ اکبر: حصہ اول: بنام خواجہ حسن نظامی، دہلی 1922ء 2۔خطوطِ اکبر: حصہ دوئم دہلی 1923ء 3۔مکتوباتِ اکبر، کریم پریس لاہور	محبوب علی (مرتّب)	مکاتیب اکبر: ادبی پریس لکھنو 1924ء
قمر الدین احمد بدایونی (مرتّب)	بزمِ اکبر: دہلی 1940ء	محمد نصیر ہمایوں (مرتّب)	رقعات اکبر: مطبع ریلوے روڈ لاہور
مختار الدین احمد آرزو (مرتب)	خطوطِ اکبر	حسن نظامی (مرتب)	خط وکتابت مابین اکبر الٰہ آبادی اور مہاراجہ سر کرشن پرشاد، دہلی 1951ء

مہدی بیگم (مرتبہ)	مکاتیب مہدی (مہدی افادی) اُتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ 1982ء	ڈاکٹر محمود الٰہی (مرتبہ)	صحیفہءِ محبت (مکاتیبِ مہدی افادی، لکھنؤ 1946ء
مدن گوپال (مرتب)	پریم چند کے خطوط، مکتبہ جامعہ دہلی، 1968ء	نیاز فتح پوری	مکتوباتِ نیاز 1۔ (جلد اول۔ جلد دوئم۔ جلد سوئم) 2۔ مطبوعہ رسالہ نگار

واجد علی شاہ ہندوستان کا بدقسمت مسلمان حکمران تھا۔ وہ ریاستی نظم و نسق کے بجائے لہو ولعب میں اس قدر مستغرق تھا کہ اُس کی تمام زندگی زوال کی سمت سفر کرتی رہی۔ وہ 19 جولائی 1832ء کے دن لکھنؤ میں پیدا ہوا۔ اُس کی متعدد بیگمات تھیں۔ وہ نو برس تک اَوَدھ کا حکمران رہا۔ انگریزوں نے اُس کے عمل اور کردار کی کمزوریوں کے سبب اُسے 1856ء میں لکھنؤ سے کلکتہ وطن بدر کر دیا۔ اُس کی باقی عمر جلا وطنی ہی میں کٹ گئی۔ وہ 21 ستمبر 1881ء کے دن اپنی حیاتیاتی وراثت کے ساتھ اِس دنیا سے رخصت ہوا۔ اُس کے عہد کو تخلیقی عہد کا زرخیز ترین عہد بھی کہا جاتا ہے اور اُس کے زوال کی بنیاد کے طور پر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ واجد علی شاہ اور اُس کی بیگمات کے خطوط کے مجموعہ جات مشترکہ ہیں۔

محمد ہادی	تاریخِ مہذب (شیدا بیگم کے نام خطوط)	واجد علی شاہ	تاریخِ ممتاز (برٹش میوزیم ،لندن)
مرتبہ: سید وسیع بلگرامی	تاریخ غزالہ	نورزماں بیگم	تاریخِ نور (ذاتی مکتوب)
ادارۂ ادبیات اُردو حیدرآباد	تاریخ بدر	نوع روزی بیگم	تاریخ فراق (خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ)
نواب جمشیدی بیگم	تاریخ جمشیدی (کتب خانہ ہاؤس آف اَودھ کلکتہ)		

واجد علی شاہ اور اُس کی بیگمات کے خطوط کے مجموعوں کی تفصیل

خواجہ احمد فاروقی

۔ مخزن اسرار سلطانی، رقعات بیگمات (قلمی) آصفیہ حیدر آباد دوکن۔

-رقعات اہلیہ واجد علی شاہ (قلمی) خدابخش لائبریری، پٹنہ۔
- تاریخ غزالہ،مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ، کتب خانہ پروفیسر مسعود حسین رضوی۔
- تاریخ نور (قلمی) خدابخش لائبریری، پٹنہ۔
-انشاراحت روح،مطبوعہ مطبع اثنا عشری لکھنو، کتب خانہ پروفیسر مسعود حسین رضوی۔
- تاریخ ممتاز،مخطوطہ برٹش میوزیم،اشاعت 1952ء لاہور۔
- تاریخ بدر (قلمی) ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد، دکن۔
-رقعات بدر مطبوعہ حیدرآباد دکن، ''تاریخ بدر'' مطبوعہ سید محمد علی عرش ملیح آبادی، قائم پریس وقع چینچل گوڑہ۔
- بیگمات اودھ کے خطوط مرتبہ: مفتی انتظام اللہ شہابی مطبوعہ فاروقی پریس دہلی۔

بیگماتِ بھوپال کی خودنوشتیں، سوانح عمریاں اور بیگماتِ اَودھ کے خطوط میں انشاء پردازوں کی سند فراہم نہیں کی جاسکتی۔ دربارداری میں منشی، انشاء پرداز، سوانح نگار اور مکتوب نگار موجود ہوتے تھے۔ اُن کی تحریریں اُن کے آقاؤں کے لئے ہوتی تھیں اور اُن کا اپنا کوئی حوالہ نہیں ہوتا تھا۔ اِس لیے سنجیدہ قیاس آرائی کی جاسکتی ہے کہ بیگماتِ اودھ کے خطوط اور بیگمات بھوپال کی خودنوشتیں اور سوانح عمریاں اُن کی اپنی تحریرکردہ یا اُن کے درباری انشاء پردازوں کی نگارشات ہوسکتی ہیں۔ اِس موضوع پر کوئی فیصلہ کن آراء اردو ادب میں میسر نہیں ہیں۔

حواشی

1۔Longman Compainion to English Literature, P- 612, London, 1972۔
2۔ڈاکٹر خلیق انجم، غالب کے خطوط جلداول، ص125، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 1984
3۔جلیل قدوائی، مقدمہ، مشمولہ، مکتوبات عبدالحق، ص12-11، مرتبہ: جلیل قدوائی، مکتبہ اسلوب، کراچی، 1963
4۔ثمینہ راجہ کے خطوط، مرتبہ: سید انیس جیلانی، مطبوعہ فکشن ہاؤس، لاہور
5۔ڈاکٹر خلیق انجم، غالب کے خطوط جلداول، ص130، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 1984
6۔ڈاکٹر شاداب تبسّم، اردو مکتوب نگاری، سرسید اوران کے رفقاء کے خصوصی حوالے، ص35 مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، 2012
7۔واجد علی شاہ کی ''ادبی وثقافتی خدمات''، کوکب قدر سجاد علی مرزا، ص315، تاریخ اودھ
8۔ڈاکٹر شاداب تبسّم، اردو مکتوب نگاری، سرسید اوران کے رفقاء کے خصوصی حوالے، ص45 مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، 2012

کتابیاتِ مکتوب نگاری

1۔عود ہندی،ممتاز علی خاں،مطبع مجتبائی میرٹھ،1868ء۔
2۔زیرلب،صفیہ اختر صفیہ اکیڈمی،حیدرآباد،1954ء۔
3۔حرف آشنا،صفیہ اختر،علوی بک ڈپو،محمد علی روڈ،بمبئی،1958ء
4۔بیگماتِ اودھ کے خطوط،انتظام اللہ شہابی،فاروق پریس لکھنو،1963ء
5۔مکاتیب سرسید احمد خاں،مشتاق حسین،یونین پرنٹنگ پریس دہلی،(اول)،1960ء
6۔انشائے سرور،مرزا احمد علی،پانچواں ایڈیشن،لکھنو،جون 1916ء
7۔غبار خاطر،عبدالکلام آزاد،ساہتیہ اکادمی،نئی دہلی،1967ء
8۔اردوئے معلٰی،سید مرتضیٰ حسین فاضل،مجلس ترقی ادب لاہور،پاکستان،1968ء
9۔مکاتیب مہدی،مہدی بیگم،اترپردیش اردو اکادمی لکھنو،1982ء
10۔خاموش آواز،جاں نثار اختر،مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی،1960ء
11۔انشائے داغ،مرتبہ احسن مارہروی،انجمن ترقی اردو ہند،دہلی،1941ء
12۔زبان داغ،مرتبہ رفیق مارہروی،نسیم بک ڈپو لکھنو،1956ء
13۔مکتوبات شاہ عظیم آبادی،مکتبہ جامعہ دہلی،15 اکتوبر 1939ء
14۔مکتوبات سرسید،مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی،مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور،1959ء
15۔خطوط سرسید،سید راس مسعود،نظامی پریس،بدایوں،1944ء
16۔پریم چند کے خطوط مدن گوپال،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،جون 1968ء
17۔مکتوبات حالی،حصہ اول،مرتبہ سجاد حسین،حالی پریس پانی پت،1925ء
18۔مکتوبات حالی،حصہ دوئم،مرتبہ سجاد حسین،حالی پریس پانی پت،1925ء
19۔مکتوبات حالی،حصہ سوئم،مرتبہ سجاد حسین،ادبی پریس،کراچی 1950ء
20۔سرسید کے خطوط،مرتبہ وحیدالدین سلیم پانی پتی،پانی پت وحالی پریس۔ب۔ت
21۔جوش ملیح آبادی کے خطوط،خلیق انجم،انجمن ترقی اردو(ہند) نئی دہلی،1998ء
22۔خطوط ابوالکلام آزاد،مالک رام،ساہتیہ اکادمی،نئی دہلی،1901ء
23۔مکتوبات اقبال ثاقب نفیس،کتابی دنیا دہلی،2004ء
24۔مکاتیب مرزا مظہر جانِ جاناں،ڈاکٹر محمد عمر،خدا بخش اورینٹل لائبریری،پٹنہ،1995ء
25۔رشید احمد صدیقی کے خطوط،آل احمد سرور ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1996ء
26۔سردار جعفری کے خطوط،خلیق انجم،انجمن ترقی اردو(ہند) نئی دہلی،2001ء

27۔وقار حیات،آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس،1925ء
28۔تذکرۂ وقارالملک،بھوپال،1925
29۔تذکرۂ وقار،1928ء
30۔جگر کے خطوط،محمد اسلام،نظامی پریس لکھنو،جولائی،1965ء
31۔مکاتیب امیر مینائی،احسن اللہ خاں ثاقب،نسیم بک ڈپو،لکھنو،جون 1962ء
32۔خطوط وقارالملک،مشتاق احمد،سرسید ہاؤس سیریز نمبر،1972ء
33۔انشائے بے خبر،غلام غوث بے خبر،ادبی دنیا،علی گڑھ،1960ء
34۔فغانِ بے خبر،مطبع نامور پریس الہ آباد،1891ء
35۔موعظہ،مرتبہ سید عبدالغفور شکور،جی اینڈ سنز برقی پریس،دہلی،1919ء
36۔خطوط شبلی،مرتبہ محمد امین زبیری،تاج کمپنی لمٹیڈ،لاہور،1929ء
37۔مکاتیب محسن الملک وقارالملک،مرتب:محمد امین زبیری،1918ء
38۔مکتوبات آزاد،آغا محمد طاہر،گیلانی پریس لاہور،1923ء
39۔تذکرہ نواب محسن الملک مرحوم،مرتبہ محمد امین زبیری،شمسی پریس،آگرہ،1920ء
40۔پریم چند کے خطوط (جلد اول)،مرتبہ مدن گوپال،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،نئی دہلی،2001ء
41۔تنقیدیں،خورشید الاسلام،سرفراز قومی پریس لکھنو،1957ء
42۔شبلی نقادوں کی نظر میں،ناز صدیقی،الیاس ٹریڈرس،شاہ علی،حیدرآباد،اپریل 1976ء
43۔شبلی،ظفر احمد صدیقی،ساہتیہ اکادمی دہلی،1988ء
44۔سرسید اور ہندوستانی مسلمان،نورالحسن نقوی،ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ،1979ء
45۔شبلی کی علمی وادبی خدمات،خلیق انجم،انجمن ترقی،اردو ہند،1996ء
46۔مکتوبات عبدالحق،جلیل قدوائی،مکتبہ اسلوب،کراچی،1963ء
47۔اردو نثر،پروفیسر ثریا حسین،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،2001ء
48۔محمد حسین آزاد،جہاں بانو،مکتبہ ابراہیمیہ پریس،حیدرآباد،1940ء
49۔اردو نثر کا ارتقاء،عابدہ بیگم،شر آفیسٹ پریس دریا گنج،نئی دہلی،1988ء
50۔نذیر احمد:شخصیت اور کارنامے،ڈاکٹر اشفاق احمد اعظمی اشاعت اول،نظامی پریس لکھنو،1972ء
51۔پریم چند فن اور تعمیر فن،جعفر رضا،تاج آفیسٹ پریس،الہٰ آباد،طبع دوم،1980ء
52۔تحریک علی گڑھ اور حیدرآباد دکن،محمد حسام الدین خاں غوری اردو ادب،پاکستان،10 جنوری 1979ء
53۔آزادی کے بعد دہلی میں اردو تحقیق،مرتبہ:ڈاکٹر تنویر احمد علوی،اردو اکادمی دہلی،2001ء

54۔خطوط مشاہیر،مرتبہ نیر مسعود،اتر پردیش،اردو اکادمی،1985ء

55۔اطراف غالب،ڈاکٹر سید عبداللہ ایجوکیشنل، بک ہاؤس،علی گڑھ،1974ء

56۔مطالعہ داغ،سید محمد علی زیدی،نظامی پریس لکھنو،1974ء

57۔داغ دہلوی: حیات اور کارنامے،ڈاکٹر کامل قریشی،اردو اکادمی دہلی،1986ء

58۔مسلمانوں کے سیاسی افکار،پروفیسر رشید احمد،ادارہ ثقافت اسلامیہ 20 کلب روڈ، لاہور،مئی 1932ء

59۔ پریم چند،پرکاش چندر گپت،مترجم: ل احمد اکبر آبادی،ساہتیہ اکادمی،نئی دہلی س۔ن

60۔سرسید کی تعلیمی تحریک،اختر الواسع،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،دہلی،2004ء

61۔سرسید معاشی افکار اور ترقیاتی منصوبے،پروفیسر شاہ محمد وسیم،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،2002ء

62۔سرسید کا اصلاحی مشن،ڈاکٹر توقیر فلاحی،اردو پرنٹنگ پریس،دہلی،1998ء

63۔رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے،نیر مسعود،اسرار کریمی پریس،گنج الہ آباد،1927ء

64۔عالی کا سیاسی شعور،جذبی،،احباب پبلشرز لکھنو،ستمبر 1959ء

65۔غالب کے خطوط،مرتبہ: خلیق انجم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی،2000ء

66۔مہدی افادی،ڈاکٹر فیروز احمد،آفیسٹ پریس گورکھپوری،1985ء

67۔1857ء کے غداروں کے خطوط،سید عاشور کاظمی،سلیم قریشی،انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی،2001ء

68۔خطوط اقبال،بنام عطیہ فیضی،مترجم: ڈاکٹر مظہر عباس نقوی،سلسلہ مطبوعہ شعبہ اردو،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ،1974ء

69۔وقار حیات،محمد حبیب الرحمٰن شروانی،مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،1925ء

70۔ابوالکلام آزاد،تذکرہ،کتاب محل،لاہور،1945ء

71۔ابراہیم جلیس،دو ملک ایک کہانی،1948ء

72۔ابراہیم جلیس،جیل کے دن جیل کی راتیں،1955ء

73۔احمد شجاع،خوں بہا،تاج کمپنی،لاہور،1943ء

74۔اختر انصاری،ایک ادبی ڈائری،کتب خانہ ایم ثناء اللہ،لاہور،1944ء

75۔اعجاز حسین،میری دیا،کارواں پبلشرز،الہ آباد،1965ء

76۔اقبال،کلیات مکاتیب اقبال،جلد اول مرتبہ: سید مظفر حسین برنی،اردو اکادمی دہلی،1991ء

77۔اقبال،اقبال نامہ،حصہ اول،مرتبہ: شیخ عطاء اللہ،شیخ محمد ناشر تاجر کتب،لاہور،ب ت۔

78۔اسد اللہ خاں غالب،غالب کے خطوط،جلد اول،مرتبہ: ڈاکٹر خلیق انجم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی،1984ء

79۔اسد اللہ خاں غالب،غالب کے خطوط،جلد دوم،مرتبہ: ڈاکٹر خلیق انجم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی،1985ء

80۔تاجور سامری،جب بندھن ٹوٹے،ادبی مندر پبلشرز،جالندھر،1949ء

81۔جعفر تھانیسری،تواریخ عجیب،اسلامی پریس،لاہور،1302ھ

82۔جوش ملیح آباد،یادوں کی برات،آئینہ ادب،لکھنو،1972ء

83۔حالی،مسدس حالی،مدوجزر اسلام،رام کمار پریس بک ڈپو،لکھنو،ب ت۔

84۔حالی،حیات سعدی،مکتبہ جامعہ،دہلی،1970ء

85۔حالی،یادگار غالب،مکتبہ جامعہ،دہلی،1984ء

86۔حالی،حیات جاوید،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،دہلی،1990ء

87۔خواجہ حسن نظامی،آپ بیتی،دلی پرنٹنگ ورکس،دلی،1919ء

88۔رشید احمد صدیقی،گنج ہائے گراں مایہ،مکتبہ جامعہ،نئی دہلی،1987ء

89۔سر رضا علی،اعمال نامہ،ہندستانی پبلشرز،دہلی،1943ء

90۔سعادت حسن منٹو،گنجے فرشتے،ساقی بک ڈپو،دہلی،1983ء

91۔سر سید احمد خان،مسافران لندن،مرتبہ شیخ اسماعیل پانی پتی،مجلس ترقی ادب،لاہور،1960ء

92۔سر سید احمد خاں،آثار الصنادید،حصہ دوم،مرتبہ خلیق انجم،اردو اکادمی،دہلی،1990ء

93۔سید سلیمان ندوی،سیرۃ النبی،جلد سوم تا ہفتم،چوتھا ایڈیشن،1980ء

94۔سید سلیمان ندوی،رحمت عالم ﷺ،رفیق مشین پریس،حیدرآباد،1942ء

95۔سید سلیمان ندوی،سیرت عائشہ،دارالمصنفین،اعظم گڑھ،1976ء

96۔سید سلیمان ندوی،حیات شبلی،معارف پریس،اعظم گڑھ،1943ء

97۔شاہد احمد دہلوی،دلی کی بپتا،ساقی بکڈپو،کراچی،ب ت۔

98۔شبلی نعمانی،المامون،ادریس المطابع،دہلی،1989ء

99۔شبلی نعمانی،سیرۃ النعمان،کانگریس پریس،دہلی،1893

100۔شبلی نعمانی،سفرنامہ روم ومصر وشام،رحمانی پریس،دہلی،ب ت۔

101۔شبلی نعمانی،الغزالی،ایم ثناءاللہ،لاہور،1947ء

102۔شبلی نعمانی،الفاروق،مطبع مفید عالم،آگرہ،1898ء

103۔شبلی نعمانی،سوانح مولانا روم،مجلس ترقی ادب،لاہور،ب ت۔

104۔شبلی نعمانی،سیرت النبی،حصہ اول،دارالمصنفین،اعظم گڑھ،طبع ششم،ب ت۔

105۔شبلی نعمانی،مکاتیب شبلی،حصہ اول،مرتبہ:سید سلیمان ندوی،دارالمصنفین،اعظم گڑھ،ب ت۔

106۔صالحہ عابد حسین،یادگار حالی،کوہ نور پرنٹنگ پریس،دہلی،طبع دوم،1955ء

107۔طلعت گل مرتب،اردو کے منتخب رپورتاژ،ایم آر پبلی کیشنز،دہلی،2006ء

108۔ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، اشرف پریس، لاہور، ب ت۔
109۔ظہیر دہلوی، داستان غدر، مطبع کریمی پریس، لاہور، 1910ء
110۔عبدالحق، چند ہم عصر، انجمن ترقی اردو، ہند علی گڑھ، 1971ء
111۔عبدالحی، مولانا حکیم سید، دہلی اردو اکادمی، دہلی، 1988ء
112۔عبدالسلام ندوی، سیرت عمر بن عبدالعزیز، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، 1923ء
113۔عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، طبع دوم، 1964ء
114۔عبدالغفور نساخ، سوانح عمری، ایشیاٹک لائبریری، نمبر شمار IIIrd، 1974ء
115۔عبدالماجد دریا آبادی، حکیم الامت: نقوش و تاثرات، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، 1952ء
116۔عبدالماجد دریا آباد، محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند اوراق، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، 1954ء
117۔عبدالماجد دریا آبادی، آپ بیتی، مکتبہ فردوس لکھنو، 1978ء
118۔عصمت چغتائی، چوٹیں، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، 1982ء
119۔غلام رسول مہر، غالب، مسلم پرنٹنگ پریس، لاہور، 1936ء
120۔غلام رسول مہر، جوزفین، اتحاد پریس، لاہور، 1950ء
121۔غلام رسول مہر، سیرت سید احمد شہید، کتاب منزل، لاہور، 1952ء
122۔غلام غوث بیخبر، انشائے بیخبر مرتبہ: انتظام اللہ شہابی، مرتضائی پریس، آگرہ، 1936ء
123۔فکر تونسوی، چھٹا دریا، مشمولہ، فکر تونسی: حیات اور کارنامے مرتبہ: ڈاکٹر شمع افروز زیدی، بیسویں صدی پبلی کیشنز، دہلی، 1988ء
124۔قاضی عبدالغفار، آثار جمال الدین افغانی لطیفی پریس، دہلی، 1941ص۔ت
125۔قاضی عبدالغفار، آثار ابوالکلام آزاد، کوہ نور پریس، دہلی طبع دوم، 1958ء
126۔قرۃ العین حیدر، کوہ دماوند، مکتبہ اردو ادب، لاہور، 1979ء
127۔قرۃ العین حیدر، دکن سا ٹھار نہیں سنسار میں، قوسین، لاہور، 1983ء
128۔قرۃ العین حیدر، شیشے کے گھر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1998ء
129۔کرشن چندر، پودے، دیپک پبلشرز، جالندھر، اپریل 1964ء
130۔کرشن چندر، صبح ہوتی ہے، کتاب پبلشرز، بمبئی، 1950ء
131۔کرشن چندر، ان داتا، ایشیا پبلشرز، دہلی، ب ت۔
132۔کلیم الدین احمد، اپنی تلاش میں کلچرل اکیڈمی، گیا، 1975ء
133۔مبین مرزا (مرتب)، اردو کے بہترین شخصی خاکے جلد اول، کتابی دنیا، دہلی، 2004ء

134۔مجتبیٰ حسین،تکلف،برطرف نیشنل بکڈ پو،حیدرآباد،1967ء

135۔مجتبیٰ حسین،آدمی نامہ حسامی بکڈ پو مچھلی کمان،حیدرآباد،1981ء

136۔محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی،مقالات شیروانی،مرتب وطابع محمد مقتدی خاں شیروانی،1946ء

137۔محمد حسین آزاد،سیر ایران مرتبہ:آغا زمحمد طاہر،کریمی پریس،لاہور،1886ء

138۔محمد حسین آزاد،آب حیات،شیخ مبارک علی تاجر کتب،لاہور،ب ت۔

139۔مرزا ادیب،مٹی کا دیا،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،1981ء

140۔مرزا فرحت اللہ بیگ،مضامین فرحت جلد اول،عزیز احمد پبلشر،لاہور،ب ت۔

141۔مشتاق احمد یوسفی،زرگزشت،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،2006ء

142۔ممتاز مفتی،لبیک،مکتبہ تعمیر انسانیت،لاہور،1989ء

143۔مہدی حسن افادی،مکاتیب مہدی افادی،مرتبہ مہدی بیگم،اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو،1982ء

144۔یوسف حسین خاں،یادوں کی دنیا،دارالمصنفین،اعظم گڑھ،1967ء

145۔یوسف خاں کمبل پوش،عجائبات فرنگ،مطبع نولکشور،لکھنو،1898ء

146۔آل احمد سرور،تنقید کیا ہے،مکتبہ جامعہ نئی دہلی،1952ء

147۔آل احمد سرور(مرتب)،اقبال اور ان کا فلسفہ،مکتبہ عالیہ،لاہور،1977ء

148۔ابوالکلام قاسمی،تخلیقی تجربہ،ابوالکلام قاسمی،علی گڑھ،1986ء

149۔ابوذر عثمانی،اسالیب نثر،تعلیمی مرکز،پٹنہ،1978ء

150۔احتشام حسین،ذوق ادب اور شعور،سرفراز قومی پریس،لکھنو 1963ء

151۔احتشام حسین،تنقیدی جائزے،ادارہ فروغ اردو،لکھنو،1970ء

152۔اختر حسین رائے پوری،ادب اور انقلاب،ادارہ اشاعت اردو،حیدرآباد،1943ء

153۔اسلوب احمد انصاری،ادب اور تنقید،سنگم پبلشرز،الہ آباد،1968ء

154۔اسلوب احمد انصاری،اطراف رشید احمد صدیقی،یونیورسل بک ہاؤس،علی گڑھ،1997ء

155۔اصغر عباس(مرتب)،رشید احمد صدیقی:آثار واقدار،شعبۂ اردو،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ،1984ء

156۔اعجاز حسین،اردو ادب آزادی کے بعد،کارواں پبلشرز،الہ آباد،1960ء

157۔الطاف فاطمہ،اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقا،اعتقاد پبلشنگ ہاؤس،دہلی،1974ء

158۔امام مرتضیٰ نقوی،خواجہ حسن نظامی:حیات اور ادبی خدمات،نسیم بک ڈپو،لکھنو،1978ء

159۔امیر اللہ خاں شاہین،فن سوانح نگاری اور دیگر مضامین،طاہر بک ایجنسی،دہلی،1973ء

160۔انور سدید،اردو ادب میں سفر نامہ،لاہور،1989ء

161۔تحسین فراقی،عبدالماجد دریا آبادی،ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،1993ء
162۔جعفر رضا،پریم چند: کہانی کا رہنما،رام نراین لال بینی مادھو،الہ آباد،1969ء
163۔حامد حسن قادری،داستان تاریخ اردو،عاکف بکڈپو،دہلی،پانچواں ایڈیشن،1995ء
164۔حامدہ مسعود،خطوط غالب: فنی تجزیہ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1982ء
165۔خالد محمود،اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ،مصنف،نئی دہلی،1995ء
166۔خلیل الرحمٰن اعظمی،اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1996ء
167۔خواجہ حسن ثانی نظامی (مرتب)،خواجہ حسن نظامی: حیات اور کارنامے،اردو اکادمی،دہلی،1987ء
168۔سجاد ظہیر،مضامین سجاد ظہیر،اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو،1979ء
169۔سجاد ظہیر،روشنائی،سیما پبلی کیشنز،دہلی،1985ء
170۔سردار جعفری،ترقی پسند ادب،انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ،1951ء
171۔سردار جعفری،لکھنو کی پانچ راتیں،نصرت پبلشرز،لکھنو،1988ء
172۔سلیمان اطہر جاوید،رشید احمد صدیقی: شخصیت اور فن،نیشنل بک ڈپو،حیدرآباد،1976ء
173۔سید شاہ علی،اردو میں سوانح نگاری،گلڈ پبلشنگ ہاؤس،کراچی،1961ء
174۔سید عبداللہ،میر امن سے عبدالحق تک،چمن بک ڈپو،دہلی،1965ء
175۔سید عبداللہ،سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1988ء
176۔سید مسعود حسین رضوی ادیب،آب حیات کا تنقیدی مطالعہ،کتاب نگر،لکھنو،1964ء
177۔شافع قدوائی،خبر نگاری،انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس،علی گڑھ،1988ء
178۔شکیل الرحمٰن،مجتبیٰ حسین کا فن،حسامی بک ڈپو،حیدرآباد،1987ء
179۔شمس الرحمٰن فاروقی،غالب پر چار تحریریں،غالب انسٹی ٹیوٹ،دہلی،2001ء
180۔شمیم حنفی (مرتب)،آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ نگاری،دہلی اردو اکادمی،دہلی،1991ء
181۔شمیم حنفی اور سہیل احمد فاروقی (مرتبین)،سرسید سے اکبر تک،مکتبہ جامعہ،دہلی،1995ء
182۔شہاب الدین ثاقب،مولوی عبدالحق: حیات اور علمی خدمات،انجمن ترقی اردو پاکستان،کراچی،1985ء
183۔شیخ عبدالرحیم انصاری،شبلی کے مقالات کا تنقیدی جائزہ،مصنف،پلاموں،1990ء
184۔صابرہ سعید،اردو میں خاکہ نگاری،دہلی،ب ت۔
185۔صبیحہ انور،اردو خود نوشت سوانح حیات،نامی پریس،لکھنو،1982ء
186۔صلاح الدین (مرتب)،دلی والے،اردو اکادمی،دہلی،1986ء
187۔طلعت گل،اردو میں رپورتاژ کی روایت،دہلی،ب ت۔

188۔عبدالحق (مرتب)،اردو میں رپورتاژ نگاری،مکتبہ شاہراہ، دہلی، 1977ء۔
189۔عبدالقوی دسنوی،مطالعہ غبار خاطر،نئی آواز،نئی دہلی، 1981ء
190۔عبدالقوی دسنوی،مطالعہ خطوط غالب،شعبہ اردو سیفیہ کالج، بھوپال،1975ء
191۔عبدالقیوم،حالی کی اردو نثر نگاری، ریڈنگ پرنٹنگ پریس، لاہور،1964ء
192۔عبداللہ یوسف،انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تریخ،ہندوستانی اکیڈمی،الہ آباد،1936ء
193۔عبدالطیف اعظمی،(مرتب) بابائے اردو مولوی عبدالحق،ادارہ فروغ اردو،لکھنو، 1971ء
194۔عزیز احمد،ترقی پسند ادب،ادارہ اشاعت اردو،حیدرآباد،1945ء
195۔عمر رضا،علی سردار جعفری، کتابی دنیا، دہلی،2008ء
196۔عمر رضا،انداز گفتگو،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی،2008ء
197۔فرمان فتح پوری (مرتب)،اردو نثر کا فنی ارتقا،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1994ء
198۔قاضی احمد میاں اختر،سرسید کا علمی کارنامہ، کراچی، 1964ء
199۔قدسیہ قریشی،اردو سفر نامے۔انیسویں صدی میں،ستیہ وتی کالج، دہلی، 1987
200۔قمر رئیس،تلاش وتوازن،ادارۂ خدام پبلی کیشنز، دہلی،1968ء
201۔قمر رئیس وسید عاشور کاظمی (مرتبین)،ترقی پسند ادب۔ پچاس سالہ سفر،نیا سفر پبلی کیشنز، دہلی، 1987ء
202۔قمر الہدیٰ فریدی،سرسید اور اردو زبان وادب،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1989ء
203۔کلیم الدین احمد،اردو تنقید پر ایک نظر،ادارہ فروغ اردو،لکھنو، 1957ء
204۔گوپی چند نارنگ (مرتب)،بیسویں صدی میں اردو ادب،ساہتیہ اکادمی دہلی،2002ء
205۔گیان چند جین،تجزیے،مکتبہ جامعہ،نئی دہلی،1973ء
206۔مالک رام (مرتب)،رشید احمد صدیقی: کردار،افکار،گفتار،علمی مجلس، دہلی،1975
207۔محمد امین اندرابی،مطالعہ مکاتیب اقبال،تابش پبلی کیشنز،سری نگر، 1991ء
208۔محمد نعیم صدیقی،علامہ سلیمان ندوی:شخصیت وادبی خدمات،مکتبہ فردوس،لکھنو،1985ء
209۔مشیر احمد علوی ناظر کاکوروی،علی گڑھ تحریک اور ادب، پٹنہ،1999ء
210۔مظہر احمد (مرتب)،مشتاق احمد یوسفی:ایک مطالعہ،شبانہ پبلی کیشنز، دہلی،1996ء
211۔ممتاز شیریں،معیار، نیا ادارہ،لاہور،1963ء
212۔ممتاز فاخرہ،اردو میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء،رونق پبلشنگ، دہلی، 1984ء
213۔منصور عالم،تمیز تحریر،تاج پریس،1985ء
214۔منصور عمر،اختر انصاری دہلوی: حیات اور ادبی خدمات،شعبۂ اردو وفارسی،سی ایم کالج، دربھنگہ،1994ء

215۔مہدی حسن افادی،افادات مہدی نیشنل فائن پرنٹنگ پریس،حیدرآباد،1976ء
216۔نثاراحمد فاروقی،دیدودریافت،آزادکتاب گھر،دہلی۔
217۔نصیرالدین احمد،فکرتونسوی:شخصیت اورطنزنگاری،زندہ دلان حیدرآباد،حیدرآباد،1980ء
218۔نورالحسن ہاشمی،ایک نادرروزنامچہ،ادارہ فروغ اردو،لکھنو،1954ء
219۔نیرجہاں،مولانا شبلی ایک تنقیدی مطالعہ،مکتبہ جامعہ،دہلی،2001ء
220۔وزیرآغا،اردوادب میں طنزومزاح،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1999ء
221۔وہاج الدین علوی،اردوخودنوشت:فن اورتجزیہ،شعبہ اردو،جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی،1989ء
222۔اطرافِ غالب۔ڈاکٹرسیدعبداللہ۔ص،ایجوکیشنل بک ہاؤس علی،علی گڑھ،1974ء
223۔مقدمہ مولوی عبدالحق تالیف،مکتوبات حالی۔مرتبہ سجادحسین،1935ء
224۔تنقیدی اشارے۔آل احمدسرور۔ادارۂ فروغ اردولکھنو،1955ء
225۔تنقیدیں۔خورشیدالسلام،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1957ء
226۔وجہی سے عبدالحق تک۔ڈاکٹرسیدعبداللہ،مکتبہ خیابان ادب لاہور،1977ء
227۔آوازدوست،مرتبہ صفرامہدی
228۔اردوخطوط نگاری ایک مطالعہ۔نسرین ممتازبصیر۔
229۔مکتوب نگاری کافن۔مسکین علی جاڑی۔مقتدرہ قدمی زبان پاکستان،1989ء
230۔مقدمہ۔مکاتیب جمیل۔ربعیہ سلطانہ،مکتبہ جدیدلاہور،1956ء
231۔مکتوب نگاری کافن۔مقالہ نماخلیق انجم۔
232۔علم وادب میں خطوط کادرجہ غلام رسول مہر،نقوش مکاتیب نمبرجلداول،1957ء
233۔روشن چراغ،اردوترجمہ قرآن،مولانافتح محمدخاں جالندھری۔
234۔بحوالہ اردومیں ادبی خط نگاری کی روایت اورغالب،بیگم نیلوفر
235۔مقدمہ وغالب کےخطوط،اشاعت اول،1982ء
236۔تجزیہ وتجربہ،ڈاکٹرسلام سندیلوی،نسیم بک ڈپو،1976ء
237۔فارسی نثرکی تاریخ،ڈاکٹرذبیح اللہ،مطبع اعلیٰ پریس،1981ء
238۔کواکب،ڈاکٹرمسعودانورعلوی،لکھنو،1986ء
239۔داستان تاریخ ادب حامدحسن قادری،عزیزپریس،آگرہ،1957ء
240۔اطراف غالب،ڈاکٹرسیدعبداللہ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1974ء
241۔اردوخطوط نگاری:ایک مطالعہ،ڈاکٹرنسرین ممتاز۔

242۔انشائے سرور،مرتبہ مرزا احمد علی،خط نمبر 15، مطبع منشی نول کشور،لکھنو
243۔واجد علی شاہ کی ادبی اور ثقافتی خدمات،کوکب قدر سجاد علی مرزا،ترقی اردو،دہلی،1995ء
244۔مالک رام ماہنامہ جامعہ نئی دہلی،مارچ،1942ء
245۔آفاق حسین آفاق۔نادارات غالب۔
246۔حامد حسن قادری،داستان تاریخ اردو،حصہ اول۔
247۔خواجہ الطاف حسین حالی،یادگار غالب۔
248۔قاضی عبدالودود۔سہ ماہی العلم،کراچی غالب۔
249۔خلیق انجم،غالب کے خطوط حصہ اول۔
250۔پروفیسر خواجہ احمد فاروقی ماہ نامہ نگار نومبر 1943ء
251۔دورِ جدید کے اردو خطوط کا مجموعی جائزہ،غیر مطبوعہ،عبداللطیف اعظمی۔
252۔مکاتیب احسن،مرتب عنوان چشتی صغیر احسنی،کوہ نور پریس،دہلی،ستمبر 1977ء
253۔غالب اور شاہان تیموریہ
254۔مکتوبات اردو کا ادبی وتاریخی ارتقاء غیر مطبوعہ،خواجہ احمد فاروقی۔
255۔کارسین دتاسی اردو خدمات علمی کارنامے۔ثریا حسین،اتر پردیش اردو اکادمی،1974ء
256۔اردو کا ایک قدیم رقعہ،علی گڑھ میگزین
257۔واقعات اظفری۔مترجم۔عبدالستار،اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ،مدارس یونیورسٹی مارچ 1937
258۔اردو کا ایک قدیم رقعہ،علی گڑھ میگزین،1965ء
259۔داستان تاریخ اردو،حامد حسن قادری،لکشمی نارائن اگروال تاجر کتب،آگرہ،1938ء
260۔ماہنامہ نیا دور لکھنو،جون 1967،مرزا قتیل کے غیر مطبوعہ اردو خطوط۔
261۔مکتوب اردو کا ادبی وتاریخی ارتقا،غیر مطبوعہ۔
262۔مختصر تاریخ ادب اردو،سید اعجاز حسین۔
263۔انشائے بہار بے خزاں،غلام امام شہید،مطبع منشی نول کشور،1889ء
264۔غالب اور شاہان تیموریہ،خلیق انجم۔
265۔دور جدید کے اردو خطوط:تنقیدی جائزہ،عبداللطیف اعظمی،غیر مطبوعہ،جامعہ ملیہ اسلامیہ،نئی دہلی۔
266۔انشائے بہار بے خزاں،غلام امام شہید۔
267۔اردو خطوط،شمس الرحمٰن،باراول،کتابی دنیا لمٹیڈ،دہلی،جولائی،1947ء
268۔واجد علی شاہ کی ادبی وثقافتی خدمات،کوکب قدر سجاد علی میرز،بحوالہ اسرار واجدی،الحصن المتین،تقویم سلطانی،اختر جناں،

تاریخ اودھ، واجد علی شاہ۔

269۔ذوق جستجو،خواجہ احمد فاروقی ،ادارہ فروغ اردو امین آباد لکھنو،فروری،19674ء

270۔تاریخ نور،کلیم الدین احمد، دائرہ ادب، پٹنہ، جولائی،1972ء

271۔بحوالہ واجد علی شاہ کی ادبی وثقافتی خدمات۔

272۔تاریخ ممتاز، بحوالہ تاریخ نور،کلیم الدین احمد۔

273۔تاریخ بدر(قلمی)،بحوالہ: واجد علی شاہ کی ادبی وثقافتی خدمات۔

274۔تاریخ غزالہ

275۔تاریخ جمشیدی،بحوالہ: واجد علی شاہ کی ادبی وثقافتی خدمات۔

276۔انشائے سرور،مرتبہ مرزا علی احمد،مطبع منشی نول کشور،لکھنو۔

277۔ایضا،انشائے سرور،مرتبہ مرزا علی احمد،مطبع منشی نول کشورہ،لکھنو۔

278۔رجب علی سرور: حیات اور کارنامے، نیر مسعود۔

279۔خواجہ احمد فاروقی ،مکاتیب رجب علی بیگ سرور، ماہ نامہ نگار،نومبر 1943ء

280۔غالب اور شاہان تیموریہ،خلیق انجم،مکتبہ جامعہ لمٹیڈ،نئی دہلی،1974ء

281۔رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے۔

282۔فغان بے خبر،خواجہ غلام غوث۔

283۔انشائے بے خبر،مرتبہ: سید مرتضیٰ حسین بلگرامی،خط بنام غلام علی خان،مطبع 13 پریس دلی، ناشر علی گڑھ،1960ء

284۔غالب اور شاہان تیموریہ،خلیق انجم،کوہ نور پریس، دہلی،1974ء

285۔انشائے بے خبر،خط مولوی محمد حامد

286۔داستان تاریخ اردو، حامد حسن قادری، ناشر اخبار پریس آگرہ،1966ء

287۔مکاتیب غالب،مرتبہ: امتیاز علی عرشی، کتاب خانہ رام پور، بار ششم،1949ء

288۔خط بنام علائی،1863ءخطوط غالب،غلام رسول مہر۔

289۔اردو معلیٰ پر ایک نظر، پروفیسر نظیر زیدی۔

290۔دیباچہ مکاتیب غالب،مرتبہ: امتیاز علی عرشی۔

291۔مطالعہ خطوط غالب،عبدالقوی دسنوی،نسیم بک ڈپو لانوس روڈ لکھنو،مئی 1979ء

292۔سرسید احمد خاں اور ان کا عہد،ثریا حسین، ایجوکیشنل بک ہاؤس،علی گڑھ،1992ء

293۔بنام مرزا حاتم علی بیگ مہر، 21 ستمبر 1858ء

294۔العلم کراچی، اپریل تا جون 1969ء

295۔آزادی کے بعد دہلی میں اردو تحقیق،مرتبہ:تنویر احمد علوی،اردو اکادمی دہلی،2001ء

296۔غالب کا تنقیدی شعور:مکتوبات کے آئینہ میں،اخلاق حسین عارف،ادارۂ فروغ،اردو امین آباد،لکھنو،1999ء

297۔خط بنام شاہ عالم،خطوط غالب،مہر

298۔غالب نامہ یا آثار غالب،شیخ محمد اکرم،احسان بک ڈپو،پرنٹنگ پریس لکھنو۔

299۔مکاتیب غالب اور اس کی ادبی افادیت،اردو ادب،غالب،1929ء

300۔نصیر الدین ہاشمی،ماہنامہ آجکل،دہلی،اپریل 1954ء

301۔خط بنام عبدالرزاق شاکر۔

302۔ہندوستانی سیاست میں مسلمانوں کا عروج،رفیق زکریا۔

303۔مکاتیب مولانا مظہر الحق۔

304۔خطوط سر سید احمد خاں۔

305۔اردو مکتوباتی ادب کا ادبی و تاریخی ارتقاء،خواجہ احمد فاروقی،غیر مطبوعہ۔

306۔اقبال اور سیاست ملی،رئیس احمد ندوی۔

307۔قلم کا مزدور،پریم چند۔

308۔مکتوبات اردو کا ادبی و تاریخی ارتقا،غیر مطبوعہ۔

309۔اسرار غالب،مرتب:سید قدرت نقوی،اشاعت اول،1996ء

310۔خط بنام مولوی عبدالرزاق شاکر،غالب کے خطوط،جلد دوم

311۔شبلی نقادوں کی نظر میں۔

312۔خط بنام ناطق،جولائی،1904

313۔خطوط اقبال،مرتبہ رفیع الدین ہاشمی،مکتبہ خیابان ادب،لاہور،1976ء

314۔حرف شریں،مرتبہ رام لعل،لکھنو،1990ء

315۔ادبی خطوط غالب،مرتب:مرزا محمد حسن عسکری،ادارۂ فروغ اردو،لکھنو،1970ء

رسائل و جرائد

1۔ارمغاں۔ابراہیم جلیس نمبر(کراچی)،شمارہ:6,7

2۔اوراق(لاہور)،جنوری۔فروری،1978ء

3۔ایوان اردو۔خواجہ احمد عباس نمبر(دہلی)،جلد:1 شمارہ:8 دسمبر 1987ء

4۔شگوفہ۔مجتبیٰ حسین نمبر(حیدرآباد)،جلد 20 نومبر 1987ء

5۔فکر و نظر۔حالی نمبر،علی گڑھ،شمارہ:اکتوبر 1991ء

6۔فروغ اردو۔حالی نمبر،حصہ دوم،لکھنو،جون 1959ء

7۔فروغ اردو۔ماجد نمبر،لکھنو،اگست تا اکتوبر، 1971ء

8۔منادی۔خواجہ حسن نظامی نمبر،دہلی،اگست تا ستمبر،1956ء

9۔نقوش۔مکاتیب نمبر،حصہ اول،لاہور،نومبر 1957ء

10۔نقوش۔آپ بیتی نمبر،جلد اول،لاہور،1964ء

11۔نیا ادب اور کلیم لکھنو،جلد:4،شمارہ 1,2،جنوری۔فروری،1941ء

12۔ہماری زبان،علی گڑھ،22 جنوری،1972ء

انگریزی کتابیات

1. Augustine Saint, The Confessions, Modern Library, New York, 1949.

2. Blasing Multu knonut, The Art of Life, University of Texes Press, Texes, 1977.

3. Boswell James, Life of Johnson (Vol.I), Archibald Constable Co., London, 1906.

4. Bowen Catherine Drinker, Biography Craft and Calling, Greenwood Publisher, Cannecticut, 1978.

5. Marton Balch, Modern Short Biographies and Autobiographies, Harcourt Brace and World Inc., New York, 1940

6. Nickelson Herald, The Development of English Biography, The Hograth Press, London, 1947.

7. Longman Companion to English Literature, London, 1972.

8. Pascal Roy, Design and Truth in Autobiography, Page Bro.l, London, 1960.

9. Wellec Renc and Warren, Austin: Theory of Literature, Penguine Books, Harmonds Worth, 1963.

سوانحی ادب اورسفر نامہ

Travelogue

انسان کی تغیر پسندی اُس کی عظیم صلاحیت اور پسندیدہ آرزو ہے۔تبدیلی خیالات سے لے کر اعمالات تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔اِس عمل میں انسانی پیدائش،تربیت اورمختلف عمری مدارج،طفولیت،لڑکپن،بلوغیت یا بزرگی زندگی کے عمری مدارج اورمراحل ہیں۔زندگی عمر ہوتی ہےاورایک جگہ کے ماحول اورجغرافیہ میں پیدا ہونے کے بعد کسی دوسرے ماحول اورجغرافیہ کی تلاش میں چل نکلتی ہے۔وہ آرزو یاارمان جو جذباتی،ثقافتی،علاقائی یا جغرافیائی تبدیلی کی طلب گار ہوتی ہےاُسے سفر ومسافرت کی آرزو یا صلاحیت کہا جاتا ہے۔عمومی زندگی میں تو ہرکوئی کسی خطہء زمین پر رہتے ہوئے اِدھراُدھر پھرتا رہتا ہے۔مگربعض لوگ اُفتادِطبع کے باعث اپنے علاقوں سے دوسرے خطوں کو دیکھنے،تجربہ کرنے،برتاوٗ حاصل کرنے اُن کے مختلف ہونے کوسمجھنے،قبول کرنے کے علاوہ لُطف اندوز ہونے کو چل نکلتے ہیں۔سفر نامہ نگاری فرد،شخصیت،جذبہ و جبلت،احساس وخیال،جمال وکمال،تنوّع،تنازعہ،تضاد وتفرق جیسی ہماہمی اور رنگا رنگی کا مرقّع ہوتی ہے۔سفر کرنے والے کی اپنی فطرت کا وحشی پن اُسے اپنوں سے بیگانوں میں لے جاتا ہے۔اپنے ماحول سے کسی اورمنظر نامے کو دیکھنے کا آرزومند ہوتا ہے۔سفر اپنی مرضی سے بھی کیا جاتا ہے اورکسی مقصد،مجبوری یا منصوبہ بندی کے باعث بھی۔''سفر''ایک جامع اصطلاح ہےجس میں''سیاحت'' بھی شامل ہیں۔مگر سیاحت سفر کرنے والے کومقصد اور مجبوری یا منصوبہ بندی کی استثناءexclusivity عطا کرتی ہے۔سفرتو ہوتا ہےمگر مسافرطبعِ وحشت کے سبب،نہ کہ کسی منصوبہ بندی،مقصد یا مجبوری کی وجہ سے سیاحت کرتا ہے۔سیاحت خالصتاً دنیا،لوگ،ثقافتوں اور معاشروں کو دیکھنے سمجھنے کی آرزو اورعمل کا نام ہے۔سیاح اِس سارے عمل سے حیرانی کی بے مثال،انجانی اورانوکھی مسرت حاصل کرتا ہے۔اُس کی اُفتادِطبع کے اس تقاضا کواُس کی''وحشتِ طبع'' کے عنوان میں پیش کیا جاتا ہے۔اجنبی لوگ،انجانی ثقافتیں اوراَن دیکھے علاقوں میں ایک دوسرے کی پہچان پیدا ہوتی ہے۔جاپان میں لوگ انکار کے اشارہ کے لئے سر کو دائیں بائیں نہیں گھُماتے۔وہ سر کواوپر نیچے حرکت دے کر اظہار کرتے ہیں۔اُن کی مہذب اورنفاست سے مزین عادات میں براہِ راست انکار کی کوئی گُنجائش نہیں۔اِس لئے وہ اظہارِانکار کے لئے دائیں سے بائیں سر کا ہلانے کا اشارہ نہیں کرتے۔سر کواوپر سے نیچے ہلانے کا دنیا کی زیادہ سے زیادہ آبادی میں اقرار کا اشارہ ہوتا ہے۔مگر جاپانی اپنی عادات واعمال کی نفاست کا پاس رکھتے ہوئے اظہارِانکار کا اشارہ بھی اظہارِاقرار کے اشارہ میں کرتے ہیں۔اِس مثال سے دنیا کے کسی علاقے کےعوام بھی اظہارِانکار اوراظہارِاقرار کے اشاروں کے تنوع اورتنازعہ وتضاد کی رنگینیاں فہم کر سکتے ہیں۔سیاح شعوری طور پر اِن باتوں کو سمجھتا ہو یا

نہ سمجھتا ہو، یہی کچھ حاصل کرنے چل نکلتا ہے۔یقینی بات ہے مسافر یا سیاح کو اپنے سفر کی منصوبہ بندی، تیاری، مالی فراہمی یا دیگر مسائل جن کی وہ پیش بینی کرسکتا ہے اُن کا خیال رکھتے ہوئے تسکین آمیز اقدامات کرتا ہے۔عہدِ قدیم میں اِس کی زیادہ ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔لوگ پیدل ہی چل نکلتے تھے یا پھر بار بردار جانوروں کے ساتھ۔لوگ بھی گزرتے مسافروں کے ساتھ تعاون اور مروت کا سلوک کرتے تھے۔اِس معاشری قدر میں مسافر اور میز بان کا باہمی مفاد و تحفظ بھی تھا۔اجنبی لوگوں کا خیال رکھنے، تحفظ دینے اور کھانا فراہم کرنے کی قدروں کا مطلب تو یہی ہے کہ آج کسی میز بان کو کسی مسافر کے لئے یہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے اور پھر وہی میز بان مسافر کی حیثیت سے کسی اور میز بان کی اقدارِ میز بانی سے فیض یاب ہوتا ہے۔یہ عمل سماجی تعاون کی مثال اور قدر رہے۔عہدِ جدید میں ذرائع رسل و رسائل اور آمد و رفت، سائیکل، گاڑی، ریل اور ہوائی جہاز تک جا پہنچے ہیں۔اُن کے اپنے اوقات ہوتے ہیں۔سو عہدِ جدید کے مسافر اور سیاہ کو اپنے اوقاتِ کار کا بہت زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔کمپیوٹر تو فرد کی طبعیت اور جسم کا حصہ بن گیا ہے۔موبائل فون نے گویا مختصر ترین کمپیوٹر کو انسانی ذہن میں داخل کر دیا ہے۔سفر مقامی ہو یا عالمی اوقاتِ کار کی گوشوارہ بندی کسی کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔اِس عمل نے مسافرت کے عمل کو تیز تر اور کم وقت میں مکمل ہونے کی بڑی سہولت بھی عطا کی ہے۔مسافر اور سیاح اپنی روزمرہ کی کیفیات ، تجربات اور مشاہدات کو قلم بند بھی کرسکتا ہے۔اِس طرح کی تحریروں کو سفر نامہ ،سیاحت نامہ ،کیفیتِ سفر، حالاتِ سفر، سرگزشتِ سفر، سفر کی ڈائری اور سفر کے روز نامچہ کے عنوانات سے پیش کیا جاسکتا ہے۔فرد کی ذاتی حالت، نفسیاتی کیفیت اور سفری تحریر متحرک عمل ہوتا ہے۔کوئی چیز رُکی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ رُکی ہوئی چیزیں بھی بدلتے ہوئے ہر عمل اور کیفیت کا حصہ ہوتے ہیں۔سیاحت نگار اِس سارے عمل میں ہر متعلقہ شخص اور چیز کو شامل کرتا ہے اور اپنے بیان میں قاری کو۔بے جا نہ ہوگا اگر یقین کیا جائے کہ سفر نامہ نگار کرتا، بُھگتتا، سہتا خود برداشت کرتا ہے مگر وہ یہ سب کچھ قاری کے لے احاطۂ تحریر میں لے کر آتا ہے۔اِس موضوع پر ڈاکٹر محمد عمر رضا رقم طراز ہیں:۔

> ''سفر نامے میں سفر کیے گئے مقامات کی تاریخ، جغرافیائی صورت اور وہاں کی دیگر سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی حالات اور فطری مناظر کا کچھ اس طرح بیان شامل ہوتا ہے جس سے قاری بھی سفر نامہ نگار کے ساتھ خود کو سفر کرتا ہوا محسوس کرے۔اس کے لیے محض میکانکی انداز میں سفر کیے گئے مقامات کے بارے میں جوں کا توں بیان کر دینا کافی نہیں بلکہ اس کے بیان میں مسافر یا سیاح جب تک اپنے جذبات و احساسات کو شامل نہیں کرتا، اس وقت تک اس میں جان یا تاثیریت پیدا نہیں ہوتی۔سفر نامے لکھنے کے لیے قوت مشاہدہ کی بے پناہ ضرورت ہوتی ہے۔''1

محقق کا محوّلہ اقتباس سفر نامہ نگاری کے مجموعی تصور کے نقشہ کی طرح ہے۔سفر اور سیاحت سے متعلق اُمور، عمل

اور نتائج کی بہت ہی اختصاری تفصیل بیان کی گئی ہے۔سیاحت نامہ ایسی ادبی صنف ہے جو فرد سے آغاز ہوتی ہے اور اجتماع کو مشمول کرتی جاتی ہے۔اس کی بنیادی قوت ''تحرک'' ہے جو عملی اور فکری، دونوں نوعیت کا ہے۔سیاحت نگار فرد ہوتا ہے اور کسی اور فرد، گروہ، اجتماع، ثقافت یا معاشرہ کے متعلق لکھ کر اپنے قاری کو پیش کر دیتا ہے۔گویا سفر نامہ نگاری ایسی تخلیقی صنف ہے جو تحرّک کی تکون triangle میں اپنا تخلیقی وجود و جمال حاصل کرتی ہے۔ڈاکٹر انور سدید کے اِس موضوع پر خیالات محوّلہ محقق سے بے حد مماثل ہیں:۔

''سفر نامہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں مشاہدے کی قوت سب سے زیادہ روبہ عمل آتی ہے۔یہ صنف علم تاریخ اور علم جغرافیہ کے فنی مقاصد کے لیے میکانکی انداز میں کوائف جمع نہیں کرتی بلکہ ایک مربوطِ دلچسپ اور خوش گوار بیانیہ مرتب کرنے کے لیے ان سب سے فائدہ ضرور اٹھاتی ہے۔سفر نامہ نگار اپنے عہد کو زندہ حالت میں دیکھتا ہے اور زندگی کے اس مشاہدے کو سفر نامے میں یوں منتقل کر دیتا ہے کہ آنے والا زمانہ اس دور کی روح کا تحرک محسوس کر لیتا ہے۔''2

سفر نامہ نگاری تحریر کرنے والے کی مرضی کی ادبی تخلیقی صنف ہے۔اُس کے اپنے ابلاغی، تخلیقی اور فنی معیارات ہوتے ہیں۔یہ صنف زیادہ تر غیر رسمی انداز وطریقہ سے تحریر کی جاتی ہے مگر اِس کے اپنے دَرُون میں ایسے تقاضے موجود ہوتے ہیں جن کو سفر نامہ نگار اپنے لیے اُصول وقواعد سمجھ کر تحریر پر اطلاق پذیر کرتا ہے۔سفر نامہ نگار تبدیلی اور تنوع کی آرزو کا تلَوّن پیدا کرتا ہے اور اُس کی تسکین کے لئے سفر، سیاحت کا اہتمام کرتا ہے۔ڈاکٹر خالد محمود اِس موضوع پر خیال آرائی کرتے ہیں:۔

''سفر نامہ ایک قدیم بیانیہ صنفِ ادب ہے جو انسان کی مُتلَوّن مزاجی کی بدولت ظہور میں آئی۔3

ڈاکٹر صاحب نے ''تلَوّن capriciousness'' کو سفر وسیاحت کے لئے بنیادی صلاحیت قرار دیا ہے۔اُنہوں نے تو یہ تک کہنا مناسب سمجھا کہ اسلامی عقیدہ کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام وہ پہلے انسان ہیں جن کا مقام جنت میں تھا اور اُنہیں زمین کی مسافرت اور سیاحت کے لئے بھیج دیا گیا۔یہ انتقالِ مکانی کسی انسان کا پہلا سفر قرار دیا جا سکتا ہے۔یہ تو آدم وحوّا کی بہشتِ عرش سے جنتِ ارضی کی سیاحت کہی جا سکتی ہے۔

عالمی ادب میں یہ ادبی صنف بھی دیگر اصناف کی طرح قدیم ہے۔اُردو ادب میں اِس کی مثالیں نسبتاً زیادہ نہیں ہیں۔اُردو زبان تہذیب ہند کی گود میں پلی بڑھی ہے۔تہذیب ہند زرعی، زرخیز میدانوں کی سرزمین ہے۔کسب وحصولِ

معاش کے لئے سمندروں، پانیوں میں سے مسافرت کی ضرورت نہ تھی۔ اگر کچھ ایسا تقاضا تھا بھی تو میدانی دریاؤں نے اُسے پورا کردیا۔ اِس لئے بحری، جہازی اور دیگر ضرورت یات کی صنعتیں تہذیب ہند میں بہت دیر سے متعارف ہوئیں۔ ہندی دیومالاؤں سے تو یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ''دیوتا'' سمندروں، پانیوں سے ڈرتے تھے۔ دیوتاؤں کے سمندری سفر سے خوفزدہ ہونے کا تو یہی مطلب ہے کہ ہندومت کے عقیدت مند بھی ایسا ہی سوچیں اور کریں۔ یہ عقیدوں کی تحدید نہ تھی جغرافیہ، اَرضی حالت، فصلوں، جنگلوں اور جانوروں کے تنوع کے سبب تھا۔ جب سب کچھ میدانوں ہی سے مل جاتا تھا تو سمندروں میں کود جانے کی کیا ضرورت تھی۔ تاہم یہ کسی عہد تک تو ممکن تھا ہمیشہ کے لئے ایسا ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ گویا سفر تہذیبِ جدید کا بنیادی ترقیاتی اُصول وقاعدہ ہے۔ یہ عمل سیاحت اور اُس کی بیان کاری میں فنی اور تخلیقی ہوجاتا ہے۔ اِس کے ابلاغ کیلئے بیانیات narratology کے فکر و فلسفہ اور فن کے اُصولوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ عمل فرد کے اندرون سے اُٹھتا ہے اور دوسرے فرد، افراد، گروہوں، ثقافتوں اور معاشروں کی طرف چل نکلتا ہے۔ پھر وہاں سے زندگی کو واپس اُسی مقام و محل کی طرف ابلاغ کیا جاتا ہے جہاں سے سفر نامہ نگار نے اپنی سیاحت کا آغاز کیا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی سیاحت نگاری کی داخلی اور خارجی اقدار کے حوالہ سے بہت ہی معنی خیز خیال آرائی کرتے ہیں:۔

> ''(سفر نامہ نگار) لفظوں کے حوالے سے اپنے باطن میں چھپی ہوئی حقیقتوں کا انکشاف کرتا اور داخل میں وارد ہونے والے ہر تجربہ کو لفظوں کی مدد سے جانچتا اور پرکھتا ہے۔ ان تجربات کو محسوس کی سطح پر لانے کے لئے لسانیاتی پیکر ایک نئی کشفی حالت میں دوچار ہوتے ہیں۔ سفر نامے میں ایسے ایک دو نہیں کئی مقام آتے ہیں۔ کبھی یہ سفر خارج سے داخل کا سفر ہے۔۔۔ یا پھر داخل سے خارج کا سفر۔'' 4

سفر نامہ فرد اور معاشرہ کے داخل و خارج کا قصہ ہوتا ہے۔ فرد اور معاشرہ کی اپنی اپنی سوانح ہوتی ہے۔ سفر نامہ میں سوانح حیات کے اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ یہ اتنے رسمی نہیں ہوتے جتنے سوانح حیات یا خودنوشت ہوتے ہیں۔ مرکزِ تحریر سفر، مشاہدہ، درپیش ماحول، افراد اور گروہ ہوتے ہیں مگر وہ سب انسانی حیات کے اعکاس مناظر ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں سفر نامہ نگاری کی تاریخ بہت توانا نہیں ہے بلکہ عالمی منظر نامہ کی تاریخ میں کافی عرصہ کے بعد ارتقائی عمل شروع ہوا۔ اُس کی وجہ ہندوستان کے دریا، زرخیز زمینیں، اونٹ، گھوڑا، بیل، کی فطری معاشی سہولیات کی وجہ سے بیرونِ ہندوستان اسفار کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ بحری قزّاقی ہندوستان کے لوگوں کے لیے عالمی سفر میں بہت بڑی رکاوٹ کی طرح تھی۔ اِس کے باوجود موئنجو داڑو، ہڑپہ، ٹیکسلا اور جدید ہندوستان میں بے شمار مقامات سے بیرونِ ہندوستان تجارت بھی ہوتی تھی۔ سوتی کپڑا، دھاتوں کے زیورات، ہڈیوں کی اشیاء اور رنگوں کی برآمدات، عراق میں بابل

،نینوااورشام،مصر کے علاوہ فلسطینی علاقوں میں تجارت کی جاتی تھیں۔ہندوستانی مصنوعات اور دست کاریوں کی درآمد و برآمد کا کاروبار ہوتا رہتا تھا۔ہندوستان کی عالمی تجارت کا انحصار بحری ذرائع آمدورفت پر تھا۔لوگ بھی آنا جانا کرتے رہتے تھے۔سفر کے متعلق یقیناً کچھ یاداشتیں،روزنامچے وغیرہ بھی لکھتے ہوں گے۔ہندوستان میں سفرناموں کا آغاز اُن ہی زمانوں سے تصور کیا جاسکتا ہے۔ہندوستان کے انسانوں کے رہن سہن،جذبہ وجبلّت اور میسوپوٹیمیا کے لوگوں،علاقوں اور ثقافتوں کے متعلق اظہاری ادب کا تبادلہ عالمی سوانحی ادب ہی کا حصہ تھا۔یونان کے سیاح میگستھینیز نے ''سفرنامہ ہند'' کے عنوان سے جزوی طور پرڈائری،روزنامچہ کی شکل میں اپنا سفرنامہ تحریر کیا۔اطالوی سیاح نیکولائی منوچی نے اپنا ہندوستان کے سفر کے احوال تحریر کئے۔بنیادی طور پر وہ مؤرخ تھا اور تاریخ کا ایک اہم ترین جز وتاریخی کرداروں کے زندگی کے حالات ہوتے ہیں۔اِس کے علاوہ کسی عہد کے منظرنامے اجتماعی حیات کی سوانح کی طرح تحریر کئے جاتے ہیں۔منوچی کے سفرنامہ کا ترجمہ ''فسانۂ سلطنتِ مغلیہ'' کے عنوان سے سید مظفرعلی خاں کا سفرنامہ آگرہ سے شائع ہوا۔اِسی سفرنامہ کوملک راج شرما نے ''ہندوستان عہدِ مغلیہ میں'' کے نام سے ترجمہ کیا۔سجاد باقر رضوی نے ''داستانِ مغلیہ'' کے عنوان سے منوچی کے سفرنامہ کا ترجمہ کیا۔پادری ولیم کیری 1793ء اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ہندوستان آیا۔اُس کی ڈائریاں،خطوط اور روزنامچوں میں سفرنگاری کا بہت سا مواد موجود ہے۔مارکو پولواٹلی سے چلتے ہوئے 1465ء میں چین اور پھر ہندوستان میں مالابار تک آیا۔ہندوستان میں یہ غیاث الدین بلبن کا عہد حکومت تھا۔پارتھولوموازاز،پُرتگالی تھا۔وہ 1486ء میں ہندوستان آیا۔اُس کی تحریروں میں ادبی سوانح کے بہت سے نمونے دریافت کئے جاسکتے ہیں۔واسکوڈے گاما بھی پُرتگالی سے سیاح تھا۔وہ 1498ء میں ہندوستان کے ساحلوں پرلنگر انداز ہوااورقریباً ایک برس تک ہندوستان میں گھومتا پھرتا رہا۔اُس کی تحریروں،ڈائریوں اور خطوط وغیرہ میں سوانحی ادب کی صنف مشاہدہ کی جاسکتی ہے۔برطانیہ سے سرتھامس 1615ء میں ہندوستان آیا۔اسی عہد میں برطانیہ کا کپتان ہاکنز 1639ء،عہدِ شاہ جہاں میں ہندوستان آیا۔فرانسیسی سیاح نیونیز بھی ہندوستان کی سیاحت کے لئے آیا۔اُن کے خطوط،ڈائریاں اور دیگر تحریروں میں سوانح اجزاء کثرت سے شامل ہیں۔ڈاکٹر برنیئر 1656ء سے 1668ء تک ہندوستان میں رہا۔یہ اورنگزیب عالمگیر کا عہدِ حکمرانی تھا۔فرانسیسی سیاح برنیئر کا سفرنامہ ''وقائع سیر سیاحت'' کے عنوان سے سید محمد حسین نے ترجمہ کیا۔یہ ترجمہ 1888ء میں پٹیالہ سے شائع ہوا۔اُس کے سفرنامہ میں مقامی حالات درباری جوڑتوڑ،حکومتی سازشیں،حکمران طبقہ کا باہمی تصادم،عشق و محبت کی داستانیں اور موج میلے شامل ہے۔

ہندوستان میں سفرنامہ کا رسمی ارتقائی عمل سترھویں،اٹھارھویں صدی سے آغاز کرتا ہے۔اثاثی سفرنامہ نگاروں میں قباد بیگ،میر محمد حسین لندنی،نواب کریم،شیخ احتشام الدین اور مرزاابوطالب اصفہانی شامل ہیں۔شیخ احتسام الدین نے سفرنامہ ''شنگرف نامہ'' تحریر کرنے کا آغاز 1765ء میں کیا ہے۔یہ فارسی سفرنامہ کا مخطوطہ برٹش میوزیم لائبریری میں

موجود ہے۔ جیمز ایڈورڈ ایڈمز نے 1825ء میں سفر نامہ کے مخطوطہ کو انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ مرزا ابو طالب خان اصفہانی نے ''مسیر طالبی'' کے عنوان سے اٹھارھویں صدی میں تحریر کیا۔ فارسی کے اس ہندوستانی سفر نامہ کا انگریزی ترجمہ 1810ء میں چارلس اسٹیوارڈ نے کیا۔ یہ سفر نامہ فورٹ ولیم کالج سے 1812ء میں شائع ہوا۔ مرزا رضا محزون نے یہ ترجمہ مرادآباد سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر خالد محمود نے اپنی تحقیق ''اردو سفر ناموں تنقیدی مطالعہ'' میں محوّلہ سفر نامہ کے متعلق تحریر کیا ہے۔

''انگلستان میں عورتوں کی آزادی و آزادہ روی اور من حیث القوم انگریز۲وں کی پابندی اوقات کو خوب سراہتے ہیں۔ لندن کی آب و ہوا، موسم جانور ہر شے ان کے دل کو لبھاتی ہے۔ ان کی جزئیات نگاری اور مرقع کشی لائق تحسین ہے۔ لندن انہیں اتنا پسند آیا ہے کہ شہر اور شہر کے حسینان دلربا کی مداح سرائی میں اشعار اور مثنوی تک لکھ ڈالتے ہیں۔ صنعت وحرفت کی ترقی کی بھی قصیدہ خوانی کرتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ابو طالب اصفہانی کو انگریزوں کی تہذیب و معاشرت میں کچھ خامیاں بھی نظر آتی ہیں، جن کے اظہار میں وہ بالکل پس و پیش نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک انگریزوں کی معاشرت میں کئی باتیں قبیح اور قابل گرفت ہیں، مثلا بیشتر انگریز مذاہب سے بے گانہ ہیں اور ان کی طبعیت کا میلان فلسفے کی جانب ہے، آرام طلب اور تعیش پسند، زود رنج اور نازک مزاج ہیں، ان پر دولت اور دیگر امور دنیوی کی گرفت زیادہ مضبوط ہے، حوائج ضروری، سونے اور کپڑے بدلنے میں تضیع اوقات کرتے ہیں اور اسباب پر بے حد تکیہ کرتے ہیں، غیر زبان یا علم کی حد پہچاننے میں غلطی کرتے ہیں یعنی محض کسی زبان کے چند لفظ یاد کر لینے سے خود کو زبان داں اور کسی علم کے چند مسائل معلوم کر لینے سے اپنے آپ کو اس کا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور پھر اس علم یا زبان میں کتابیں تالیف کرنے کے بعد ان خرافات کو شائع کرتے ہیں، ان کی دختران ناکتخدا اپنے عشاق کے ساتھ فرار ہو جاتی ہیں کیوں کہ شادی سے پہلے مرد وزن کی یکجائی کو معیوب نہیں سمجھتے، دوسرے مذہبوں کی رسوم اور پسندیدہ باتوں پر غور نہیں کرتے اور اپنی ہر چیز کو بے

عیب اور لا جواب سمجھتے ہیں'' 5

محقق کے تجزیاتی اقتباس سے نتیجہ نمایاں ہوتا ہے کہ سفر نامہ ذاتی ،فردی، گروہی، ثقافتی اور معاشری سوانح ہوتی ہے۔ادب میں سفر نامہ کی اپنی صنفی حیثیت کی تخصیص نہیں ہوتی ۔مگر اِس میں سوانحی اجزا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، جن کے سبب یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ سفر نامہ سوانحی ادب کی صنف ہے ۔میر امّن نے ''باغ و بہار'' میں 'چہار درویش' کے سفر کے حالات بیان کئے ہیں۔حیدر بخش حیدری نے ''آرائشِ محفل'' میں حاتم طائی کے سفری قصے بیان کئے ہیں۔خلیل خاں عشق کی ''داستانِ میر حمزہ'' میں ماورائے فطرت وعقل وقعات تخلیق کر کے بیان کئے گئے ہیں۔نہال چند لاہوری کی ''مذہبِ عشق'' میں 'گُل بکاوَلی' کی گُم شدگی کے بعد اُس کی تلاش کے سفر کہانی کئے گئے ہیں۔اُن کرداروں کا عمل انسانوں کے آپس میں برتاؤ،سلوک وتعلق ،مزاج و کردار اور سماجی منظر نامے کو پیش کرتا ہے۔''عجائباتِ فرہنگ'' اُردو کا پہلا مستند سفر نامہ تخصیص کیا جاتا ہے۔بلا شبہ یوسف خان کمبل پوش کی سیاحت اپنے طول و ارض میں بہت ہی وسیع ہے۔اِس کے مندرجات جزئیاتی اور تفصیلی ہیں۔بیانیہ میں کمبل پوش اپنے منظر نامہ سے متعلق اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتا ہے۔تحسین فراقی نے ''عجائباتِ فرہنگ'' کو 1983ء میں اَز سرِ نَو مرتب کیا۔اِس کے متعلق فراقی لکھتے ہیں:۔

> ''کمبل پوش کی ''تاریخ یوسفی'' یا ''عجائباتِ فرنگ'' اردو کا پہلا سفر نامہ ہی نہیں سفر نامے کا اہم ترین سنگ میل بھی ہے اور اس پر جدید سفر نامے کی اصطلاح کا اطلاق بھی بہت حد تک ہوتا ہے، جہاں تک سفر یورپ کا تعلق ہے اردو میں اب تک اس باب میں تیں، پینتیس سفر نامے لکھے جا چکے ہیں، جن کا سلسلہ کمبل پوش سے عطاء الحق قاسمی تک پھیلا ہوا ہے لیکن ''عجائباتِ فرنگ'' ان میں اولیت کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ اسلوب اور لوازمے کے اعتبار سے بھی ایک بے مثال سفر نامے ہے۔'' 6

تحسین فراقی ''عجائباتِ فرنگ'' کو اردو ادب میں ابتدائی سفر نامہ قرار دیتے ہیں۔کمبل پوش کے سفر نامہ کی تحریر کے چند مختصر اقتباس:۔

> ''ہر گانو آباد'' آدمیوں کو خوش سلیقہ ، کنواریاں خوبصورت اپنے اپنے کھیتوں میں بیٹھی اناج کاٹتیں، باوجود بے مقدوری کے بڑے بناؤ سنگار سے تھیں بلکہ بول چال وحسن و جمال میں امیر زادیوں ہندوستان سے بہتر معلوم ہوتیں،لڑکے پری زاد جابہ جا جمع ہوکر عقلمندوں کی طرح بیٹھے باتیں کرتے ،لڑکپن میں وہ دانائی حاصل کی کہ ہندوستان کے بڑھوں میں

بھی نہیں ہوتی، کھیت غلوں سے اور میووں سے بھرے ہوئے ، بالیاں دانوں سے پُر، خوشہ پروین سے پرے سرے تراوت ان کی سے قطع جنت شرمندہ دانے ان کے موتیوں سے زیادہ تابند۔ دیکھنے اس سرزمین اور کھیتوں ارم تزئین سے ایسے خوشی حاصل ہوئی کہ سلطنت ہفت اقلیم کی ہاتھ آئی۔ گائے بھیڑ اور بیل ایسے موٹے کہ تھوڑی دور چلنے سے تھک جاتے، ہوا ایسی فرحت بخش کہ نیند آنے لگی۔۔۔۔''

''عجب شہر ہے لڑکوں کنواروں، خوبصورتوں کو دیکھا کہ استاد کے سامنے امتیاز سے بیٹھے پڑھ رہے ہیں، خورد و بزرگ سے حسب مراتب ادب سے پیش آتے ہیں۔ میں حیران ہوا کہ ہمارے وطن کے لڑکے اس سن میں نشست و برخاست کی تمیز نہیں رکھتے ہیں یہ کیا شے ہیں جو اس صغر سن میں باوجود حسن و جمال کے دانائی میں بڈھوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ پریاں کوچہ و بازار میں کھڑیاں دل عاشقوں کا عوض ایک جھپکی آنکھ کے پُھسلا تیاں۔۔۔۔''

''سب طرح سے مجھ کو گاڑی میں آسائش تھی مگر آدھی راہ میں ایذا پہنچی اس لئے کہ کوچوان نے ایک عورت بدشکل کو میرے پاس بٹلایا، پہاڑ سے موٹی تھی، صورت اس کی سے نفرت ہوتی، میں نے اپنے تئیں بہت بچایا تو بھی اس کے موٹاپے سے صدمہ پہنچا۔ خدا نے خیر کی کہ وہ آدھی راہ سے اوتر گئی۔۔۔''

''ہر طرح کی چیزیں اور اسباب عجیب وغریب وہاں تھے، نہیں معلوم بایں افراط کہاں سے ہاتھ آئے ہر پری زاد فرنگ کے خوشی سے راہ میں آتے جاتے، ہر ادا سے اعجاز مسیحائی دکھاتے، مرد رنڈیاں پہلو بہ پہلو جیسے جنت میں حُور و غلمان نمودار، دوکان نانبائیوں کی نعمتوں سے بھری، فریفتہ ہوا جس کی نظر اس پر پڑی لوگوں کی بول، چال، دیدار ر، حسن و جمال مجھ کو خواب خیال معلوم ہوتا ورنہ بیداری میں ایسی کیفیت دیکھنا محال تھی، فی الواقعی جو دیکھا خیال ہی تھا کہ اب اس کا دیکھنا میسر نہیں آتا

بلکہ جس سے وہ حال کہتا ہوں اعتبار نہیں کرتا، اگر اپنی آنکھوں سے دیکھے تو
مانے۔۔۔''

''بردہ فروش'' لونڈیاں علانیہ بیچتے ہیں، خوف و حاکم و عَسَس نہیں
کرتے ہیں جو لونڈیاں خوبصورت کمسن دیکھتے ہیں ان کو علاحدہ ایک
مکان میں پردہ نشین کرتے ہیں، جس خریدار کو صاحب عزت و ثروت
جانتے ہیں اس مکان میں لے جا کر دکھالتے ہیں، باقی اور لونڈیاں
سر بازار بٹھلا کر بیچتے ہیں لوگ دیکھ بھال کر مول لیتے ہیں۔ حال اُون
بیچاریوں کا اُون ظالموں کے ہاتھ سے متغیر تھا، کسی کا بہ سبب فاقہ کشی کے
بدن میں فقط چمڑہ رہا، کسی کا سارا بدن ننگا۔ بندہ کپڑے سپید انگریزی پہنے
تھا اظہار خریداری لونڈی خوبصورت کا کیا بردہ فروشوں نے اندر مکان
کے لے جا کر لونڈیاں خوبصورت دکھائیں، صورت شکل میں سب پری کی
مانند تھیں مگر بہ سبب تکلیف دینے اُون ظالموں کے روٹی کپڑے سے سوکھ
کر پوست و استخواں رہیں، سب کی سب میری طرف دیکھ کر عاجزی سے
اشارہ خریدار اپنے کا کرتیں۔ میں دیکھنے حال تکلیف اور مصیبت الون
پریوں سے سخت رنجیدہ ہو کر باہر آیا۔ بخدا اگر مجھ کو مقدور ہوتا لون ستم
گاروں ناخدا ترس سے سب کو مول کر آزاد کر دیتا۔۔۔''7

کمبل پوش جزئیات اور تفصیلات کو بڑی تخصیص سے پیش کرتا تھا۔ جذبہ نگاری میں مبالغہ آرائی اُس کا اسلوب یا آلہء فن و تخلیق تھا۔ احساس و جذبہ کے اظہار میں بہت ہی موضوعی subjective اور ذاتی personal ہو جاتا تھا۔ مگر ان عوامل میں اُسے سفر نامہ نگار کی حیثیت سے خاص رعائیت بھی حاصل ہے۔ ایک تو صنفِ تحریر کی اپنی وجہ سے اور دوسرے اِس لئے کہ اُس عہد میں اِس موضوعیت سے زیادہ معروضیت objectivity کس قدر حاصل ہو سکتی تھی۔ سفر نامہ کا مصنف، اُس کے موضوعی کردار، ماحول و معاشرہ اور اُس کی اپنی ذات کوئی علمی scientific عوامل تو نہیں ہے۔ تحسین فراقی اور مظفر عباس کی تحقیقی تصنیفات کے مقدمہ جات میں کمبل پوش کے فن، تخلیق و بیانیہ narrative پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ کمبل پوش کے مزاج کے متعلق اسماعیل میرٹھی کی تذکرہ غوثیہ۔۔ شاہ گُل حسن اور غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے ملفوظات کافی تفصیلات کو تجسس اور تحقیق کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے نواب کریم خان کے سفر نامہ ''سیاحت نامے'' کو مرتب کیا۔ مولوی مسیح الدین علوی نے ''تاریخ انگلستان معروف بہ سفر نامہ لندن'' تحریر کیا۔ اِس سفر نامہ

میں خانوادہءِ اودھ اور عہدِ حکومت کے متعلق بہت سا سوانحی مواد سامنے آتا ہے۔ سر سید احمد خان نے ''مسافرِ لندن'' اور ''سفر نامہءِ پنجاب'' کے عنوان سے لکھے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ''سفر نامہ پامر'' کے دریافت کنندہ ہیں۔ انگلستان کے ایڈورڈ پامر بھی فرانس کے گارساں داتاسی کی طرح اُردو فارسی اور عربی کا ممتاز ادیب تھا۔ وہ کیمبرج یونیورسٹی لندن اور سینٹ جانس کالج کا عربی کا پروفیسر بھی رہا۔ مرزا اثار علی بیگ نے عہدِ سر سید میں ''سفر نامہ یورپ'' کے عنوان سے سیاحت نامہ پیش کیا۔ محمد علی خان نے ''مسیر حامدی'' کے نام سے اپنا زائر نامہ تحریر کیا۔ نواب محمد عمر خان نے ''زادسفر'' اور ''زادِ غریب'' کے عنوان سے سیاحت نامے تحریر کئے۔ ڈاکٹر شاہ علی سبزواری نے براعظم افریقہ کی سیاحت کے حوالہ سے ''خوف ناک دنیا'' کے نام سے سیاحت نامہ تحریر کیا۔ انیسویں صدی کے آخر میں علامہ شبلی نعمانی نے ''سفر نامہ روم ومصر وشام'' کے عنوان سے اپنی زواریت کی پیش کاری کی۔ ''سیرِ ایران'' مولانا محمد حسین آزاد کی قابلِ قدر تصنیف ہے۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری آٹھارہ برس تک 'جزائرانڈیمان' کالا پانی میں وطن بدر اور قید رہے۔ اُنہوں نے اپنے سفر، صعوبت کو ''کالا پانی'' کے سفر نامہ میں ذکر کیا۔ مولوی عبدالرحمٰن امرت سری نے ''سفر نامہءِ بلادِ اسلامیہ'' کے نام سے اپنی تحریر شائع کی۔ سر سید، شبلی نعمانی ، الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد انیسویں صدی کے نمایاں سفر نامہ نگار تھے۔

ہندوستان میں داخلی وجوہات کے ساتھ ساتھ سفر نگاری کی خارجی وجوہات بھی تھیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان میں نزُول و ورُود کے بعد بیرونِ ہند مسافرت کے امکانات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ ایک تو مسافرت، سیاحت انگریزوں کے رویّوں اور گھٹّی کا عمل ہے۔ وہ ہندوستان میں نئی روایت کی بنیاد رکھ گئے۔ ہندوستان کے لوگ بیرونِ ملک سیاحت، روزگار، اپنے ذاتی یا خانگی مسائل کا حل تلاش کرنے کا سفر کرنے لگے۔ ہندوستان میں انگریز اپنی فطرت کے تحت جگہ جگہ سیر و سیاحت کرتے رہتے تھے۔ بالا بریں ہندوستان کے سیاست دان بہت سے سیاسی موضوعات، مسائل اور اعمال کی عمل داری کے لئے بیرونِ ملک سفر کرتے رہتے تھے۔ اِس پس منظر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مُدعا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کے بعد سفر و سیاحت کو فروغ ملا۔ انگریزوں کے خلاف ہندوستان کے لوگ دیگر مما لک اور اقوام سے ملاقاتیں، مکالمے کرنے کے لئے سفر کرتے تھے۔ سر سید، شبلی، محمد حسین آزاد، علامہ محمد اقبال چند ایک ایسے مثالی کردار ہیں جنہوں نے سیاسی مقاصد کے لئے بھی مسافرت کی۔ انگریزوں کی آمد کے بعد تہذیب ہند کے لوگوں کو سفر و سیاحت کی نئی آگاہی نصیب ہوئی۔ جدید تعلیم کے حصول، ہنر کاری اور روزگار و کاروبار کے لئے زیادہ لوگوں نے دنیا کا سفر کیا۔ منشی محبوب عالم نے بغداد اور یورپ کی سیاحت کی اور اِسی نسبت سے ''سفر نامہ بغداد اور سفر نامہ یورپ'' تحریر کئے۔ فتح علی خان قزلباش نے ''سیاحتِ فتح خانی'' کے نام سے سفر نامہ لکھا۔ شیخ عبدالقادر نے سیاحت نامہ یورپ اور غلام الثقلین نے ''روزنامچہءِ سیاحت'' کے عنوانات سے سفر نامے پیش کئے خواجہ حسن نظامی نے ''سفر نامہ ہندوستان، سیرِ دہلی، سفر نامہ مصر و فلسطین وشام وحجاز، سفر نامہ آفغانستان'' جیسے شاہکار زوّاری نامے تخلیق کئے۔ ''مشاہداتِ کابل و یاغستان'' کے نام سے محمد

علی قصوری اور'' کابل میں سات سال'' کے نام سے مولانا عبیداللہ سندھی نے سفرنامے تحریر کئے۔ سلیمان ندوی نے ''سیرِ افغانستان'' کے نام سے سفرنامہ رقم کیا۔ قاضی عبدالغفار نے ''نقشِ فرنگ'' اور نواب محمد ظہیرالدین نے ''سیاحت نامہ'' کے عنوان سے سفرنامے پیش کئے ہیں۔ قاضی عبدالغفار نے ''لیلیٰ کے خطوط'' تصنیف کئے۔ خواتین کے رُوپ میں مرد ادیبوں نے ''مہ لقاء'' کے خطوط تحریر اور شائع کئے۔ مرزا حسین احمد بیگ کا ''پردیس کی باتیں'' اور غازی امان اللہ والی افغانستان نے ''سفرنامہِ شاہ افغانستان'' جیسے سیاحت نامے تحریر کئے۔ محمد بدرالسلام فضلی نے ''حقیقتِ جاپان''، قاضی ولی محمد نے ''سفرنامہ اُندلس''، شاہ بانو نے ''سیاحتِ سلطانی''، نازلی رفیعہ سلطان بیگم نے ''سیرِ یورپ'' اور ڈاکٹر محمد حسین نے ''1907ء کا جاپان'' کے عنوانات سے سفرنامے پیش کئے۔

سفرناموں کی مختصر فہرست

سفرنامہ نگار	عنوان	سفرنامہ نگار	عنوان
احمد بدر	کہاں سے لوٹ آئے۔ سفرنامہ حج	ماہرالقدری	کاروانِ حجاز
جمیز اور جیگوار	خوفناک دنیا۔ ناشر محمد حنیف، لاہور	ڈاکٹر شجاع نعیمی	کتاب ایران
رائے کالی داس	کتاب سیر پنجاب	ابوریحان البیرونی	کتاب الہند
حکیم محمد سعید	کوریا کی کہانی	ممتاز مفتی	لبیک
ڈاکٹر سلمان عباسی	لمحوں کا سفر	اطہر شیر	لالہ زار
ماسٹر امرناتھ	لاہور کی سیر	ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی	لندن یاترا
عشرت علی صدیقی	لینن گراڈ تا سمرقند	راشد شاذ	لستم پوخ
قمر علی عباسی	لندن لندن	شکیل الرحمٰن	لندن کی آخری رات
آغا محمد اشرف	لندن سے آداب عرض ہے	مرتبہ: میر دبیر قاضی ولی محمد صاحب	مغربِ اقصیٰ
حکیم محمد سعید	ماہ و روز	کلیم اللہ	ماؤ کے دیس میں
شاہ محمود خاں	میں نے روس میں کیا دیکھا	عبدالکریم ثمر	میں نے حجاز میں کیا دیکھا
صغرا مہدی	میخانوں کا پتہ	قمر علی عباسی	ماریشس میں دھنک

مرتبہ: پروفیسر محمد سرور	مولانا محمد علی کے یورپ کے سفر (خود اُن کے اپنے قلم سے)	عبدالقادر	مقامِ خلافت
رئیس فاطمہ	میرے خوابوں کی سرزمین	علی صدیقی	میرا سفر پاکستان
محمد حامد علی خاں بہادر	میر حامدی	جاوید دانش	مزید آوارگی
رام لعل	ماسکو یاترا	محمد ذاکر علی خان	میاں کی اٹریا تلے
مولانا وحیدالدین خاں	میوات کا سفر	سر سید احمد خاں	مسافران لندن
خواجہ احمد عباس	مسافر کی ڈائری	طارق مرزا	ملکوں ملکوں دیکھا چاند
عبدالغفار خاں	نقشِ فرنگ	ابناانشاء	نگری نگری پھرا مسافر
محمد علی قصوری	مشاہدات کابل و یاغستان	ضیاءاللہ کھوکھر	نوادرات
اقبال انصاری	نیل سے فرات تک	مستنصر حسین تارڑ	نکلے تری تلاش میں
شیو سوروپ سہائے	پریٹکوں کا دیش بھارت	شکیل الرحمٰن	قصہ میرے سفر کا
اسمٰعیل امیر خیزی	قیام آذربائیجان و ستارخان	پروفیسر ویمبری	پروفیسر ویمبری کا سفرنامہ
محمد اختر ممونکا	پیرس 205 کلومیٹر	صغرا ہمایوں مرزا	رہبر کشمیر
سید عابد حسین	رہ نورد شوق	جوگندر پال	رابطہ
وفا ڈبائیوی	راہ وفا	سلمیٰ اعوان	روس کی ایک جھلک
رضوان صدیقی	روشن اندھیرے	شام بارک پوری	رنگ و بو کی سرزمین
محمد حفظ الرحمٰن	راہ وفا	گوپی چند نارنگ	سفر آشنا
حکیم محمد سعید	سعید سیاح جاپان میں	لیاقت جنگ بہادر	روزنامہ سفر یوروپ و امریکہ
احسان	روس میں آٹھ دن	مولانا وحیدالدین خاں	سفرنامہ غیر ملکی اسفار
ٹی ڈی فورسایتھ	سفرنامہ	فریدا مرزا	سفرنامہ
غلام حسین پانی پتی	سفرنامہ حج	مرزا ابوطالب اصفہانی	سفرنامہ فرنگ
مولانا وحیدالدین خاں	سفرامہ اسپین و فلسطین	سفرنامہ اقبال	حمزہ فاروقی

محمد رزدار خان	سفرنامہ حرمین	محمد الدین	سفرنامہ کشمیر
مرتب: حق نواز	سفرنامہ اقبال	محمد اسلم	سفرنامہ ہند
شبلی نعمانی	سفرنامہ روم و مصور و شام	آنند رام مخلص	سفرنامہ مخلص
خورشید انور عارفی	سفر، وسیلہ ظفر	صالحہ عابد حسین	سفر زندگی کے لئے سوز و ساز
مہاراج سرکشن پرشاد شاد	سفر شاد نگر	نذیر نواز جنگ	سفرنامہ
مختار مسعود	سفر نصیب	رائے بالا پرشاد گوڑ	سفر لکھنو
عبدالماجد دریابادی	سفر حجاز	منشی رشید احمد	سفرِ انگلستان
سید محمد جواد	سفرنامہ مقامات مقدسہ	ابن بطوطہ	سفرنامہ ابن بطوطہ اردو
طیب عثمانی ندوی	سفرنامہ حرمین شریفین	اشفاق احمد بحرآبادی	سفرنامہ افریقہ
وحید الدین خاں	سفرنامہ اسپین و فلسطین	رازق الخیری	سفرنامہ مشرقی پاکستان
اسعد گیلانی	سرنامہ ایران	مصطفیٰ علی	سفرنامہ ہندوستان
عبدالرحمٰن امرتسری	سفرنامہ بلاد اسلامیہ	سرٹامس ایڈورڈ گارڈن	سفرنامہ ایران
صغرا مہدی	سیر کردنیا کی غافل	مولوی سید ہمایوں مرزا	سیر بہار و بنگالہ
قمر علی عباسی	صحرا میں شام	پنڈت کنیسا لال عاشق	سیر کشمیر
سید محی الدین قادری زور	سیر گولکنڈہ	پنڈت ٹھاکر دت شرما	سیر یورپ
شاہ اکبر داناپوری	سیر دہلی	مہاراج سرکشن پرشاد شاد	سیر و سفر
مطبوعہ نول کشور لکھنو 1872	سیر سیاح	یوسف خان کمل پوش	سیر ملک اودھ
آغا مقبول اصفہانی	سیر مقبول	منشی اعتصام الدین	شگرف نامہ ولایت
ابن بطوطہ کے حالات سفر	سوانح جہاں کرد	ظیر الابراز	سیر المدار
مصطفےٰ علی خان	سیر سیاحت ہندوستان	محمد مصطفیٰ خاں بہادر	سراج منیر

سیداقبال علی	سرسیداحمد خاں کا سفرنامہ پنجاب	عطاءالحق قاسمی	شوق آوارگی
تابندہ بتول	شالیمار سے تاج محل تک	محمد ظہیرالدین خان بہادر	سیاحت نامہ
صلاح الدین محمد الیاس برنی	صراط الحمید	سیداقبال علی	سیداحمد خاں کا سفرنامہ پنجاب
حیدرقریشی	سوئے حجاز	جواہر لعل نہرو	سوویٹ روس
بیگم انعام حبیب اللہ	تاثرات سفر یورپ	سیدرضا حسین زیدی	تلاش فن
ف س اعجاز	سیریا میں دس روز	رضا علی عابدی	تیس سال بعد: پہلا سفر اور ہمارے کتب خانے
ابوالحسن امیرالدین	تذکرہ مسرت افزا	رضیہ اکبر	تاثرات سفر ایران
مستنصر حسین تارڑ	اندلس میں اجنبی	آغا سہیل	افق تا بہ افق
ہرچرن چاولہ	تم کو دیکھیں: سفرنامہ پاکستان	رفعت سروش	تھکے نہ میرے پاؤں (سفرنامے)
ڈاکٹر عابد معز	وہاں کی بات	نورالحئی	وینس کا سفر
سلطانہ آصف فیضی	عروس نیل	محمد عظیم الدین بخش	یادوں کے دریچے
رفعت سروش	یادوں کے چاند ستارے	مرزا ظفر الحسن	وہ قربتیں سی وہ فاصلے سے
مطبع ریاض ہند، امرتسر 1886	وقائع سیر وسیاحت ڈاکٹر برنیئر	رام لعل	زرد پتوں کی بہار
حمزہ فاروقی	زمان ومکاں اور بھی ہیں	قیصر ضحیٰ عالم	یہ طول سفر، یہ نشیب وفراز
کشمیری لال ذاکر	یہ صبح زندہ رہے گی	لطف اللہ خان	زندگی، ایک سفر
حسن رضوی	دیکھا ہندوستان	شبہ طراز	یوروپ میں انیس دن
عبدالمالک ماجد	میرے سنہرے سفرنامے	اختر ریاض	دھنک پر قدم
صالحہ عابد حسین	برائے خاطرِ احباب	محمد حمزہ فاروقی	آج بھی اُس دیس میں
احمد سعید ملیح آبادی	آج کا پاکستان	بابوماشنکر	آئینۂ سکندری
محمد عمر علی خاں وحشی	آئینۂ فرنگ	جاوید دانش	آوارگی
دلیپ سنگھ	آوارگی کا آشنا	سید محمد یعقوب	امریکہ کی سیر

احمد منظور	امریکن مسلم	خالدہ ادیب خانم	اندرونِ ہند
قمر علی عباسی	اور دیوار گر گئی	حامد کاشمیری	انجمنِ آرزو
امیر النساء	اَرضِ مقدس میں چند روز	ڈاکٹر ایم عبدالحق	اطالیہ
عبدالقدار ناظر	بہارِ اعظم جاہی	قاضی شمس الدین قمر	بحرِ تجلیات
زوجہ مسیح الدین	بحری سفر	کرنل محمد خان	بسلامت روی
ابراہیم جلیس	بنگال میں اجنبی	ابنِ انشاء	چلتے ہو تو چین کو چلیے
ظہیر انور	چراغ رہ گزر	جگن ناتھ آزاد	کولمبس کے دیس میں
انیس اشفاق	در شہر دوست داراں	مولانا عبدالحسن ندوی	دریا کابل سے دریائے یرموک تک
پروفیسر محمد عمر حیات خان غوری	دیارِ ٹیپو کی سیر	عبدالغنی انصاری	دید و شنید
مولانا حکیم سید عبدالحئ	دہلی اور اُس کے اطراف	ملا واحدی دہلوی	دِلّی کا پھیرا
ابن کلیم احسن نظامی	دِلّی یاترا	خواجہ حسن نظامی	دو سفر نامے
اشاعت: خواجہ برقی پریس دہلی	دنیا عورت کی نظر میں	عطاالحق قاسمی	دنیا خوبصورت ہے
خواجہ غلام السیدین	دنیا میرا گاؤں	مفتی محمد تقی عثمانی	دنیا میرے آگے
طارق محمود مرزا	دنیا رنگ رنگیلی	ظہیر انور	ایک ارضِ تمنا
کلیم احمد عاجز	ایک دیس اک بدیسی	کوثر نیازی	ایک ہفتہ چین میں
عبدالغفار خان	ایک نادر سفر نامہ	مائخیل اے کلوچیکو	ایک روسی سیاست دان کے تجربات سُرخ چین میں
ف س اعجاز	یوروپ کا سفر	حکیم محمد سعید	یوروپ نامہ
نکولس مینوکی	فسانۂ سلطنتِ مغلیہ	نگار عظیم	گردِ آوارگی
حکیم محمد سعید	جرمنی نامہ	رضا علی عابدی	جرنیلی سڑک
عطاء الحق قاسمی	غیر ملکی سیاح کا سفر نامہ لاہور	شبیر احمد	غالب کے شہر میں

سید عابد حسین	گاندھی جی بادشاہ خان کے دیس میں	عابد ماجد دریابادی	گیارہ سفر
مشتاق نقوی	لومتی سے فرات تک	عطاء الحق قاسمی	گوروں کے دیس میں
طیب انصاری	گلبرگ سے گلمرگ	فاروق سعید	ہم بھی ہو آئے کراچی
محمد بدر الاسلام	حقیقت جاپان	مطبع مفید عام آگرہ 1900	ہشت بہشت
لطف اللہ خان	ہجرتوں کے سلسلے	علیم اللہ حالی	ہم مسافر جہاں جہاں پہنچے
ابنِ انشاء	ابنِ طوطہ کے تعاقب میں	سید ظل الرحمٰن	ایران نامہ
میرا سد علی	عراق و ایران	سلمٰی اعوان	اٹلی ہے دیکھنے کی چیز
عشرت حسین سیما	اٹلی کی جانب گامزن	مولانا بدر القادری	جادہ و منزل
جمیل یوسف	جل پری کے دیس میں	مجتبیٰ حسین	جاپان چلو جاپان چلو
نازلی رفیعہ سلطان	سیر یوروپ	عطیہ فیضی	زمانۂ تحصیل
شاہ بانو	سیاحت سلطانی	بیگم سربلند جنگ بہادر	دنیا عورت کی نظر میں
صغریٰ بیگم	سفرنامہ یوروپ	بیگم نشاۃ النساء (زوجہ حسرت محانی)	1 سفرنامہ حجاز 2۔سفرنامہ عراق
سلطان آصف فیضی	عروسِ نیل	قراۃ العین حیدر	جہان دیگر
نسرین بانو اکرم	الکویت	بشریٰ رحمٰن	براہِ راست
صالحہ عابد حسین	سفر زندگی کے لئے سوز و ساز	یعقوب علی عرفانی	مشاہداتِ عرفانی
سر رضا علی	اعمال نامہ	ہارون خان شیروانی	یورپ جنگ سے پہلے
مولانا محمد حسن	سفرنامہ شیخ الہند	محمد اسد (Leopoldwase)	طوفان سے ساحل تک
مولانا حسن الدین خاموش	مرقع ءِ حجاز	صغریٰ بیگم حیاء	سفرنامہ یورپ
پروفیسر محمد جامعی	محمد علی جوہر کے احوالِ سفر	حمزہ فاروقی	سفرنامہ اقبال
پروفیسر حق نواز	سیاحتِ اقبال	خواجہ احمد عباس	مسافر کی ڈائری
آغا محمد اشرف	1۔ایک سفرنامہ 2۔دیس سے باہر	نواب لیاقت جنگ	سفرنامہ یورپ و امریکہ

عشرت علی صدیقی	لینن گراڈ تا ثمرقند	سلطان جہاں بیگم	1۔سفرنامہ یورپ و امریکہ 2۔اور سیاحت نامہ
سر راس مسعود	جاپان کا تعلیمی نظم و نسق	مولانا عبیداللہ سندھی	کابلِ میں سات سال
لالا جنیدرام	از لالا جنیدرام	جگجیت سنگھ	روزنامچۂ سیاحتِ کشمیر
عبدالماجد دریابادی	ڈھائی ہفتے پاکستان میں	سلطانہ آصف فیضی	1۔عروسِ نیل 2۔نظر خوش گزرے
مہارجہ کشن پرشاد	1۔سفرنامہ 2۔سیرِ پنجاب	سید ابوذر ندوی	سفرنامہ برہما
مختارالدین احمد	زہے روانیِ عمرے کہ درسفر گزرت	مسعود احمد برکاتی	دو مسافر دو ملک
افضل علوی	دیکھ لیا ایران	رام لال	خواب خواب سفر
صغریٰ مہدی	سیر کر دنیا کی غافل	ڈاکٹر عبادت بریلوی	ارضِ پاک سے دیارِ فرنگ تک
مولانا ابوالحسن عالی ندوی	شرقِ اوسط میں کیا دیکھا	حکیم محمد سعید	1۔جرمنی نامہ 2۔ماہ و روز 3۔شب و روز 4۔چار ملک ایک کہانی 5۔کوریا کی کہانی 6۔اُزبکستان 1880ء
جمیل الدین عالی	1۔دنیا میرے آگے 2۔تماشا میرے آگے	مستنصر حسین تارڑ	1۔نکلے تیری تلاش میں 2۔اُندلس میں اجنبی 3۔خاناں بدوش 4۔ہنزہ داستان

قدرت اللہ شہاب	1۔اے بنی اسرائیل 2۔تو ابھی رہ گزر میں ہے	ممتاز احمد خان	جہاں نما
عبداللہ ملک	1۔کیوبا سے چند خطوط 2۔پولینڈ ایک سفر ایک جائزہ 3۔صوفیہ سے چند خطوط 4۔ارضِ جنت سوویت یونین	پطرس بخاری	سفرِ انگلستان
فضل حق شیدا	نیا چین	رازق الخیری	سفرنامہ مشرق وسطہ
ڈاکٹر افضل الرحمٰن	قصہ میرے سفر کا	حمزہ فاروقی	1۔آج بھی اُس دیس میں 2۔سفر آشوب
پرتَو روحیلہ	1۔گردِ راہ 2۔سیرُ وفاَنظُر	اے۔حمید	امریکانو، امریکانو
پروین عاطف	کرن، تتلی، بگولہ	محمد کاظم	مغربی جرمنی میں ایک برس
آصف جیلانی	وسط ایشیاء، نئی آزادی، نئے چیلنج	صباء مصطفیٰ	پہاڑوں کے دامن میں
رفیع الزماں زبیری	رحمٰن کا مہمان	ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	مولیٰنا آزاد صبہانی
انتظار حسین	زمیں اور فلک اور	فیض احمد فیض	مہ وسالِ آشنائی

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے ''اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ'' کے عنوان سے اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان فریضہ ءِ حج کی ادائیگی کو اپنے ایمان کا اہم ترین رکن سمجھتے ہیں۔ جو مسلمان مکہ معظّمہ سے جتنی دور ہوتے ہیں وہ اُتنی ہی زیادہ شدت سے دیارِ ربانی اور روضہ رسول سے محبت کرتے ہیں۔ چاہت کی شدت ہجر میں وصل کی آرزو ہوتی ہے۔ ہجر اور فاصلہ چاہت کی شدت کو بڑھاتا رہتا ہے۔ ''اُردو سفر نامے کی مختصر تاریخ'' ڈاکٹر بیگ نے سفر نامے کے نظر و مباحث ،قدیم سفر نامے اور تراجم، سفر نامہ کی ارتقائی تاریخ کے علاوہ حج سے متعلق سفر ناموں کی تفاصیل پیش کی ہیں۔

سفرنامہ نگار	عنوان حج نامہ	سفرنامہ نگار	عنوان حج نامہ
سید احمد بریلوی	سوانحِ احمدی	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	جذبِ القلوب
شاہ ولی اللہ دہلوی	سفر نامہ حج (نام نا معلوم، 1931ء)	آر۔ایف۔برٹن	سفرِ دار المصطفیٰ

کپتان ریچرڈ فریڈرک برٹن	سفر نامہ کا نام نامعلوم	لیڈی ایولین کبولڈ	حجِ زینب
محمد اسد Lepold Weiss	طوفان سے ساحل تک	سید کاظم حسنین شیفتہ	سفر نامہ حرمین شرفین
حکیم محمد محی الدین حسین	سفر نامہ حرمین الشرفین	نواب احمد حسین خاں	سفر نامہ حجاز و مصر
حاجی نور الدین قصوری	ریاض الحرمین	خواجہ حسن نظامی	سفر نامہ حجاز و مصر و شام
فاطمہ بیگم	سفر نامہ حجاز	قاضی محمد سلیمان منصوری	سبیل الرشاد
مولوی رفیع الدین مرادآبادی	سفر نامہ حرمین	پروفیسر الیاس مدنی	صراط الحمید
محمد اسد (نومسلم)ترجمہ روڈ ٹو مکہ	طوفان سے ساحل تک	مولانا مسعود عالم ندوی	دیارِ عرب میں
نواب بہادر یار جنگ	1۔سفر نامہ بلادِ اسلامیہ 2۔بلادِ اسلامیہ کی سیر	مولانا ابوالحسن علی ندوی	مشرقِ اوسط میں کیا دیکھا
مولوی عاشق الٰہی میر ٹھی	زیارت الحرمین	صبغت اللہ	السکینہ باخیار المدینہ
محمد امانت اللہ	سفر نامہ رحیمی	مولوی ظفر احمد تھانوی	سفر نامہ حجاز
مولوی محمد عبد العزیز	سفر نامہ بلادِ اسلامیہ	نواب آف بہاولپور	حجِ صادق
عبد الحمید خان	کلیدِ جنت	عبد الحمید بیرے	سفر نامہ حجاز
خسرو شاہ نظامی	مکے مدینے کا سفر نامہ	عبد الصمد صارم	سفر نامہ صارم
حکیم امیر الدین	رہنمائے حج	شیخ عبد الرحیم ایڈوکیٹ	پیرحرم وزائر جرم
مولانا ماہر القادری	کاروانِ حجاز	سید محمد ذوقی شاہ	حجِ ذوقی
مسعود عالم ندوی	دیارِ عرب میں چند روز	نشاط النسا بیگم (بیگم حسرت موہانی	سفر نامہ حجاز
محمد اقبال الثقلین	مشعل راہ	حاجی محمد زبیر	چند دن حجاز میں
عبد الصمد صارم	سفر نامہ حج زیارت	ملک دین محمد	سیاست حج

فضل الدین ایڈووکیٹ	دیارِ حبیب کی باتیں	عبدالکریم ثمر	سفرِ حجاز
نسیم حجازی	پاکستان سے دیارِ حبیب تک	راجہ محمد شریف	آئینہ حضاز
محمود عثمان حیدر	مشاہدات بلادِ اسلامیہ	حافظ لدھیانوی	جمالِ حرمین
مولانا طاہر القدری	جدے سے برمنگھم تک	محمد منیر قریشی	داستانِ حرمین
حاجی محمد موسیٰ خان شیروانی	زادالسلھم	مولانا حفیظ الرحمٰن وفا دبائیوی	راہِ وفا سفرنامہ بلادِ اسلامیہ
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	زیارتِ الشام والمقدس	نواب میر اسد علی خان	عراق وایران سفرنامہ مقاماتِ مقدسہ
وحیدہ نسیم	حدیث دل	اختر ریاض	سیر وسفر
سیدہ حمیدہ فاطمہ	لاہور سے دیارِ حبیب تک	زبیدہ ہائی	زہے نصیب
مولانا محمد شفیع اوکاڑوی	راہ عقیدت	ڈاکٹر عبادت بریلوی	دیارِ حبیب میں چندروز
الطاف حسین قریشی مطبوعہ اردو ڈائجسٹ، لاہور	قافلے دل کے چلے	غلام الثقلین نقوی	عرض تمنا
کرنل غلام سرور	مسافر حرم	آغا امیر حسین	اللہ کا مہمان
اشرف علی قریشی	سفرنامہ حجاز	مرتضیٰ حسین سید	بدر سے کوفے تک
بشیر احمد	سفر حرمین	ضیاءالاسلام انصاری	سفرنامہ حج
عبداللہ مالک	حدیثِ دل	ممتاز مفتی	لبیک

ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر وحید قریشی، رحمٰن مذنب اور دیگر بہت سے ادیبوں نے سفرنامہ نگاری کے فن پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

حواشی

1۔ڈاکٹر عمر رضا، اردو میں سوانحی ادب، ص96، فکشن ہاؤس لاہور، 2012ء

2۔ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب میں سفرنامہ، ص59، لاہور، 1989ء

3۔ڈاکٹر خالد محمود، اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ، ص22، نئی دہلی، 1995ء

4۔ڈاکٹر وحید قریشی ''تبصرہ'' ''اے آب رود گنگا'' از رفیق ڈوگر۔ معاصر 2۔ ص، 599، لاہور

5۔مشمولہ ''سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ''،ص91،ڈاکٹر خالد محمود،مکتبہ جامعہ دہلی،2011ء

6۔''عجائباتِ فرنگ''یوسف خاں کمبل پوش:مشمولہ ''اُردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ''،ڈاکٹر خالد محمود،مرتب:تحسین فراقی ص97

7۔''عجائباتِ فرنگ ''یوسف خاں کمبل پوش: مشمولہ''اُردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ''، ڈاکٹر خالد محمود،ص101-99-98-97 مکتبہءِ جامعہ دہلی 2011ء

سفرنامہ نگاری کی کتابیات

1۔یوسف خان کمبل پوش،عجائباتِ فرنگ(تاریخ یوسفی)،مطبع نول کشور،لکھنو

2۔یوسف کمبل پوش،مرتبہ تحسین فراقی،عجائباتِ فرنگ،لاہور۔

3۔مولوی مسیح الدین،تاریخ انگلستان،الفاظ بک ایجنسی،لکھنو

4۔محمد عمر علی خاں(رئیس باسودہ)زادِ مغرب،مطبع کشور ہند،میرٹھ۔

5۔محمد عمر علی خاں،نیرنگِ چین(ارژنگِ چین)،مطبع نظامی،کانپور۔

6۔محمد عمر علی خاں آئینہ وفرنگ،مطبع نظامی،کانپور۔

7۔محمد عمر علی خاں سفرنامہ رئیس،مطبع نظامی،کانپور۔

8۔محمد عمر علی خاں زادِ سفر،گلزار محمدی کانپور۔

9۔مولانا شبلی نعمانی،سفرنامہ روم،مصروشام،قومی پریس،دہلی۔

10۔لالہ جنیدارام،سفرنامہ لالہ جنیدارام،عالیہ پریس،ملتان۔

11۔محمد حسین آزاد،سیرِ ایران،کریمی پریس،لاہور۔

12۔مرزا نثار علی بیگ،سفرنامہ یورپ،مطبع مفید عام،آگرہ۔

13۔مولوی عبدالخالق موحد،سیرِ برہما،نامی پریس لکھنو۔

14۔نازلی رفیعہ بیگم،سیرِ یورپ،یونین پریس لاہور۔

15۔مولوی عبدالرحمٰن امرتسری،سفرنامہ بلادِ اسلامیہ،مفید عام پریس،لاہور۔

16۔نواب فتح علی خان قزلباش،سیاحتِ فتح خانی،مفید عام پریس،آگرہ۔

17۔نواب سلطان جہاں بیگم،سفرنامہ حجاز ومصروشام،مطبوعہ۔

18۔شاہ بانو،سیاحت سلطانی،مفید عام پریس،آگرہ۔

19۔خواجہ غلام الثقلین،روزنامچہ سیاحت،تجارتی پریس،میرٹھ۔

20۔منشی محبوب عالم،سفرنامہ یورپ،پیسہ اخبار۔

21۔منشی محبوب عالم،سفرنامہ بغداد،پیسہ اخبار،لاہور۔

22۔مولانا عبدالماجد دریابادی،سفرِ حجاز،معارف پریس،اعظم گڑھ۔

23۔خواجہ حسن نظامی،سفرنامہ مصر وفلسطین وشام حجاز،دفتر خواجہ حسن نظامی،دہلی۔

24۔نواب حامد علی خان والی رامپور،مسیر خالدی،مفید عام پریس،آگرہ۔

25۔مولوی محمد جعفر تھانیسری،کالا پانی،صوفپ پبلشنگ کمپنی،لاہور۔

26۔خواجہ حسن نظامی،سفرنامہ افغانستان،دفتر خواجہ حسن نظامی دہلی۔

27۔خواجہ حسن نظامی،سفرنامہ دہلی،حلقہ مشائخ دہلی۔

28۔خواجہ حسن نظامی،سفرنامہ ہندوستان،حلقہ مشائخ دہلی۔

29۔قاضی عبدالغفار،نقشِ فرنگ،دارالشاعت پنجاب،لاہور۔

30۔مرزا حسین احمد بیگ،پردیس کی باتیں،شمس الاسلام پریس،دکن۔

31۔ابوظفر ندوی،سیر برہما،محبوب مطابع،دہلی۔

32۔عطیہ فیضی،زمانہ تحصیل،مفید عام پریس،آگرہ۔

33۔مرتب مولانا زاہد القادری،سفرنامہ شاہ افغانستان،قریش بکڈپو،دہلی،

34۔قاضی ولی محمد زبیر،سفرنامہ اندلس،نول کشور پریس،لکھنو۔

35۔محمد بدرالاسلام فضلی،حقیقتِ جاپان،دہلی۔

36۔نواب ظہیرالدین،سیاحت نامہ،دارالطبع سرکار عالی،دکن۔

37۔شیخ عبدالقادر،مقامِ خلافت،لاہور۔

38۔نشاط النساء بیگم،سفرنامہ عراق،دہلی۔

39۔نشاط النساء بیگم،سفرنامہ حجاز،دہلی۔

40۔مرتب: حسین احمد مدنی،سفرنامہ شیخ الہند (مولانا محمود حسن گنگوہی)،اسٹار پریس حوض قاضی۔

41۔خواجہ احمد عباس،مسافر کی ڈائری،حالی پبلشنگ ہاؤس،دہلی۔

42۔صغریٰ بیگم حیا،سفرنامہ یورپ،حیدرآباد،دکن۔

43۔سررضا علی،اعمالنامہ،قومی پریس،لکھنو۔

44۔آغا محمد اشرف،لندن سے آداب عرض،کتاب منزل لاہور۔

45۔مولانا حسن الدین خاموش،مرقع حجاز،عزیزی پریس،آگرہ۔

46۔یعقوب علی عرفانی،مشاہدات عرفانی،انقلاب پریس،لاہور۔

47۔سید سلیمان ندوی،سیرِ افغانستان،نفیس اکیڈمی،حیدرآباد۔

48۔ڈاکٹر محمد حسین،1907ء کا جاپان،ادبی دنیا،لاہور۔

49۔عشرت علی صدیقی،لینن گراؤ تا سمرقند،عبدالحق اکیڈمی،حیدرآباد۔

50۔نواب لیاقت جنگ بہادر،سفر نامہ یورپ وامریکہ،حیدرآباد،دکن۔
51۔محمد اسد،طوفان سے ساحل تک،مجلس تحقیقت ونشریات اسلام،لکھنو۔
52۔مولانا مسعود عالم ندوی،دیارِعرب میں چند ماہ،مکتبہ چراغ راہ،کراچی۔
53۔مولانا عبدالصمد صارم،سفر نامہ صارم،ادارہ علمیہ،لاہور۔
54۔مولانا عبدالصمد صارم،سفر نامہ حج وزیارت،دارالشاعت لاہور۔
55۔سلطانہ آصف قاضی،عروسِ نیل،مکتبہ جامعہ دہلی۔
56۔مولانا عبیداللہ سندھی،کابل میں سات سال،سندھ ساگرا کیڈمی،لاہور۔
57۔محمد علی قصوری،مشاہدات کابل ویاغستان،الحسن ترقی اردو،کراچی۔
58۔خواجہ حسن نظامی،سفر نامہ پاکستان،دفتر حسن نظامی،دہلی۔
59۔جگناتھ آزاد،جنوبی ہند میں دو ہفتے،دہلی کتاب گھر،دہلی۔
60۔مولانا ابوالحسن علی ندوی،ترکی میں دو ہفتے،مکتبہ اسلام،لکھنو۔
61۔مولانا ابوالحسن علی ندوی،مشرق اوسط میں کیا دیکھا،مکتبہ تعلیماتِ،لکھنو
62۔مختارالدین احمد آزاد،زہ روانی عمرے کہ درسفر گزرو،فیروزاینڈسنز،لاہور۔
63۔نسیم حجازی،پاکستان سے دیارحرم تک،دین محمد اینڈسنز،لاہور۔
64۔حمید احمد خان،میری بھارت یاترا،ادبی دنیا،لاہور۔
65۔سید احتشام حسین،ساحل اور سمندر،قومی پریس،لکھنو۔
66۔حکیم محمد سعید،یورپ نامہ،ہمدردا کیڈمی،کراچی۔
67۔حکیم محمد سعید،جرمنی نامہ،ہمدردا کیڈمی،کراچی۔
68۔حکیم محمد سعید،ماہ وروز،ہمدردا کیڈمی،کراچی۔
69۔حکیم محمد سعید،شب وروز،ہمدردا کیڈمی،کراچی۔
70۔حکیم محمد سعید،کوریا کی کہانی،ہمدردا کیڈمی،کراچی۔
71۔ممتاز احمد خاں،جہاں نما،مکتبہ اقدام،لاہور
72۔اختر ریاض الدین،سات سمندر پار،حمایت اسلام پریس،لاہور۔
73۔اختر ریاض الدین،دھنک پر قدم،فروغ ادب،لاہور۔
74۔محمود نظامی،نظر نامہ،گوشہ ادب،لاہور۔
75۔سرسید احمد خاں،مسافرانِ لندن،مجلس ترقی ادب،لاہور۔
76۔نواب کریم خاں،سیاحت نامہ مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی،ادارۂ تنقیدی ادب،لاہور۔

77۔جمیل الدین عالی، دنیا میرے آگے، غلام علی اینڈ سنز۔
78۔جمیل الدین عالی، تماشہ میرے آگے، غلام علی اینڈ سنز۔
79۔قدرت اللہ شہاب، اے بنی اسرائیل، لاہور۔
80۔قدرت اللہ شہاب، تو ابھی رہگزر میں ہے، بہترین سفرنامے، لاہور۔
81۔محمد طفیل، مسافرانہ، نقوش، محمد طفیل نمبر، لاہور۔
82۔قرۃ العین حیدر، جہانِ دیگر، مکتبہ اردو ادب، لاہور، 1970ء
83۔قرۃ العین حیدر، دکھلا یئے لیجا کے اس مصر کا بازار، مکتبہ اردو ادب، لاہور۔
84۔رہ نورد شوق، ڈاکٹر عابد حسین، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔
85۔ابن انشاء، چلتے ہو تو چین کو چلیے، مکتبہ دانیال، کراچی۔
86۔ابن انشاء، آوارہ گرد کی ڈائری، لاہور اکیڈمی، لاہور۔
87۔ابن انشاء، دنیا گول ہے، لاہور اکیڈمی، لاہور۔
88۔ابن انشاء، ابن بطوطہ کے تعاقب میں، لاہور اکیڈمی، لاہور۔
89۔صالحہ عابد حسین، سفر زندگی کے لیے سوز و ساز، مکتبہ جامعہ، دہلی۔
90۔ثریا حسین، پیرس و پارس، مکتبہ جامعہ دہلی۔
91۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، سفر آشنا، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔
92۔ڈاکٹر عبادت بریلوی، ترکی میں دو سال، ادارہ ادب و تنقید، لاہور۔
93۔مرزا ادیب، ہمالیہ کے اس پار، مکتبہ انجم، لاہور۔
94۔خواجہ غلام السیدین، دنیا میرا گاؤں، سیدین ٹرسٹ، دہلی۔
95۔وزیر آغا، بیس دن انگلستان میں، ماہنامہ اردو زبان (سرگودھا)
96۔مسعود احمد برکاتی، دو مسافر دو ملک، ہمدرد، کراچی۔
97۔مستنصر حسین تارڑ، اندلس میں اجنبی، التحریر، لاہور۔
98۔مستنصر حسین تارڑ، نکلے تری تلاش میں، سیارہ ڈائجسٹ، لاہور۔
99۔مستنصر حسین تارڑ، ہنزہ داستان، سنگ میل، لاہور۔
100۔افضل علوی، دیکھ لیا ایران، الحروف، لاہور۔
101۔رام لال، خواب خواب سفر، شانتی نیکسن پرکاشن، لکھنؤ۔
102۔عطاء الحق قاسمی، شوق آوارگی، فنون، لاہور۔
103۔عطاء الحق قاسمی، مسافتیں، اردو ڈائجسٹ، لاہور۔

104۔عبداللہ ملک، کیوبا سے چند خطوط، لاہور

105۔عبداللہ ملک، تونسیہ سے چند خطوط، لاہور۔

106۔پطرس بخاری، سفرِ انگلستان، نقوش، پطرس نمبر، لاہور۔

107۔مجتبیٰ حسین، جاپان چلو، جاپان چلو، دہلی۔

108۔مولانا عبالماجد دریابادی، سیاحت مادی، ادارہ انشائے ماجدی کلکتہ۔

109۔بلراج کومل، جزیروں کی سرگوشیاں، اردو زبان، سرگودھا۔

110۔عبدالماجد دریابادی، ڈھائی ہفتے پاکستان میں، عبدالماجد اکیڈمی، لکھنو۔

111۔جوگندر پال، پاکستان یاترا، اوراق، لاہور۔

112۔وزیر آغا، ایک طویل ملاقات، مکتبہ عالیہ، لاہور۔

113۔انتظار حسین، زمیں اور فلک اور، لاہور۔

114۔سید ابوالاعلیٰ مودودی، سفر نامہ ارض القرآن، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور۔

115۔شورش کاشمیری، شب جائے کہ من بودم، مکتبہ چٹان، لاہور۔

116۔کوثر چاند پوری، کوثر کے سفر نامے، عظیم آباد۔

117۔جمیل زبیری، دھوپ کنارے، ہلا پبلی کیشنز، کراچی۔

118۔ڈاکٹر فرمان فتحپوری، دیدہ باز دید، کاروان ادب، ملتان۔

119۔حسن رضوی، دیکھا ہندوستان، مکتبہ عالیہ، لاہور۔

120۔ممتاز مفتی، ہند یاترا، اظہار سنز، لاہور۔

121۔رفیق ڈوگر، اے آب رودِ گنگا، مناصر، لاہور

122۔شیخ منظور الٰہی، دردِ دلکشا، غالب پبلی کیشنز، لاہور۔

123۔مولانا غلام رسول مہر، سفر نامہ حجاز، مکتبہ اسلوب، کراچی۔

124۔ماہر القادری، کاروانِ حجاز، ادبی پریس، کراچی۔

125۔ممتاز مفتی، لبیک، التحریر، لاہور۔

126۔عبداللہ ملک، حدیث دل، کوثر پبلی کیشنز، لاہور۔

127۔ڈاکٹر عبادت بریلوی، دیارِ حبیب میں چند روز، ادارہ ادب وتنقید، لاہور۔

128۔ابوالخیر کشفی، وطن سے وطن تک، مجلس مطبوعات وتحقیقات اردو، کراچی۔

129۔بشریٰ رحمان، باؤلی بھکارن، وطن دوست، لاہور

130۔محمد محسن احمد حسن ٹونکی، سفرِ حج کے تاثرات، ڈیسنٹ پریس، کراچی۔

131۔محمد طفیل مسافرانہ، لاہور۔

132۔راغب شکیب، سرگودھا سے کراچی تک، کراچی۔

133۔ نجمہ افتخار راجہ، سایوتارا، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور۔

134۔آصف جیلانی، وسط ایشیا۔نئی آزادی نئے چیلینج، نئی آواز جامعہ نگر، نئی دہلی۔

135۔ڈاکٹر صغری مہدی، سیر کر دنیا کی غافل، کتاب نما مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔

136۔ پہاڑوں کے دامن میں، صباء مصطفیٰ، قومی پریس، بنگلور۔

137۔رفیع الزماں زبیری، رحمان کا مہمان، مکتبہ پیام تعلیم نئی دہلی۔

138۔قاضی محمد مجیب اللہ، سفرِ عراق، باغ دیوان صاحب مدارس۔

139۔حکیم محمد سعید، ازبکستان۔1980ء میں، خدا بخش لائبریری پٹنہ۔

140۔کوثر نیازی، سوئے ازبکستان، خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔

سوانحی ادب اور رپورتاژ

Reportage

انسانی زندگی اور معاشرہ میں ایسے انفرادی اور اجتماعی واقعات ہوتے رہتے ہیں، جن کی کوئی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ اِس لیے اُس خاص صورت حال کی بیان کاری کو رپورٹ کہا جاتا ہے۔ یہ زبانی بھی ہوسکتی اور تحریری بھی۔ رپورٹ خاص وقت اور خاص مقام ومکان پر ہونے والے واقعات کا ابلاغ ہوتا ہے۔ یہ صحافتی عمل ہے۔ رپوتاژ انفرادی اور اجتماعی دونوں انداز میں ہوسکتی ہیں۔ کسی گزرے ہوئے خاص واقعہ، سانحہ، وباء، خوشی، تہوار، تقریب یا جشن وغیرہ کی بیان کاری کو ایسے بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ آنکھوں دیکھا حال؛ ایسی پیش کاری دستاویزی رپوتاژ Reportage ہوتی ہے۔ رپورٹ کی نسبت رپورتاژ زیادہ رسمی، توسیعی اور دستاویزی ہوتی ہے۔ یہ حقائق کی ایسی پیش کاری ہوتی ہے جو واقعات کی صادق بیانی پر مبنی ہوتی ہے مگر اِس کا پیش کار اپنی تخلیقی یا تھوڑی بہت صحافتی فنی اقدار کو بھی شامل کر دیتا ہے۔ اس سے تحریر میں فن اور تخلیق امتزاج کرتی ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کی وجہ سے رپورتاژ کو صنفِ ادب کے طور پر اپنایا جاتا ہے۔ رپورتاژ کا ''مرکزِ موضوع'' کسی ایک جگہ، ایک ہی وقت اور ایک ہی موضوع پر وقوع پذیر ہو رہا ہوتا ہے۔ اِسی لحاظ سے رپورتاژ میں بیان کار کی فنی صلاحیتیں اُس کے کام کے ساتھ مشروط ہو جاتی ہیں۔ گزرا ہوا کوئی خاص وقت اور مرکزِ موضوع آئندہ کے کسی لمحہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ چونکہ پیش کار فرد ہوتا ہے اِس لیے اُس کی بیان کاری میں تھوڑی بہت تخلیقی موضوعیت کا امکان وعنصر باقی رہتا ہے۔ وہ مشاہدہ کار ہوتا ہے حالات، واقعات اور ماحول کے نتائج کی پیش کاری کرتا ہے۔ اِس کے باوجود رپورتاژ صنفِ ادب میں کافی حد تک معروضی صِنف تصور کی جاتی ہے۔ وہاج الدین علوی رپورتاژ کے خصائص پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''رپورتاژ کا مصنف کسی مخصوص موقع یا جشن وغیرہ کا حال اپنے مشاہدے کی روشنی میں بیان کرتا ہے لیکن اس کی ذات یا اس کا اپنا وجود بڑی حد تک اس سے الگ رہتا ہے۔ گویا وہ صرف کیمرے کا کام کرتا ہے۔ وہ واقعات بیان کرتا ہے، لوگوں کے نشاط وغم اور حرکات و سکنات نیز ردعمل کو ظاہر کرتا ہے لیکن اس میں اس کے دل کی کیفیت دھندلی سی نظر آتی ہے جب کہ خودنوشت میں اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اس میں دوسرے لوگوں کا حال ضمناً بیان ہوتا ہے۔ لکھنے والوں کی

شخصیت غالب رہتی ہے۔‘‘1

وہاج الدین علوی بہت ہی سادگی سے رپورتاژ کے اجزا کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ماحول ،واقعہ ،منظر نامہ، مشاہدہ ،مشاہدہ کار،لوگوں کی نفسیاتی کیفیات ،حرکات وسکنات ،رَدِّعمل ،بیان کار کی موضوعیت ،موضوع کی معروضیت وغیرہ رپورتاژ کےاہم ترین عناصر ہیں۔خودنوشت میں اپنی شخصیت پرسب سے زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔رپورتاژ میں اپنے علاوہ معاشرہ کومتاثر کرتے ہوئے کرداروں کا ذکر ہوتا ہے۔سوانح عمری میں موضوع کرداراورتاریخیت پرتوجہ غالب رہتی ہے جب کہ رپورتاژ میں عمومی منظر نامہ پر۔سوانحی ادب میں خودنوشت اورسوانح عمری ماضی سے کشید کی جاتی ہے۔رپورتاژ عام طور پر حالیہ حالات واقعات کی بیان کاری ہوتی ہے۔ماضی کے موضوعات بہت ہی کم ہو سکتے ہیں۔رپورتاژ نسبتاً مختصر، جامع اور کسی حد تک صحافتی اسلوب وبیان پرمبنی ہوتی ہے۔اِس میں بیان کاری اور پیش کاری کے تخلیقی اورفنی جواہر اِسے صنفِ ادب کا حصہ بنا دیتے ہیں۔رپورتاژ اپنے قارئین یا کسی تقریب کے سامعین کے ردعمل کو دعوت بھی دیتی ہے۔یہ ردعمل نمایاں طور پرواضح ہوتا ہے۔رپورتاژ کے مندرجات سے عام طور پراتفاق کی علامت ہوتے ہیں۔اِس کے برعکس اختلافی ردعمل بھی مشاہدہ میں آسکتا ہے۔ڈاکٹر محمد عمر رضا اِس موضوع پر رقم طراز ہیں:۔

> ’’دراصل رپورتاژ قاری کوافسانے کےتصوراتی اوررومانی زمین سے الگ کرکے سچائی یاحقیقت کی سخت اور پتھریلی زمیں پر لاکھڑا کرنے کا نام ہے۔رپورتاژ کاتعلق اگر چہ رپورٹ ،خبر یاکسی جلسے / کانفرنس کی روداد وغیرہ سے ہے،لیکن اس میں رپورتاژ نگار کی ذات ہر حال میں شامل ہوتی ہےاوروہ تمام تر دیگر افراد/اشخاص کی حقیقی نقاب کشائی کرنے کے باوجود اس میں وہ اپنا ذاتی تاثر ، اپنی ذاتی پسند اور ناپسند کوبھی شامل کرتا ہے۔علاوہ ازیں اس میں جو بیانیہ انداز اختیار کیا جاتا ہے،اس سے رپورتاژ میں کہانی کا سالطف پیدا ہوجاتا ہے۔زبان و بیان کی لطافت و شیرانی اسے ایک خاص قسم کی جمالیات عطا کردیتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ رپورتاژ پڑھتے وقت قاری کوفکشن کا احساس ہوتا ہے،لیکن یہ فکشن نہیں ہے۔‘‘2

ڈاکٹر عمر رضا اوروہاج الدین علوی کا نکتہ نظر کافی حدتک باہم مماثل ہے۔ڈاکٹر عمر رضا رپورتاژ میں افسانویت ،جمالیات ،فن اورتخلیق کے عناصر کو زیادہ نمایاں کرتے ہیں۔مگر یہ اجزا کسی نہ کسی حد تک رپورتاژ میں موجود رہتے ہیں۔تاہم اِس کا انحصار رپورتاژ نگار کی اپنی ادبی ،تخلیقی اورفنی ترجیحات پر ہوتا ہے۔تھوڑی بہت جائزسی موضوعیت کے

باوجود معروضی انداز وعمل اپنا تا ہے۔اُس کی من مرضی تحریر میں تخلیقی جمال وفن کے نقوش اُجاگر کرتی ہے۔تکنیکی اور موضوعاتی لحاظ سے ڈیوِڈ گرامبس David Grambs بھی وہی بات کہتا ہے جو وہاج الدین علوی اور ڈاکٹر عمر رضا نے:

> "The reporting of news, factual topical writting that comes from direct observation or documentable events of situations news writting, news story."3
>
> ''خبر کی ایسی حقیقی موضوعاتی تحریر؛ جو خبر نویسی کی صورت ہائے احوال ،قابلِ دستاویز واقعات،مشاہدات،خبر نویسی اور خبری بیانیہ(story) کی حقیقی موضوعاتی تحریر کا نتیجہ ہو۔''

ڈیوِڈ خبر کو رپورتاژ کا حصہ تو تسلیم کرتا ہے، رپورتاژ نہیں۔خبر رپورتاژ میں شامل ہو سکتی ہے اور اِس کے علاوہ دیگر بہت سے موضوعات بھی۔اگر چہ یہ موضوعات کسی بیانیہ کی وحدت unit ہوتے ہیں۔ڈاکٹر طلعت گل رپورتاژ کے خارجی اور داخلی ردِعمل پر لکھتی ہیں:۔

> ''رپورتاژ خود رپورتاژ نگار کے ساتھ رپورتاژ کے تمام زندہ کرداروں کے خارجی ردِعمل اور داخلی احساسات کو پیش کرتا ہے۔تاثر اور زور بیان کے لیے ضروری نہیں کہ رپورتاژ نگار اہم واقعات ہی بیان کرے بلکہ اسے اختیار ہے کہ چھوٹے یا بڑے کسی واقعے کو رپورتاژ کا حصہ بنائے۔بات صرف یہ ہے کہ ہر پڑھنے والا یہ سمجھے کہ ''گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔''4

رپورتاژ میں ''خارج'' سے ڈاکٹر طلعت گل کی مراد وہ حالات وواقعات اور منظر نامہ ہیں جو وقوع پذیر ہو رہے ہوتے ہیں۔رپورتاژ نگار کو وقوع پذیری کے عمل میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔مندرجات کی بیان کاری میں کسی حد تک غیر جانبدار رہتا ہے۔ہاں البتہ بیان وتجزیہ میں انسانی جذبات واحساسات شامل ہو جاتے ہیں۔اِس عمل کو ڈاکٹر گل ''داخل'' کا عمل قرار دیتی ہے۔یقینی بات ہے کہ انسان اپنے مشاہدہ میں جذبات واحساسات کو مکمل طور پر مُبرّا بیان نہیں کر سکتا۔بے جا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ وہ اپنے کسی جذبہ کی تسکین کے لئے ہی رپورتاژ کی بیان کاری کر رہا ہوتا ہے۔اس کی تحریر میں جذبہ کی گرمی توانائی کی طرح ہوتی ہے۔اِس عمل سے وہ اپنی پیش کاری کو اِس اہل بنا دیتا ہے کہ اُس کے مطالعہ کار یا سامعین اپنے

آپ کو رپورتاژ کے واقعات، ماحول، منظر نامہ اور کیفیات کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اِن خصائص کی بنیاد پر رپورتاژ صنفِ ادب کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر گُل:۔

''رپورٹ اور رپورتاژ کے فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں رپورتاژ نگاری صرف رپورٹ نہیں، بلکہ ایک ادبی صنف کی حیثیت سے اس کا اپنا ایک مقام ہے جو لاشعوری طور پر ابھر کر سامنے آیا اور بعد میں مقصدی ادب کی تعمیر میں اس سے بڑی مدد ملی۔ حصول مقاصد کے لئے مصنفین نے تفصیل میں بھی جانے سے گریز نہیں کیا۔ نتیجہ ظاہر تھا کہ اردو میں بیش تر رپورتاژ تفصیلی ہیں اور اکثر غیر ارادی طور پر نہیں بلکہ شعوری کوشش کا نتیجہ ہیں۔5

ڈاکٹر گُل رپورتاژ کو رپورٹ کی توسیع قرار دیتی ہیں۔ اِس نتیجہ سے اتفاق کرنا مناسب ردِ عمل ہے۔ رپورٹ کی ارتقائی حیثیت میں رپورتاژ افزودہ تر ہوتی گئی۔ ارتقائی عمل میں توسیع و افزائش مکمل طور پر لاشعوری عمل نہیں تھا۔ بلکہ لکھنے والے اِس حقیقت سے واقف کار تھے کہ خبر میں کسی واقعہ، ماحول اور منظر نامہ کی توسیعات کی جاسکتی ہیں۔ اُن کی بیان کاری میں موضوعیت، افسانویت اور جذبہ و احساس کی پیش کاری نے خبر ہی کی ارتقائی تشکیل کو شعوری عمل بنا دیا۔ یہ نتیجہ قابلِ قدر ہے کہ رپورتاژ کا ارتقاء ''مقصدی ادب'' میں مددگار ثابت ہوا۔ ڈاکٹر شمیم احمد اِن موضوعات پر رائے زنی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

''لفظ (رپورتاژ) بڑی حد تک تفصیلی رپورٹ کے معنوں میں ہی مستعمل ہوتا ہے۔ دیگر ترقی یافتہ اصناف کی طرح اس میں موضوع کی اہمیت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے فن سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ اس صنف کو رپورٹ اور صحافت سے اس کا فن ہی علیحدہ کرتا ہے۔ اس کا موضوع اگر چہ (بڑی حد تک) صحافتی ہے لیکن فن قطعی ادبی ہے۔ یہ صنف خارجی عناصر کی ترجمان ہوتے ہوئے بھی داخلی کیفیات اور تاثرات کی حامل ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کے موضوع کا تعلق ہے تو خارجی عناصر اس کی تشکیل کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں فن کا سوال آتا ہے تو اس کے مصنف کی داخلی کیفیات اور تاثرات کی رہنمائی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ تبھی اس کے موضوع میں تنوع، ہمہ گیری

اورنکھاراورفن میں حسن پیدا ہوجاتا ہے۔''6

شمیم احمد تجزیہ میں رپورتاژ کی بنیادصحافتی رپورٹ ہوتی ہے۔رپورتاژکورپورٹ یا خبر سے فن علیحدہ کرتا ہے۔گویارپورتاژفنی اورتخلیقی فن پارہ ہوتی ہے جبکہ خبر یا رپورٹ اطلاع کی طرح ۔خبر کا موضوع صحافتی نوعیت کا ہوتا ہے اور یہی موضوع رپورتاژ کی بنیادبھی۔رپورتاژ نگار کا فن اُس فن پارہ کوصنفِ ادب کی تخصیص ادا کرتا ہے۔خبر کا صحافت سے تعلق علمی ہے،ان کا رپورتاژ سے تخلیقی اورفنی۔رپورتاژ میں فن خبرکو رپورتاژ کے نتیجہ سے ہم آہنگ کرتا ہے۔خبر وسیلہ ہے،صحافت وسیلہ کا علم،علم میں فنی تقلیب وتعدیل اور پھراس سارے عمل کا نتیجہ''رپورتاژ''ہوتا ہے۔شمیم احمد کا یہ عمیق و دقیق نکتہ اُس کی'ادبی دریافت'ہے۔اِس سے یہ بات نمایاں ہوجاتی ہے کہ رپورتاژ،خبراور رپورٹ پرمبنی ہونے کے باوجود ادبی صنف کی پہچان کیسے اور کیوں حاصل کرلیتی ہے۔رپورتاژ کوصحافت کی اقدار سے مربوط مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔اِن کا باہمی تعلق اساسی اور ناگزیر ہے۔صحافتی نقوش اور رپورتاژ کے خدوخال پیش کاری کے فن اورتخلیق کاری کی تمیز وتفریق کی وجہ سے اپنی شناخت بناتے ہیں۔خبر کا پیش کار،نامہ نگار correspondent ہوتا ہے جبکہ رپورتاژ کو رپورتاژ نگارتخلیق وپیش کرتا ہے۔

رپورتاژ کی تشکیل اُس کی اندرونی''وَحدتوں units'' کی عمل کاری کی وجہ سے ہوتی ہے۔رپورتاژ کی تخلیقی تشکیل میں کسی خاص وقت میں ہونے والا واقعات یا احوال ہوتے ہیں۔اِسے''وحدتِ زمانی'' کہا جاتا ہے۔بیان کردہ صورت حال کسی خاص جگہ یا علاقہ میں وقوع پذیر ہوتی ہے ۔رپورتاژ کے مقامی علاقائی تعلق کو''مکانی وحدت'' کہا جاتا ہے۔واقعہ، وقت ، مقام اورموضوع'' وحدت موضوع'' کی تشکیل کرتے ہیں۔تشکیل کے اِس عمل کو رپورتاژ کی ''مرکزیت neucleus'' کہا جاتا ہے۔رپورتاژ کی فنی،تخلیقی اورادبی پیش کاری کا انحصار اُس کی تشکیلی وحدتوں اورنتیجہ کی مرکزیت پر ہوتا ہے۔واقعات کے ساتھ ، ذیلی واقعات،مقامات سے متعلقہ مقامات اور وقت کے ضمنی حوالہ جات رپورتاژ کی توسیعات ہوتے ہیں۔

رپورتاژ کے موضوعات فردی،اجتماعی اورسماجی ہوتے ہیں۔جنگ کی صورتِ حال رپورتاژ کی سب سے زیادہ توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتی ہے۔کوئی حملہ کار فاتح اور تباہ کن ہوتا ہے جبکہ اُس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مفتوح اورخانماں برباد ۔اِن دونوں طرح کے کرداروں کے درمیان عوامی تباہی کے ویرانے آباد ہوتے چلے جاتے ہیں۔جنگی تباہی انسانوں کی شعوری،ایجادی،منصوبہ بندی کا نتیجہ ہوتی ہے۔بربادشدہ معاشروں کا کیا کچھ فناء ہوجاتا ہے اِس کا درست اظہار وہی لوگ کر سکتے ہیں جوصورت حال میں مظلومیت،تباہی اورقتال کا شکار ہوتے ہیں۔اُن کے علاوہ باقی لوگوں کی بیان کاری بہت کچھ ہوسکتی ہے مگر اُس قدر بنیادی نہیں ہوسکتی۔معاشروں میں تفرقہ اورتنازعات کی وجہ سے قتل وغارت اور فتنہ گری کے اجتماعی واقعات کا آغاز ہوجاتا ہے۔ایک لحاظ سے ایسی صورت حال خانہ جنگی ہی کا کوئی درجہ مرحلہ

ہوتا ہے۔دنیا یا کسی معاشرہ میں ہونے والے بڑے بڑے حادثات بھی رپورتاژ کے موضوعات بنائے جاتے ہیں۔بحری جہازوں کے غرقاب، ریل گاڑیوں کے تصادم، سیلابوں کی تباہی جیسے حادثات کو رپورتاژ کی شکل میں بھی دستاویز کیا جاتا ہے۔کھانے پینے کی چیزوں کی قلت نتیجہ کی کھولت، بیماری اور موت بھی رپورتاژ کے اہم ترین موضوعات ہوتے ہیں۔پاکستان میں 1956ء میں غذائی قلت کوطویل نظموں، قصوں وغیرہ کی شکل میں بہت ہی دردانگیز انداز میں پیش کیا جاتا تھا۔راقم کوبچپن میں ایک ایسی ہی نظمی رپورتاژ'' آ گیا سَھ چھوَنجا سال''(1956ء کا سال آیا) کو سننے کا بار بار اتفاق ہوا۔وسطی پنجاب، جھنگ کی جانگلی زبان کی نظم میں عوام کے ابتلاء کے بیان وتفصیل کے علاوہ، صاحب اختیار واقتدار لوگوں پر بہت زیادہ تضحیک بھی شامل تھی۔لوگوں کی دُکھ، دشواریوں کے ساتھ ساتھ نشتر زنی سے متقدر اشرافیہ پر سماجی طنز پیش کیا جاتا تھا۔مثال کے طور پر:۔

شاہ نبیؐ دے ناں تے منگدے
روٹی، سیّد زادے

سیاسی، ثقافتی، علمی ادبی اجتماعات اور ہونے والے متعدد اور متفرق اعمال وتقریبات کا بیان رپورتاژ کے جدیداور اہم ترین موضوعات ہیں۔مذہبی، سماجی تہواروں اور اُن کی تقریب کاری کا احوال بھی رپورتاژ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

عبدالعزیز''اُردو میں رپورتاژ نگاری''میں اِس صحافتی تخلیقی اورفنی صنف کے ارتقائی مراحل کے متعلق رقم طراز ہے:۔

> ''ہندوستان خصوصاً شمالی ہند بیرونی قوتوں کے لئے غیر معمولی توجہ اور دلچسپیوں کا باعث رہا ہے۔چنانچہ موجودہ عہد میں جب ہم ہندوستانی اقوام کی تاریخ کومتعین کرتے ہیں تو علاوہ دراوڑوں کے سبھی قومیں حملہ آوار یا فاتح کی حیثیت رکھتی ہیں۔جوقومیں بھی یہاں آئیں اُنہوں نے ہندوستان کو اپنا ملک، اپنا گھر سمجھا، ہندوستانی تہذیب وسماج کی صالح اقدار کواپنایا اور اپنی تہذیب کو ہندوستانی تہذیب میں اِس طرح گھلا مِلا دیا کہ اجنبیت اور غیریت کا شائبہ نہیں رہا.......
>
> ..... مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا رہتا ہے اور اِن میں کسی ایک تہذیب کے عناصر غالب رہتے ہیں جوتقسیم کا جواز ہوتا ہے اور ہندوستانی فنون کے ذریعہ ہندوستانی تہذیبی ارتقاء کی داستان سناتا ہے۔۔۔

....انگریزوں کی تہذیب کو جس قدر قابلِ تقلید اور آئیڈیل سمجھا گیا
اُس طرح ہندوستانی تقلید کو زیاں کا سودا کرنا پڑا۔۔۔انگریز ہندوستانی
عوام وخواص کے طبقوں اور ہندوستانی شعور سے زیادہ باشعور اور ترقی یافتہ
تھے۔مشین اور انسانی ذہن کا ایک استوار رشتہ انگریز سماج میں قائم ہو چکا
تھا''۔۔۔7

عبدالعزیز کی تحریر اُن اسباب کی مختصر اور جامع تفصیل پیش کرتی ہے جو اُردو زبان میں رپورتاژ کے جواز وآغاز کا سبب تھے۔ 1857ء میں جنگی ابتلاء نے ہندوستانی عوام اور انگریز استبدادیوں نے خلیج کو زیادہ وسیع کر دیا۔ایسے بُرے حالات میں بہتری کے لئے سرسید کی تحریک کا آغاز ہوا۔لوگوں نے سیاسی اور سماجی حالات کو رسمی طور پر قلم بند کرنے کا آغاز کیا۔تحریک سرسید کے نتیجہ میں گویا ہندوستان کی جدید تاریخ کو زیادہ جدید انداز میں دستاویز کیا جا رہا تھا۔

جولائی 1935ء World Congress of the Writers of Caluter میں تشکیل ہوئی۔انگریز استبداد کے خلاف ردِعمل کے سبب ہندوستان میں اشتراکیت کی زیادہ پذیرائی ہوئی۔اِس عہدی ردِعمل کے علاوہ ہندوستان میں اشتراکی فلسفہ اور عمل کی ضرورت بھی تھی۔خاص طور سے مذہبی سخت گیری، ذات پات کا آہنی نظام ،معیشت کی اجارہ دارانہ تشکیل ہندوستانی عوام کے لئے تہذیبی عذابوں کی طرح تھی۔ہندوستان کے نوجوانوں میں ترقی یافتہ مما لک میں تعلیم حاصل کرنے کا رواج پانے لگا۔اِس طرح یورپی جدیدیت کا ہندوستان کی قدامت پرستی سے اتّصال ہوا۔اُردو ادب میں رپورتاژ نگاری کے پس منظر میں یہ عوامل اور عناصر تشکیلی کردار ادا کرتے ہیں۔سجاد ظہیر کی ''یادیں''،کرشن چندر کی ''پودے'' کو رپورتاژ کی مبادی اور مثالی ادبی شناختیں قرار دیا جاتا ہے۔ہندوستان کے اندرونی حالات عوامی، معاشی اور سماجی برابری کے آدرشوں کے حصول کے لئے تقاریب منعقد کی جاتی تھیں اور اُس کے نتیجہ میں رپورتاژ تحریر کی جاتی تھیں۔38-37-36-1935ء میں متعدد کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ہندوستان کے بہت سے معروف اہلِ فکر و نظر اِن تحاریک وتقریبات کے شریکِ کار تھے۔اِن میں کرشن چندر ،حسرت موہانی ، جے پرکاش نارائن،کملادیوی،چتوپادھیائے،میاں افتخارالدین،یوسف مہرعلی،اندولال یاجنک،فیض احمد فیض،عبیداللہ علیم،حیات اللہ انصاری،اصرار مجاز،علی سردار جعفری،آنند نارائن ملاّ،اَمرت رائے ،شاہد لطیف،علی اشرف ،سجاد ظہیر، ڈاکٹر عبدالعلیم ،سریندرا ناتھ ٹیگور،سروجنی نائیڈو،راج آنند،مارنک بینرجی،تاراشنکر بینرجی،بدھادیوبوس،پرتما چوہدری،اجے این سین گپتا،کرشن چندر جیسے مفکرین،ادیب اور عمل کار شامل تھے۔ہونے والی تقریبات کی رپورتاژیں مختلف تقریبات میں پیش کی جاتی تھیں۔اِس سے ہٹ کر ناول اور افسانہ کے تخلیقی منظر نامہ میں رپورتاژ کے غیر رسمی رنمونے بھی پیش کئے جاتے تھے۔ناول،افسانہ کے پلاٹ میں رُونما ہونے والے واقعات اگرچہ براہ راست رپورتاژ کی صنف نہ تھے مگر وہ اِس صنف

کی بنیاد میں مبادی کردار ادا کر رہے تھے۔ اِس کے علاوہ آپ بیتی، سوانح، روز نامچہ، ڈائری اور خطوط میں بھی رپورتاژ کے نقوش کثرت سے مشاہدہ میں آتے ہیں۔

اہم رپورتاژوں کی تفصیل

نام رپورتاژ نگار	عنوان رپورتاژ	نام رپورتاژ نگار	عنوان رپورتاژ
ابراہیم جلیس	دو ملک ایک کہانی	ابراہم جلیس	جیل کے دن جیل کی راتیں
ابراہیم جلیس	شہر	جمنا داس اختر	اور خدا دیکھتا رہا
خدیجہ مستور	پَو پھٹے	رام لال	حساس کی یاترا
سجاد ظہیر	یادیں	شاہد احمد دہلوی	دلی کی بپتا
شاہد مہدی	شہر طرب	عاتق شاہ	خالی ہاتھ
عادل رشید	خزاؤں کے پھول	عصمت چغتائی	بمبئی سے بھوپال تک
فکر تونسوی	چھٹا دریا	صفیہ اختر	ایک ہنگامہ
پرکاش پنڈت	کہت کبیر متو بھئی سادھو	انور عظیم	ناچ گیت اور پتھر
اظہار اثر	ترقی پسند مصنفین کی کل ہند کانفرنس		
خواجہ احمد عباس	سرخ زمین اور پانچ ستارے	زہرہ جمال	پانچ دسمبر کی رات
کرشن چندر	پودے	قرۃ العین حیدر	ستمبر کا چاند
ممتاز مفتی	لبیک	فرحت اللہ بیگ	دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ
قدرت اللہ شہاب	یا خدا	عبداللہ ملک	ملک کا مستقبل ہمارا
اجمل اجملی	ایک رات گزری ہے ایک صدی گزری ہے	شفیق الرحمٰن	دجلہ سے فراط تک
تاجور سامری	جب بندھن ٹوٹے	سید ضمیر حسین	دلی سے دلی تک
کشمیری لال ذاکر	یہ صبح زندہ رہے گی	عاتق شاہ	خالی ہاتھ
حمید اختر	انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں کی روداد (مطبوعہ، اخبار نظام)	ظ۔ انصاری	پاکستان میں چندروز

نیاز فتح پوری	چند دن بمبئی میں	رضیہ سجاد ظہیر	امن کا کارواں
قدرت اللہ شہاب	اے بنی اسرائیل	شیخ منظور الٰہی	قوس و قزاح سے فرار تک
رام لعل	احساس کی یاترا	سری نواس لاہوتی	عنوان رپورتاژ نامعلوم

اُردو رپورتاژ کی عہدی تاریخ بیسویں صدی ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان میں ترقی پسند ادیبوں نے اِس کی رسمی تشکیل و پیش کاری کی۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے اجلاس اور اُن کی روداد کی پیش کاری اُردو رپورتاژ کا عملی نمونہ پیش کرتی ہے۔ تحریکِ سرسید نے فکر و آگاہی کی بہت ہی طاقتور اور کامیاب بنیاد رکھ دی تھی۔ بیسویں صدی کے حسّاس ہندوستانیوں نے نئے فکری محاکے اُٹھائے۔ ترقی پسند تحریک کا بنیادی انحصار دنیا میں عصری، عہدی، متنوع، متنازعہ نظامِ ترکیب و ترتیب کے خلاف ہر طرح کا علمی ردِ عمل تھا۔ یہ ردِ عمل ہندوستانیوں کو درپیش چیلنجز challenges کے پیش نظر ریسپانس response تھا۔ چنوتیاں جس طرح کی بھی ہوں اُن کے متعلق فوری توجہ ضروری ہوتی ہے۔ اِس سے فکر، مکالمہ اور عمل کے سلسلوں کو بڑھایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ترقی پسندی کو اشتراکیت کے ساتھ حتمی نسبت دے کر ''مذہبی مردُود'' ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ فلسفہ کی فکری روشنی ابدی ہوتی ہے۔ فکر کی بنیاد پر بنائے گئے نظام خطاء کاری کے عناصر کے حامل ہو سکتے ہیں۔ کارل مارکس کے نظریات نظام نہیں تھے، ہاں البتہ اُن پر اشتراکی نظام و ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ اِس میں کامیابیوں کے ساتھ ساتھ انسانیت نے بہت سی ناکامیوں کا سامنا بھی کیا۔ نظام کی ناکامی کو فکری ناکامی قرار دیا گیا۔ یہ غیر علمی رویہ ہے۔ نظریات کی تکمیل اور عینیت میں ریاست کی تشکیل اور نظام سازی کی غلطیاں تلاش نہیں کرنی چاہیں۔ ریاستی ناکامیاں فلسفیانہ نہیں ہوتیں، انتظامی ہوتیں ہیں۔ اُس کے کارساز فلسفی نہیں ہوتے، منتظم ہوتے ہیں، جن کے کام میں خطا، اَنا، ذاتی مرضی، مقصد مفاد وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں مذہب کی تقدیس کا استحصال سیاسی قدروں کی طرح رہا ہے۔ اُس سے بالا ذات پات کے نظام کی قوت کے باعث ادیان وپیغمبران کی تعلیمات کو اپنے مفادات کے لئے مسخ کر کے معاشرہ میں سیاسی اقتدار واختیار کا وسیلہ بنا لیا گیا۔ عوام کی دُشواریوں اور اُن کے حل کی آرزوؤں کو اشتراکیت کی نفرت میں پیش کیا گیا۔ ترقی سے مراد آسانی، خوشی، خوش حالی اور وسائل میں فراخی ہوتا ہے۔ ایسے ارمان دنیا کے ہر فرد کا حق ہیں۔ اِس سے تو دنیا کا ہر بندہ بشر ترقی پسند ثابت ہوتا ہے۔ ترقی کی تشریح اُس کی نفرت کے عدسوں میں کر کے سماجی ابتذال وارتذال کا اہتمام کیا گیا۔ بیسویں صدی کے ہندوستانی حساس دماغ نے جدید زندگی کی اچھائیوں اور برائیوں کا ادراک پیدا کیا۔ رپورتاژ اُن ہی کی جدید اختراع ہے۔ وہ تقریبات، مواقع، کانفرنسوں وغیرہ کی رُوداد کو رسمی اور دستاویزی انداز میں پیش کرنے لگے تھے۔ اُردو ادب میں رپورتاژ کے ارتقاء کو اُن ہی کے دم قدم سے مہمیز نصیب ہوئی۔

حواشی

1۔ وہاج الدین علوی، اُردو خود نوشت فن اور تجزیہ ص 23-22۔

2۔ ڈاکٹر محمد عمر رضا، اُردو میں سوانحی ادب فن اور روایت، ص 178، فکشن ہاؤس، لاہور، 2012ء۔

3 ۔ David Grambs, Literary Companion, 1984, P 313۔

4۔طلعت گل،اردو میں رپوتاژ کی روایت، ناشر، اپریل1992ء، شبانہ پبلی کیشنز، دہلی۔

5۔طلعت گل،اردو میں رپوتاژ کی روایت،ص9، ناشر، اپریل1992ء، شبانہ پبلی کیشنز، دہلی۔

6۔شمیم احمد، رپورتاژ اور اس کا موضوع،ص405،مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقا(مرتبہ فرمان فتح پوری)، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔

7۔عبدالعزیز، اُردو رپورتاژ نگاری،ص12-11،مکتبہ شاہرہ اُردو بازار، دہلی

کتابیاتِ رپورتاژ

1۔سجاد ظہیر، روشنائی۔

2۔علی سردار جعفری، ترقی پسند ادب۔

3۔مرتبہ: پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، دہلی اردو اخبار، مقدمہ۔

4۔ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، ترقی پسند ادبی تحریک۔

5۔ڈاکٹر قمر رئیس، تلاش و توازن ۔

6۔اردو ادب آزادی کے بعد، پروفیسر اعجاز حسین۔

7۔پروفیسر محمد حسن، شعرنَو۔

8۔نیا ادب کیا ہے؟ نیا ادب اور کلیم لکھنو کا خصوصی شمارہ۔

9۔پروفیسر نگیندر، ہندی ادب کی تاریخ۔

10۔عادل رشید مقدمہ علی سردار جعفری، خزاں کے پھول۔

11۔تاجور سامری مقدمہ احتشام حسین، جب بندھن ٹوٹے۔

12۔کرشن چندر، صبح ہوتی ہے۔

13۔ممتاز شیریں، معیار۔

14۔عصمت چغتائی، چھوئی موئی۔

15۔مرتبہ: فرمان فتح پوری، ماہنامہ نگار(اصناف سخن نمبر)۔

16۔کرشن چندر، پودے۔

17۔صہبا لکھنوی، افکار(کراچی) جوبلی نمبر۔

18۔عبدالعزیز، ہیت کے تشکیلی عناصر، (ہماری زبان)۔

19۔تاریخی ناول کا تدریجی ارتقاء، عبدالعزیز(ہماری زبان)۔

20۔Percivalspear Inida

21۔F.L. Lucas Style

22۔Prof. Yoginoer Mooerniz Ation of Singh Idian Trabition

23۔اختر انصاری، ایک ادبی ڈائری، ایم ثناء اللہ خاں۔

24۔اختر حسین رائے پوری، ادب اور انقلاب، ادارۂ اشاعتِ اردو۔

25۔اخلاق اثر، ریڈیو ڈرامے کی اصناف، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔

26۔اسلوب احمد انصاری، ادب اور تنقید، سنگم پبلی شرز۔

27۔اطہر پرویز، ادب کا مطالعہ، اردو گھر۔

28۔اعجاز حسین، اردو ادب آزاد کے بعد، کارواں پبلیشرز۔

29۔اعظمی خلیل الرحمٰن، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، ایجوکیشنل بک ہاؤس۔

30۔ثریا حسین (مرتب)، مضامین بلدروم، اتر پردیش اردو اکادمی۔

31۔جمال آراء نظامی، مختصر افسانے کا ارتقاء، (پریم چند تا حال) نورس پبلی شرز۔

32۔جوگندر پال، سلوٹیں، لاجپت رائے اینڈ سنز۔

33۔چودھری رحم علی الہاشمی، فنِ صحافت، انجمن ترقی اردو ہند۔

34۔سجاد ظہیر، مضامین سجاد ظہیر، اتر پردیش اردو اکادمی۔

35۔سردار جعفری، ترقی پسند ادب، انجمن ترقی اردو ہند۔

36۔شافع قدوائی، خبر نگاری، انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس۔

37۔عبدالعزیز (مرتب)، اردو میں رپورتاژ نگاری، مکتبہ شاہراہ۔

38۔فرمان فتح پوری، اردو افسانہ اور افسانہ نگاری، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔

39۔قمر رئیس، تلاش و توازن، ادارۂ خزام پبلی کیشنز۔

40۔قمر رئیس (مرتب)، ترقی پسند ادب (پچاس سالہ)، نیا سفر پبلی کیشنز۔

41۔گوپی چند نارنگ (مرتب)، اردو افسانہ روایت اور مسائل، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔

42۔محمود فیاض (مرتب)، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان، حبیب پریس۔

43۔ممتاز حسین نئی قدریں، افتخار علی چودھری۔

44۔ممتاز شیریں، معیار، نیا ادارہ دیر آرٹ پریس۔

45۔نگہت ریحانہ، اردو مختصر افسانہ فنی تکنیکی مطالعہ، نصرت پبلیشرز۔

46۔یوسف حسین، فرانسیسی ادب، انجمن ترقی اردو ہند۔

سوانحی ادب اور قصیدہ

معاشروں کی تقسیم اور درجہ بندی میں اختیار واقتدار کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ معاشروں کا فیصلہ کار عاملہ ہوتا ہے۔ زور بازو، اسلحہ اور سیاسی قوت فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔ اختیار اقتدار کے ادارے، بادشاہت، جمہوریت ،اشتراکیت اور بہت سے دیگر مخلوط نظامِ سیاست واختیار پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایک ہی بادشاہت، جمہوریت یا مخلوط نظامِ ریاست کے اندر بہت سے ذیلی ادارے اور اُن کے سربراہ، سرپرست بھی ہوتے ہیں۔ نواب، سردار، راجہ، مہاراجہ اور ایسے بے شمار اقتداری مناسب مطالعۂ تاریخ وتہذیب اور ثقافت کے عنوانات ہیں۔ اقتدار واختیار کا ادارہ متعلق العنانیت ہو یا ضمنی ادارہ قبائلیت وغیرہ، اختیار واقتدار کا نمونہ ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اُس کے چھوٹا بڑا ہونے کا فرق ہوسکتا ہے۔ چھوٹے یا بڑے کسی بھی طاقت کے ادارے میں قدرِ مشترک ''طاقت'' ہی ہوتی ہے۔ انسانوں کے آپس کے رشتے بھی اِسی حوالہ سے بنتے، جُڑتے ہیں۔ بادشاہ ہوتا ہے تو اُس کی رعیّت بھی ہوتی ہے۔ حاکم ہوتا ہے تو محکوم بھی۔ سپہ سالار اور اُس کا سپاہی بھی۔ اِن رشتوں کے درمیان ''معاش'' بہت نمایاں، معنی خیز اور اہم رشتہ جنم لیتا ہے اور بہت سے نئے رشتوں کو جنم دیتا ہے۔ رعیت زمینوں پر کام کرتی ہے اور بادشاہ اُس میں سے بہت بڑا حصہ وصول کرتا ہے۔ اِن وصولیوں کے انداز مختلف تاریخی ادوار اور علاقوں میں مختلف ہوتے تھے مگر اُن سب کا مقصد ایک ہی تھا کہ بادشاہ ،دربار، درباریوں، محل سراؤں اور حرم سراؤں کے مکینوں کے لئے بے شمار معاشی وسائل عوامی معیشت ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ بادشاہت کُلّی اختیار اور اقتدار کی علامت کا تصور ہے۔ اِس حقیقت کے چھوٹے اور بڑے اختیاری، اقتداری نمونے معاشروں کے مطالعہ میں بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ طاقت، اختیار واقتدار رکھنے والا کوئی بھی کردار اپنی نمایاں ،مختلف اور ممتاز پہچان کا خواہش مند ہوتا ہے۔ وہ اپنی پہچان کی آرزو نہیں رکھتا تو پھر وہ اپنے آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ اِس طرح کی پہچان کے بہت سے ذرائع میں درباداری سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ بادشاہ، قبائلی سردار، نواب، راجہ یا مہاراجہ کے درباروں میں روزی رزق کی تلاش میں درباری اپنی اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ انسانی تاریخ کے عہدِ قدیم میں چونکہ اِس طرح کے ادارے عام تھے تو اُن کی درباداری ہی میں لوگوں کی بقا تھی۔ اُمراء، رؤساء، وزراء ،ادیب، شاعر، فنکار وغیرہ دربار میں اپنا خاص کردار ادا کرتے تھے اور اُن کی روزی رزق کا انحصار اِسی طرح کی مصروفیات پر ہوتا تھا۔ بادشاہ کوئی کام نہیں کرتا۔ وہ کوئی ہنر نہیں جانتا۔ اُس کا کوئی پیشہ نہیں۔ اُس کا ہونا ہی اُس کا جواز اور اصل اہمیت ہے۔ خون پسینہ عوام کا اور ناز ونعم سے جینا بادشاہ کا۔ دربار، دربای اور دربار دار ذیلی طفیلی۔ جب معاشی اور پیداواری رشتوں کا یہ جال نظر آجاتا ہے تو عنکبوتی ،استبدادی اداروں کا کردار بھی سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ بادشاہ قصیدہ خواں، درباریوں اور دربار داروں کے منصب status کا ''طفیلی paracital'' ادارہ تھے۔ اِس سے تو بہت ہی

آساں سوالات اُٹھائے جاسکتے ہیں؛ جیسے؛ ’کیا ایک فوجی سپاہی، مزدور، معمار اور کسان کی آمدنی قصیدہ خواں کی آمدنی کے برابر ہوسکتی تھی یا ہوسکتی ہے؟‘۔ انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

ریاست کے سربراہ کی اَنا کی تسکین کے لئے درباری آبادی کے بہت سے افراد اور ادارے اپنی اپنی خدمات سرانجام دیتے رہتے تھے۔ شاعر اپنی تخلیقی اور فنکارانہ صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے صاحبِ اختیار کی اَنا کی تسکین کے لئے اُس کی تعریف وتحسین اور مدح وآفرین کا پیشہ سرانجام دیتے تھے۔ فنِ شاعری میں ’’قصیدہ‘‘ ایسے ہی ماحول، حالات اور ثقافت کا نتیجہ ہے۔ شاعر قصیدہ نگاری میں صاحبِ اختیار واقتدار کی مدح سرائی مخصوص انداز میں کرتا تھا جس سے ممدوح کی اَنائی تسکین ہوتی تھی۔ اُس کے متعلق شاعر کے عظیم اور انوکھے خیالات معاشرے میں قبول کر لیے جاتے تھے۔ اگر کسی کو قصیدہ میں ’’شُجّاع‘‘ کی صفت میں پیش کیا جاتا تھا تو سارا سماج اُس کی بہادری کا نہ صرف قائل ہوجاتا تھا بلکہ خوف زدہ بھی۔ اُس کی اَنا کی تسکین کے نتیجہ میں شاعر کو مقام ومرتبہ کے علاوہ رزق ومعاش بھی عطا کیا جاتا تھا۔ عرب تہذیب نے بادشاہت سے زیادہ قبائلیت کا رواج تھا۔ اِس لیے ہر قبیلہ کا اپنا سربراہ ہوتا تھا اور پھر اُس کے ذیلی سالار اور سربراہ ہوتے تھے۔ اُن کے متعلق شاعروں کو قصیدہ نگاری کے مواقع میسر آتے تھے۔ ایران میں بھی عربوں کی طرح ’’ایرانیت‘‘ قبائلیت یا وطن کی بنیادی پہچان تھی۔ ایرانی تہذیب وثقافت میں یہ عوامل اب بھی ایسے ہی کارفرما ہیں۔ وہ سب سے پہلے ایرانی ہیں اور اُس کے بعد جو کچھ بھی، مگر بعد میں۔ عرب وایران کی ادبی روایتوں نے مختلف تاریخی ادوار میں ہندوستان کا سفر کیا۔ ایسے اسفار کے اپنے اسباب اور وجوہات تھیں۔ مگر نتیجہ یہ تھا کہ عرب وایران کے ادب کی اصناف تہذیب ہند کے تخلیقی ادب میں متعارف ہوتی گئیں۔ قصیدہ کا سب سے زیادہ زرخیز ذخیرہ عرب وایران کے ادبی خزائن میں موجود ہے۔ ہندوستان میں اِس کو اپنایا گیا۔ یہ مقامی تہذیب کی اختراع نہ تھی۔ اِسی لیے اُردو قصیدہ کی روایت کی عُمر زیادہ طویل نہیں ہے۔

’’قصیدہ‘‘ کی اصطلاح میں قصد، نیت، ارادہ، عزم، تقاضا، ضرورت، احتیاج، سیدھے راستے کا تعین، بھروسہ، اصل وغیرہ کے تصورات شامل ہیں۔ قصیدہ کی صنفی تعریف بھی اِنھی تصورات کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ قصیدہ سے مراد ’عصاء، لاٹھی، ڈنڈا‘‘ بھی لیا جاتا ہے۔ اِسے کو ’’نیزہ پھینکنا‘‘ کے تصور میں بھی فہم کیا جاتا ہے۔ نیزہ پھینکنے کا مقصد کوئی ہدف ہوتا ہے اور اُسی ہدف کے حصول کی تخلیقی کوشش قصیدہ ہوتا ہے۔ نیزہ سے شکار کیا جاسکتا ہے اور شکار شاعر کا قصد ہوتا ہے۔ اُس کی تخلیقی پیش کاری کو قصیدہ کی صنف میں پیش کیا جاتا ہے۔ اِس صنفِ سخن، قصیدہ میں ’’قصید‘‘ سے مراد ممدوح ہوتا ہے جس سے ’’قصد‘‘ کا بنیادی تعلق ہوتا ہے۔ قصید کو ’موٹی اونٹنی‘‘ کے تصور میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ وہ بذاتِ خود ایک بڑا اثاثہ ہوتی ہے، اپنی نسل پیدا کرتی ہے، وسیلہ ءِ سفر ہوتی ہے، دودھ فراہم کرتی ہے اور گوشت کی دستیابی کا باعث بھی ہوتی ہے۔ عرب تہذیب وادب میں زبان کی ’’فصاحت وبلاغت‘‘ کو بھی قصیدہ کہا جاتا ہے۔ طاقت واختیار کے ادارہ میں سے

روزی رزق کے وسائل کی تلاش اور حصول کسی ایسے ہی قصد، ارادہ یا نیت کا نتیجہ ہی تھا۔تعریف و تحسین فنکارانہ اور تخلیقی انداز میں کی جاتی تھی جس کے نتیجہ میں مقام و مرتبہ کے علاوہ روزی رزق کے وسائل بھی دستیاب ہوجاتے تھے۔یہی سبب ہے کہ قصیدہ میں پیش کاری کی بے ساختگی کی بجائے تصنّع کو زیادہ عمل دخل ہے۔تخلیقی نظم و نثر کی اصناف میں بے ساختگی بنیادی وصف ہوتا ہے۔قصیدہ میں کوئی نیت یا ارادہ، تقاضا یا احتیاج پیش کرنے کے لئے مصنوعی تخلیقی رویے اپنانا پڑتے ہیں۔شاعری کے''بالقصد'' ہونے کی وجہ سے اُس میں بے ساختگی اور خلوص کی کمی کا احساس بھی ہوتا ہے۔قصیدہ کی نظم کاری میں شعری'' آمد'' کی بجائے'' آوَرد'' کا عنصر زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔مگر یہ سب کچھ اِس صنف کے حوالہ سے پذیرائی اور قبولیت حاصل کرتا ہے۔اِس کے باوجود یہ صنف عالمی ادبِ عالیہ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔چونکہ اِس کے پس منظر میں ایک طویل تاریخی منظرنامہ ہے جس کی وجہ سے اِس کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

قصیدہ کی ہیئت میں ''تشبیب ،نسیب ،غزل''،''تخلیص ،گریز''،''تعریف''،''حُسن طلب ،عرض حال''،''دعا، براعتہ الختام، حسن المقطع'' بنیادی عناصر و اقدار ہیں۔تشبیب کی نوعیت تمہیدیہ ہوتی ہے۔تشبیب سے مراد''شبابیت'' ہے، یعنی زندگی ،نشو ونما، جوانی جولانی ، جوش ولولہ اور حُسن وعشق کا کرشمہ، کرامتیں۔شاعر قصیدہ کے اِس حصہ میں اپنے خیالات کی تمہید کا آغاز کرتا ہے۔اِس سے وہ سامعین کی توجہ اور جذبہ کی مداخلت کا سامان کرتا ہے۔اِس تصور کو''عورتوں سے باتیں کرنا'' کی معنویت میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔مرد اور عورتیں جب آپس میں بات چیت کرتے ہیں تو اُن کے درمیان کافی حد تک ترغیب کا رشتہ بھی قائم ہوسکتا ہے۔گویا تشبیب میں جنسی جمالیات کی تصریح ہوتی ہے۔تشبیب کے بعد''تخلیص، گریز'' کا آغاز کرتا ہے۔گریز خطابیہ نوعیت کی پیش کاری ہوتی ہے۔تشبیب کے موضوعات سے ہٹتے ہوئے اپنے ممدوح کی طرف توجہ کرنے لگتا ہے۔اِس تبدیلی کا درمیانی عنصر اُس کا ممدوح کے لئے ظاہر کردہ خلوص ہوتا ہے۔تشبیب کی حد سے نکلنا''گریز'' کا عمل ہے۔قصیدہ کے اِس حصہ میں قصیدہ نگار ممدوح کی طرف خصوصی توجہ کا ارتکاز کرتا ہے تاکہ اُس کی توجہ قصیدہ نگار خود حاصل کرسکے۔قصیدہ میں''غزل'' کے حصہ میں عشق و محبت، وَصل واتصال اور ہجر و فراق کا قصہ یا ماحول پیش کیا جاتا ہے۔یہ حصہ قارئین کی جذباتی توجہ حاصل کرنے کے لئے بہت ہی کارآمد ثابت ہوتا ہے۔جذبوں کے ارتعاش کا ہدف حاصل کرلینے کے بعد شاعر ممدوح کی خصوصی تعریف و توصیف کرتا ہے۔اِس مرحلہ پر قصیدہ نگار اور ممدوح کے درمیان ایک لحاظ سے ذاتی تعلق برقرار ہوجاتا ہے۔ذاتیات کے اِس انجذابی مرحلہ پر شاعر اپنا''مُدّعا، تقاضا، احتیاج'' کا اظہار کرتا ہے۔اِس کے بعد ممدوح کے لئے دعائیہ اشعار کا اہتمام کیا جاتا ہے۔شاعر دعائیہ کلام میں شکرگزاری کا پیشگی اظہار ہی کرتا ہے تاکہ وہ اپنے ممدوح کی عطا و عنایات سے فیض یاب ہوسکے۔گویا یہ مرحلہ ممدوح کے لئے فیض و عنایات پیش کرنے کے دعوت نامے کی طرح ہوتا ہے۔قصیدہ کا مجموعی تصور کسی تخلیقی''طریقۂ کار، method'' کی طرح ہوتا ہے۔احتیاج، تقاضا، مقصد اور ارادہ کے باوجود قصیدہ نگاری ہمیشہ سے

ایک معنی خیز صنفِ سخن رہی ہے۔قصیدہ میں بے ساختگی کی کمی، تصنع کی موجودگی ،خلوص کی قلت اور تقاضا کی تکثیر کے تضادات کے باوجود کثرتِ ریاضت کے سبب شعری تخلیص کے زبردست نمونے مشاہدہ میں آتے ہیں۔

قصیدہ کے موضوعات مدحیہ، وعظیہ ،اور ہجویہ ہوتے ہیں۔بعض قصیدے ممدوح کی تعریف وتوصیف اور مدح سرائی پر مبنی ہوتے ہیں۔کچھ قصیدے انسانی ہدایت اور راہنمائی کے لئے خطابی اور وعظیہ موضوعات پر مبنی ہوتے ہیں۔قصائد کے کثیر موضوعات میں''ہجو pangyric''بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔کسی کو تنقید ،طعن و تشنیع ،نکتہ چینی ،دشنام طرازی ، مذمت کاری وغیرہ جیسے موضوعات ،موضوع کرداروں کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں۔اِس طرح کے قصیدے موضوع کردار کی بدعہدی ،ضروریات پوری نہ کرنے ،نفرت ،بُغض ،انتقام ،حسد یا شاعر کی اپنی اَنا کے احساسِ کم تری کی وجہ سے تحریر کئے جاتے تھے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ قصیدوں میں ہجویہ قصیدوں کی پذیرائی کا عوامی درجہ بہت ہی بلند رہا ہے۔اِس کا سبب سماجی نفسیات کی یہ حقیقت بھی ہے کہ ہجویہ قصیدوں کی وجہ سے لوگوں کو اپنے منفی جذبات واحساسات کی تسکین کے مواقع میسر آجاتے تھے۔کوئی اپنے دشمن سے انتقام لینے کے اہل نہ ہوتو اُس کے خلاف دشنام طرازی ہجویہ شاعری ہی سے تلافی کر لیتا ہے۔یہ فن کا خالصتاً فنی artistic نتیجہ ہے۔قصیدہ نگاری پیش وارانہ شاعری کی طرح ہے۔اِس میں معاملاتِ عشق ومحبت سے زیادہ رزق ووسائل کے تقاضے ہوتے ہیں۔مدح نگار اور ممدوح کے درمیان روزی رزق، احتیاج وتقاضا ہی کا رشتہ ہے جس پر قصیدہ نگار اپنے فن اور تخلیق کی بنیاد اِستوار کرتا ہے۔اِس سارے عمل میں شاعر کی شخصیت ،سوانح اور ثقافت کے علاوہ ممدوح کی سوانح ،شخصیت ،کردار ،منصب اور ثقافت کے علاوہ سماجی سوانح ارتقاء ہوتی رہتی ہیں۔فن قصیدہ نگاری کا سوانحی ادب سے بہت ہی بنیادی تعلق ہے۔شاعر کی شخصیت اور ممدوح کی شخصیت ، سیرت اور نفسیات قصیدہ کی شاعری میں موجود ہوتی ہے۔جو کہ قصیدہ کو سوانحی ادب سے متعلق کر دیتی ہے۔

ہندوستان میں قصیدہ کا تعارف ، آغاز اور ارتقاء کا تعلق عرب وایران کے ادب سے ہے۔زمانہ جاہلیت میں خانہءِ کعبہ کے دروازے پر سات قصیدے معلّق تھے۔اِن قصیدوں کو''سبع معلّقہ، سبع مذہبّات، السّموط'' کہا جاتا تھا۔ان قصائد کے شاعر اِمراء القیسؔ ،طرفہؔ ، زہیرؔ ، لبیدؔ ،عمرؔ وابن کلثوم ،عنترؔ ہ اور الحارثؔ بن حلزہ ہیں۔بعض تحقیق کار نابغہ ذبیانی اوراعشیٰ کو بھی اُن قصیدہ نگاروں میں شامل کرتے ہیں۔زمانہ جاہلیت کے شعراء قبولِ اسلام کے بعد نبی اکرم ﷺ کی قصیدہ گوئی بھی کرتے تھے۔اُن میں حسّانؔ بن ثابت ،کعبؔ بن زہیر ، نابغہؔ جعدی اور حطیہؔ مشہور قصیدہ گو ہیں۔ایران میں عباسی خلیفہ مامون الرشید کی عہدِ حکومت میں قصیدہ کی ابتدائی فارسی مثالیں ملتی ہیں۔محمد بن وصیف کے یعقوب بن لیث کے متعلق قصیدہ کو اولین تخلیق قرار دیا جاتا ہے۔بعض محققین سامانی دَور کے شاعر رودکیؔ کو فارسی قصیدہ کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔حکیم کسائیؔ معروضی ، دقیقیؔ طوسی ،عنصریؔ ،فرخیؔ اور منوچہریؔ نے فارسی قصیدہ کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔فارسی قصیدوں نگاروں میں سنائیؔ ، عطاؔر ، ناصر خسرؔو ، قطرانؔ ،مسعوؔد سعد ،انوریؔ ، خاقانیؔ ،ظہیرؔ فاریابی ، معزّیؔ ، رشید الدین وطواؔط اور

عبدالواسع جبلّی قصیدہ کے لیے قابلِ ذکر شعراء ہیں۔ایرانی قصیدہ نگاروں میں مرزا قآنی فارسی کا بہت ہی منفرد فنکار ہے۔اُس کے قصیدوں میں فطرت نگاری اور منظر نامہ کو پیش کیا گیا ہے اور ان میں کوئی فلسفیانہ یا اخلاقیاتی معنویت نہیں ہے۔فطرت اور اُس کے منظر ناموں کی پیش کاری میں شعری خیال کی حقیقت نادر نمونے مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔فارسی قصیدہ نے عربی قصیدہ کے ساتھ ہندوستان کی طرف تخلیقی مسافرت کی۔ ہندوستان میں قصائد کی اولین مثال دَکّنی قصائد ہیں۔شیخ آذری،مشتاق اور لُطفی اولین قصیدہ نگار کے طور پر تاریخ کئے جاتے ہیں۔محمد قُلی قطب شاہ،غواصی اور شاہی جیسے قصیدہ نگاروں نے جوہر نگاری کی۔

شمالی ہندوستان میں سودا کو عہد ساز قصیدہ نگار ہونے کی پہچان حاصل ہے۔اِس سے قبل ولی دکنی ،فائز دہلوی ،محمد شاکر ناجی،اشرف علی خان فغاں،شاہ حاتم،آبرو قصیدہ نگاری کے اہم نمونے پیش کر چکے تھے۔سودا قصیدہ نگاری میں اہم شناخت رکھتے ہیں۔سودا کے قصائد ہندوستان کے بہت سے عمائدین کے متعلق ہیں۔اُن کے قصائد کا معیار کسی لحاظ سے بھی فارسی قصیدہ نگاری سے کم نہیں ۔خاقانی ،انوری ،عراقی ،میر،قائم،کلیم،حزیں،آتش،ناسخ،ابراہیم ذوق،مرزا غالب،امیر مینائی نے نمایاں قصائد تخلیق کئے ۔جوش ملیح آبادی کی بعض نظموں میں قدیم قصیدہ کے نقوش مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔سحر لکھنوی،منیر شکوہ آبادی،نظم طباطبائی،مصحفی،ممنون،مومن،اسیر لکھنوی،نسیم دہلوی،قلق لکھنوی،سحر لکھنوی ،شہید شہیدی،جلال لکھنوی،تسلیم لکھنوی،داغ،محسن کاکوروی،قدر،ظہیر،اسماعیل میرٹھی،حالی،صفی لکھنوی،محشر بدایونی،عزیز لکھنوی،کی قصیدہ نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

قصیدہ نگاری میں تصنّع اور خلوص کی کمی پر کافی مباحث مل جاتے ہیں۔مگر نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس،حضرت علیؓ اور دیگر بہت سے مذہبی راہنماؤں کے متعلق قصیدوں میں بے پناہ،بے ساختگی اور پیش کاری کا خلوص پایا جاتا ہے۔یقینی بات ہے کہ قصیدہ کے اِس طرح کے استثناء میں مذہبی عقیدت کا بنیادی عمل دخل ہے۔''قصیدہ بُردہ'' کی ایک مثال دیگر امثال کی تشریح کرتی ہے۔

قصیدہ نگاری کا سوانحی ادب سے تعلق ماخوذاتی ہے۔قصیدہ میں سیرت وسوانح براہِ راست سوانحی ادب قرار نہیں دیئے جاسکتے۔قصیدہ کی تعبیر وتشریح کے نتیجہ میں قصیدہ کے فنکار کی نفسیات،شخصیت،سیرت اور کردار اُس کے خیالات سے مُترشّح ہوتی ہے۔اِسی طرح قصیدہ میں ممدوح کی سیرت،کردار،اوصاف یا بیان کردہ حالاتِ زندگی سے اُس کی سوانح کے خاکے sketches کشید کئے جاسکتے ہیں۔

قصیدہ کی کتابیات

1۔مولانا محمد حسین آزاد،آبِ حیات۔

2۔ڈاکٹر زبیر احمد،ادب العرب جلدا۔

3۔رام بابوسکسینہ مترجمہ عسکری، اردوادب کی تاریخ۔

4۔عظیم الحق جنیدی، اردوادب کی تاریخ۔

5۔کلیم الدین احمد، اردوشاعری پر ایک نظر جلد ا۔

6۔محی الدین قادری زورؔ، اردوشہ پارے۔

7۔ڈاکٹر ابومحمد سحر، اردوقصیدہ نگاری طبع دوم۔

8۔ڈاکٹر محمود الٰہی، اردوقصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔

9۔ڈاکٹر شازب رودولوی، افکار سوداؔ۔

10۔ڈاکٹر ابومحمد سحر، انتخاب قصائد اردو، بیسویں صدی میں۔

11۔صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ ۔

12۔محمود شیرانی، پنجاب میں اردو۔

13۔ڈاکٹر احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، مترجم عبدالرحمٰن سورتی ۔

14۔رضازادہ شفقی ترجمہ سید مبازالدین، تاریخ ادبیات ایران۔

15۔شمس اللہ قادری، تاریخ زبان اردوئے قدیم۔

16۔جلال الدین احمد جعفری، تاریخ قصائد اردو۔

17۔عبدالرؤف عشرت لکھنوی، تذکرۂ آب بقا۔

18۔محمود شیرانی، تنقید شعرالعجم۔

19۔ڈاکٹر عبادت بریلوی، تنقیدی زادیے۔

20۔ڈاکٹر منیب الرحمان، جدید فارسی شاعری۔

21۔لالہ شری رام، خم خانہ جاوید۔

22۔نصیرالدین ہاشمی، دکن میں اُردو۔

23۔ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، دلی کا دبستان شاعری۔

24۔دیوان اشرف علی خاں فغاںؔ، مرتبہ صباح الدین عبدالرحمان۔

25۔مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، دیوان بقا۔

26۔محمد حسین آزاد، دیوان ذوق۔

27۔مرتبہ ڈاکٹر فضل الحق، دیوان شاکر ناجیؔ۔

28۔مرتبہ مالک رام، دیوان غالب۔

29۔شیخ چاند، سوداؔ۔

30۔مولانا شبلی نعمانی،شعرالعجم جلدا تا جلد۵۔
31۔عبدالسلام ندوی،شعرالہند جلدا،۲۔
32۔مرتبہ سید مسعود حسن رضوی،ادیب لکھنوی،دیوان فائز طبع اول۔
33۔مہدی حسین ناصری ادیب لکھنوی،دیوانِ فائز طبع اول۔
34۔ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی،عربادب کی تاریخ۔
35۔مہدی حسین ناصری،صنادیدِ عجم۔
36۔ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی،عربی ادب کی تاریخ۔
37۔احتشام حسین ندوی،عربی ادب کی تاریخ۔
38۔احتشام حسین،عکس اور آئینے۔
39۔ضیاءالدین احمد بدایوانی،قصائد مومنؔ۔
40۔مولانا منشی،قصائد سوداؔ۔
41۔محمد سعید،نغمہ قیصری۔
42۔علی جواد زیدی،قصیدہ نگاری اتر پردیش۔
43۔امداد امام اثر،کاشف الحقائق۔
44۔انشاءاللہ خاں انشاء،کلیات انشاء
45۔مرزا محمد سودا،کلیات سودا جلدا،۲
46۔محی الدین قادری زورؔ،کلیات قلی قطب شاہ۔
47۔قدر بلگرامی،کلیات قدر بلگرامی۔
48۔محمد بن عمر،کلیات غواصی۔
49۔ڈاکٹر عبادت بریلوی،کلیات میرؔ۔
50۔منیر شکوہ آبادی،کلیات منیرؔ۔
51۔حکیم سید عبدالحی،گلِ رضا۔
52۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی،لکھنو کا دبستان شاعری۔
53۔سیر لکھنوی،مجمع البحرین ذواللسانین جلد۴۔
54۔ڈاکٹر اعجاز حسین،مختصر تاریخ ادب اردو۔
55۔عبدالرزاق قریشی،مرزا مظہر جان جاناں اور ان کا کلام۔
56۔امیر مینائی،مرأۃ الغیب۔

57۔محی الدین قادری زور،مرقع سخن جلد۱،۲۔

58۔ابواللیث صدیقی، مصحفی اوران کا کلام۔

59۔ڈاکٹرابومحمد سحر،مطالعہ سودا۔

60۔مولانا الطاف حسین حالی،مقدمہ شعروشاعری۔

61۔کلب علی خاں فائق رام پوری،مومن۔

62۔ڈاکٹرعبادت بریلوی،مومن اور مطالعہ ٔمومن۔

63۔ڈاکٹرظہیراحمد صدیقی،مومن شخصیت اور فن۔

64۔ثناءالحق،امیر اور سودا کا دور۔

65۔حامداللہ اخسر،نقدالادب۔

66۔نورالحسن ہاشمی،یادگار دلی۔

67۔ڈاکٹرمحمود الٰہی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی،اردو قصائد کا تنقیدی جائزہ۔

68۔افقر موہانی(ذاتی)،باغ ارم۔

69۔مولوی عبدالعلی آسی مدراسی،سبع سیارہ۔

70۔ظفر اوگانوی،صفیر بلگرامی حیات اور کارنامے۔

71۔صفیر بلگرامی،قصائد صفیر۔

72۔آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،قصائد منت وممنون۔

73۔جلیل مالک پوری،قصیدۂ جلیل۔

74۔خدابخش اورینٹل لائبریری،پٹنہ،کلیات جرأت۔

75۔خدابخش اورینٹل لائبریری،پٹنہ،کلیات مصحفی۔

سوانحی ادب اور متفرق اصناف

سوانحی ادب، سوانح کے ساتھ مخصوص تعلق رکھتا ہے۔ادب انسانوں سے متعلق تخلیقی، فنکارانہ اور جمالیاتی پیش کاری ہوتا ہے۔ادب کی تمام تر اصناف کا کسی نہ کسی طرح سوانحی ادب سے تعلق رہتا ہے۔انسان ہر صنفِ ادب میں بطور لکھنے والے یا تحریر کے موضوع کے طور پر زیر بحث رہتا ہے۔ اِس لیے سوانحی ادب میں اصنافِ ادب کی خاص سوانحی اہمیت ہے۔

ناول اور افسانہ اِس لحاظ سے سب سے زیادہ تعلق رکھنے والی اصناف ہے۔' کہانی کی اصناف' یہ دونوں انسانی زندگی ،ماحول،معیار،ارمان ،آدرش اور اقدار کا بیانیہ ہوتی ہیں۔کہانی کار اپنی کہانی میں کسی نہ کسی طرح موجود رہتا ہے۔عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ کہانی میں مصنف کم از کم تیسرے حصے کا شراکت دار ہوتا ہے۔ یہ حصہ اور شراکت تھوڑی بہت کم یا زیادہ تو ہوسکتی ہے مگر ہر حال میں موجود رہتی ہے۔کہانی کے موضوعات انسانی حیات کے سرچشمے سے جنم لیتے ہیں۔کہانی کی تخصیص،قصہ،افسانہ یا ناول کے باوجود انسانوں کے متعلق بہت سا سوانحی مواد مشاہدہ میں آتا ہے۔اِس لحاظ سے قصہ،کہانی، ناول ،افسانہ میں سوانحی ادب کے موضوعات موجود رہتے ہیں۔اِس کے باوجود کہانی کے فن کو تخصیص کے ساتھ سوانحی ادب نہیں کہا جاسکتا بلکہ اِس کے موضوعات سے کافی حد تک سوانحی مواد کشید کیا جاسکتا ہے۔قرۃ العین حیدر،سعادت حسن منٹو،عصمت چغتائی ،شوکت صدیقی ،عبداللہ حسین کے علاوہ بہت سے ایسے کہانی کار ہیں جن کے قصہ میں سوانحی ادب کے نقوش نمایاں طور پر مشاہدہ میں آتے ہیں۔

رزمیہ شاعری Epic Poetry کو قدیم ترین صنفِ ادب وشعر کہا جاتا ہے۔انسانی حیات میں تصادم کا ذکر تو ابتدائے آفرینش ہی سے ہوتا رہا۔مسلمانوں کے عقائد کے مطابق آدم وابلیس کا تضاد زندگی کے تصادم کا پہلا رزم نامہ تھا۔حیات کی مثبت یک رُخی ،کثیر جہتی مزاحمتی اور تصادمی شکلیں اختیار کرتی گئی۔کم وبیش دنیا کے تمام مذاہب میں خیر وشر کا تصادم حیات کا رزم نامہ ہے۔یہ تصور علامتی،حقیقی،تاریخی اور تہذیبی ہے۔یہی سبب ہے کہ اصنافِ ادب میں رزم نامہ کو قدیم ترین تخلیقی صنف ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔وہ کونسا عہدِ تاریخ ہوسکتا ہے جس میں رزمِ حق و باطل کا عمل وقوع پذیر نہ ہوا ہو۔ایسا کوئی خیال صادق نہیں ہوسکتا۔گویا رزم، بزمِ حیات کا تحرّک عمل ہے۔یونانی ادب میں رزمیہ ادب وشاعری کے بے مثال عظیم تخلیقی نمونے موجود ہیں۔عرب،ایران اور ہندوستان کی ثقافت وتہذیب میں بھی رزم کی وہی اہمیت ہے جو دنیا کے کسی اور خطے میں ہوسکتی ہے۔مہابھارت کی ہزاروں کہانیاں رزمیہ نوعیت ہی کی ہیں۔عربی رزم ناموں کے علاوہ فارسی شاہ ناموں نے اُردو رزمیہ شاعری کو ترویج،موضوع،اسلوب اور افزودگی عطا کی۔اُردو میں حفیظ جالندھری

کا ''شاہنامہ ءِ اسلام'' بہت اہم تخلیق ہے۔الطاف حسین حالؔی کی ''مسدسِ حالؔی'' میں بھی رزم نامے کے نمایاں نقوش اُجاگر کئے گئے ہیں۔ہندوستان کی متعدد زبانوں میں داستانِ امیر حمزہ کو رزم و بزم کی صنف و اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔اٹھارہویں صدی میں غضنفر حسین نے طویل رزمیہ مثنوی تخلیق کی ۔اِس مثنوی کا نام ''جنگ نامہ عالم علی خان '' ہے۔ہندوستان کی متعدد زبانوں میں ''جنگ نامے'' رزمیہ شاعری کی بہت عمدہ اور زرخیز مثالیں پیش کرتے ہیں۔پاکستان میں 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے موضوع پر رزمیہ شاعری کا ایک خزانہ موجود ہے۔یہ رزمیہ شاعری ترانوں کی شکل میں تخلیق کی گئی ۔رزمیہ شاعری میں چونکہ کسی نہ کسی حوالہ سے خیر و شر،حق و باطل کا تصادم ہوتا ہے اِس لیے اُس کے کردار آدم و ابلیس کی عظمت و رذالت کی عکاسی کرتے ہیں۔اقدار کی وضاحت،تعمیم اور تحفظ انسانی کرداروں کی شکل میں کیا جاتا ہے۔یہ کردار اپنے مخصوص سوانحی نقوش،سیرت،اعمال،اقدار اخلاق کی وجہ سے سوانحی ادب میں متعلق تصور کئے جاتے ہیں۔

مرثیہ،نوحہ کا تعلق بھی رزمیہ شاعری اور اُس کے سیاق وسباق سے ہے۔سانحہ ءِ کربلا مسلمانوں کے لئے بہت بڑی رزمیہ تاریخ کا امین ہے۔رزمِ حق و باطل میں نواسہ ءِ ہائے رسول ﷺ مقتول و مظلوم ہوئے۔قتالِ کربلا بہت سی وجوہات کے سبب دنیا کے دیگر رزم ناموں سے بہت ہی مختلف اور منفرد سانحہ ہے۔شہیدانِ کربلا کے متعلق اُن کے پیرو کاروں اور عقیدت مندوں نے مرثیہ اور نوحہ کی تخلیق کو بہت زیادہ ارتقاء کیا۔یہ اصناف سانحہ ءِ کربلا کے حوالہ سے اب تک کی انسانی ادبی تاریخ میں ادبی تخلیقی اصناف ہیں۔نعت کی طرح مرثیہ اور نوحہ ہمیشہ تخلیق کیا جاتا رہے گا۔مرثیہ ''رثا'' کا مشتق ہے۔''رثا'' سے مراد کسی مظلوم و مقتول کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ''رونا'' ہوتا ہے۔اُردو ادب میں مرثیہ کی تخصیص سانحہ ءِ کربلا سے متعلق ہے۔تاہم بعض ایسے مرثیئے بھی مشاہدہ میں آتے ہیں جن کا تعلق سانحہ ءِ کربلا کے علاوہ کسی اور فرد یا واقعہ سے ہوسکتا ہے۔غالبؔ نے اپنے بچے کی پیدائش اور وفات پر لازوال مرثیہ کہا۔حالی ،غالبؔ،اقبال اور داغؔ کے ہاں ایسے 'مراثی' کی مثالیں دستیاب ہوجاتی ہیں۔اردو ادب میں مرثیہ کا سفر عرب سے ایران اور ہندوستان تک ہے۔ہندوستان میں ادبی تخلیقی زرخیزی کے مراکز لکھنو ،دہلی ،دکن مرثیہ کے تخلیقی سرچشمے ثابت ہوئے۔مرثیہ میں موضوع ہیرو کا سراپا،جنگ کے لئے رخصت کا منظر نامہ،رخصت کی اجازت حاصل کرنا،گھوڑے پر میدانِ جنگ میں اُترنا،ہیرو کا اپنے بزرگوں کی بہادری،شجاعی اقدار پر فخر کرنا اور پھر عملِ جنگ میں شریک ہوجانا،مرثیہ کے ترتیبی اور ترکیبی موضوعات و درجات ہیں۔اُردو ادب میں علامہ اقبالؔ،ریاضؔ،سرورؔ،چکبستؔ،جوشؔ،حفیظؔ جالندھری ،داغؔ،غالبؔ،حالؔی نے قابلِ ذکر مرثیے تخلیق کئے۔مگر جو مقام میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کو مرثیہ کی تخلیق کاری میں حاصل ہے وہ کسی اور مرثیہ نگار کو نصیب نہیں ہوسکا۔انیسؔ و دبیرؔ کا فنکارانہ موازنہ کو حالؔی نے اپنی تنقیدی اور تحقیقی پیش کاری میں ''موازنہ انیسؔ و دبیرؔ'' کے عنوان سے پیش کیا ہے۔انیسویں صدی میں ہندوستان میں تخلیق کی جانے والی شاعری کا عہد مرزا سوداؔ،

آتش وناسخ، کے علاوہ بہت سے نامی گرامی شعراء کی تخلیق کار پر مبنی ہے۔ اِس عہد میں مرثیہ کی تخلیق کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔ اُردو میں آل احمد سرور، علی جعفری اور روشن صدیقی نے بھی مرثیے پیش کئے۔ مرثیہ میں ہیرو اپنی اقدار کے لئے جان کی قربانی پیش کرتا ہے۔ اُس کی اقدار کو عالمی تناظر کی اخلاقیات کے عدسوں میں بنا سنوار کر پیش کیا جاتا ہے۔ مرثیہ میں موضوع و ممدوح کردار سوانحی اقدار و خصائص کا حامل ہوتا ہے۔ اِس حوالہ سے مرثیہ کا تعلق سوانحی ادب سے اُسی طرح کا ہے جیسے رزمیہ، ناول، افسانہ، مثنوی، دیومالا یا دیگر اصناف میں ہو سکتے ہے۔

مثنوی، ثنویّت، ثانویّت اور ثانوی کے ماخذات و مشتقات سے متعلق ہے۔ درخت ہوتا ہے تو اُس کا سایہ بھی لازم ہوتا ہے۔ درخت نہ ہو تو سایہ بھی نہیں ہوتا۔ شجر حقیقت اور اُس کا سایہ حقیقت کی ثنویت ہوتا ہے۔ انسانی علوم و فنون میں ایسے بے شمار موضوعات سے سابقہ رہتا ہے جن کو بیان، نمایاں اور پہچان کے ساتھ پیش کرنے کے لئے اُن کے سایہ یا ثنویت کا سہارا لینا ضروری ہوتا ہے۔ یوں بھی چونکہ ادب فنون لطیفہ میں اہم ترین تخلیقی فن ہے اِس لیے اُس کی حقیقت اور ثنویت اظہار و بیان کے لئے بنیادی آلات و ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کہانی حقیقی واقعہ کا سایہ یا عکس ہوتی ہے۔ اسے علم فلسفہ کی اصطلاح میں ''ثنویّت'' کہتے ہیں۔ مثنوی بڑی، شعری کہانی ہوتی ہے۔ واقعاتِ حیات گزر چکے ہوتے ہیں۔ اُن کے سائے، ثنویت کے اسلوب میں ''مثنوی'' کئے جاتے ہیں۔ گویا کہانی کسی بڑے حقیقی واقعہ کا شعری تخلیقی عکس ہوتا ہے۔ فن Arts کی تشریح بعض ماہرین اِسی حوالہ سے کرتے ہیں۔ اُردو ادب میں مثنوی کا وُرود فارسی ادب سے ہوا۔ شعری کہانی کا رواج تو تہذیب ہند کے تخلیقی ادب میں موجود تھا مگر یہ مثنوی کی اسلوب و نظم میں پیش نہیں کیا جاتا تھا۔ اردو ادب میں بابا فرید شکر گنج، کبیر داس اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی مثنویوں کو ابتدائی اہمیت حاصل ہے۔ شاہ علی محمد، جیو گام دھنی، میاں خوب محمد چشتی، حضرت گیسو دراز، شاہ میراں جی، شمس العشاق اور شاہ برہان الدین حاتم نے ابتدائی مثنویاں تخلیق کیں۔ مقیمی نے ''چندر بدن مہیار'' کے عنوان سے عشقیہ مثنوی نظم کی۔ نصرتی نے ''علی نامہ'' اور ہاشمی نے ''یوسف زلیخا'' کے عنوان سے مثنویاں تخلیق کیں۔ وجہی کی ''قطب مشتری''، ابنِ نشاطِ کی ''پھول بن''، غواصی کی ''سیف الملوک و بدیع الجمال اور طوطی نامہ''، طبعی کی ''بہرام و گل اندام'' مشہور مثنویوں میں شامل ہیں۔ سراج دکنی، ولی دکنی، میر تقی میر، مصحفی، میر حسن، پنڈت دیا شنکر نسیم، واجد علی شاہ قلق، حالی، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری اور اسماعیل میرٹھی نے جدید مثنوی کے ارتقاء میں عملی شراکت داری کی۔ مثنوی کا منظر نامہ انسانی کردار، سیرت اور اقدار کی علامتی تشریحات اور تعمیم پر مبنی ہوتا ہے۔ سوانحی ادب میں مثنوی کو اِس پہلو کے حوالہ سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسانوں کی کہانی انسانوں کی زبانی اور انسانوں کے لئے؛ سارا عمل سوانحی نوعیت ہی کا ہوتا ہے۔ اِس لیے مثنوی اور سوانحی ادب کا بنیادی اور اقداری تعلق ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اُردو ادب میں میر حسن دہلوی کی ''مثنوی سحر البیان'' کو نمایاں شناخت حاصل ہے۔ اِس شعری قصہ گوئی میں سوانحی ادب کے بے مثال نمونے دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ ''سخاوت کا بیان'' اور ''شجاعت کا بیان'' کے ابواب میں سے

درجِ ذیل منتخب اشعار سوانحی ادب سے متعلق ثابت ہوتے ہیں۔

''سخاوت کا بیان''

هوئی کم جو اک بار کچھ برشگال — گرانی سی ہونے لگی ایک سال
غریبوں کا دم سا نکلنے لگا — توکّل کا بھی پاؤں چلنے لگا
وزیر الممالک نے تدبیر کر — خدا کی دیا راہ میں مال و زر
یہ چاہا کہ خلقت کسی ڈھب جیے — کئی لاکھ لاکھ ایک دن میں دیے
یہ لغزش پڑی ملک میں جو تمام — لیا ہاتھ نے اس کے گرتوں کو تھام
ہر اک کام اس کا جہاں کی مراد — فلاطوں طبیعت ارسطو نژاد
جب ایسا وہ پیدا ہوا ہے بشر — تب اس کو دیا ہے یہ کچھ مال و زر

''شجاعت کا بیان''

غضب سے غضب اس کے کانپا کرے — تہور سے ہیبت بھی اس کے ڈرے
اور اس زور پر ہے یہ حلم وحیا — کہ ہے خلق کا جیسے دریا بہا
جہاں تک کہ ہیں علم کسب و کمال — ہر اک فن میں ماہر ہے وہ خوشخصال
سخنداں سخن سنج شیریں زباں — وزیر جہان و وحید زماں
سخن کی نہیں اس سے پوشیدہ بات — غوامض ہیں سب سہل ان کے نکات
سلیقہ ہر اک فن میں ہر بات میں — نکلتی نئی بات دن رات میں
سدا سیر پر اور تماشے پہ دل — کشادہ دلی اور خوشی متصل
نہ ہو اس کو کیونکر ہوائے شکار — تہوّر شعاروں کا ہے یہ شعار
دلیروں کو ہے بس دلیروں سے کام — کہ رہتا ہے شیروں کو شیروں سے کام

حکایت Fable: قصہ، کہانی، داستان، دیو مالا، ناول، افسانہ اور حکایت میں کہانی مرکزی اور مشترک قدر ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے عالمی ادب میں بہت سی زبانوں میں حکایات کے مجموعہ جات مشاہدہ میں آتے ہیں۔ انگریزی ادب میں ''کینٹر بری قصے Canturbury Tales'' حکایات کی بہت ہی نمایا مثال ہے۔ ایک بڑا کارواں کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے اور پھر قافلہ کے ہر فرد کو کوئی نہ کوئی قصہ، کہانی سنانا ہوتی ہے۔ کہانی اور اُس کے واقعات کے متوازی کوئی اخلاقی سبق ہوتا ہے۔ سفر گزاری کا خوش گوار ماحول بھی قصہ گوئی کے باعث سفر گزاری کا ماحول بھی خوشگوار انداز اور وقت میں

گزرتا رہتا ہے۔انسانی ذہن سوچنے وسمجھنے کے عمل میں مصروف رہتا ہے۔اپنی منزل کی طرف گامزن رہتے ہوئے انسانی اخلاقیات کا پرچار بھی ہوتا رہتا ہے۔فارسی ادب میں حکایت بہت نمایاں صِنفِ ادب کی حیثیت رکھتی ہے۔اِس طرح کی کہانی میں فرضی، غیرحقیقی، غیرانسانی، مافوق الفطرت، داستانوی اور دیومالائی کرداراورواقعات ہوتے ہیں۔فارسی اوراُردو ادب کے اخلاقی سبق عام طور پرتصوف کے موضوعات سے اخذ کئے جاتے ہیں۔کہانی کے کرداروں میں انسانوں کی آساں سبق آموزی کے لئے پردے، جانور، جنگل، دریا، پہاڑ اوراُن کے ماحول کی بہت سی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔فارسی ادب میں مولانا رومؒ، شیخ سعدیؒ اور عطّار کی حکایات بے مثال ہیں۔اُردوادب سے پہلے تہذیب ہند کے ادب میں حکایت کی تخلیقی مثالیں مشاہدہ میں آتی ہیں۔سن سکرت میں ''پنج تنتر'' تہذیب ہند کی حکایات کا بہت بڑا خزانہ ہے۔یہ حکایات تراجم کی وساطت سے عالمی ادب عالیہ کا اہم ترین حصہ ہیں۔عطّار کی ''منطقُ الطّیر'' حکایات کی بہت ہی مکمل مثال پیش کرتی ہے۔پردے بظاہراپنی عقلیت کا اظہار کرتے ہیں اور در حقیقت انسانوں کے ذہن ،جبلّت ،نفسیات، روحانیت،تخلیق اور دیگر سماجی رویّوں اور اعمال کی شرح کرتے ہیں۔مولانا رومؒ اور شیخ سعدی کی حکایات کے تراجم اُردوادب کا بیش بہاخزانہ ہے۔اُردوادب میں اِس صنفِ ادب کوزیادہ تخلیقی نمُونصیب نہیں ہوئی۔تاہم عہدِ جدید میں طویل ناول، افسانہ کے ساتھ ساتھ مختصرافسانہ اور حکایت کی روایت کا آغاز بھی ہوتا ہوانظر آتا ہے۔حکایت انسانوں کی کہانی ہوتی ہے انسان بیان کرتا ہےاورانسان ہی اُس کے سننے اور سمجھنے والے ہوتے ہیں۔یہ قدریں حکایت کو سوانحی ادب کے ساتھ مربوط کردیتی ہیں۔

حکایت

''بزدل غلام''

شیخ سعدیؒ

'' ایک بادشاہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کی سیر کر رہا تھا۔کچھ درباری اور چند غلام بھی ساتھ تھے۔ان میں ایک غلام ایسا تھا جو پہلے کبھی کشتی میں نہ بیٹھا تھا اس لیے وہ بہت خوفزدہ تھا اور ڈوب جانے کے خوف سے رو رہا تھا۔بادشاہ کو اس کا اس طرح رونا اورخوف زدہ ہونا بہت ناگوار گزر رہا تھا لیکن غلام پر منع کرنے اور ڈانٹنے ڈپٹنے کا بالکل اثر نہ ہوتا تھا۔

کشتی میں ایک جہاندیدہ اور دانا شخص بھی سوار تھا۔اس نے غلام کی یہ حالت دیکھی تو بادشاہ سے کہا کہ اگر حضور اجازت دیں تو یہ خادم کا ڈر دور کردے؟ بادشاہ نے فوراًاجازت دے دی اور دانشمند نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس شخص کو اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔غلاموں نے حکم کی تعمیل کی اور رونے والے غلام کو اٹھا کر دریا کے اندر پھینک دیا۔جب وہ تین چار غوطے کھا چکا تو دانا شخص نے غلاموں سے کہا کہ اب اسے دریا سے نکال کر کشتی میں سوار کرلو چنانچہ غلاموں نے اس کے سر

کے بال پکڑ کر کشتی میں گھسیٹ لیا اور وہ غلام جو ذرا دیر پہلے ڈوب جانے کے خوف سے بڑی طرح رو رہا تھا بالکل خاموش اور پرسکون ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

بادشاہ نے حیران ہو کر سوال کیا کہ آخر اس بات میں کیا بھلائی تھی کہ تم نے ایک ڈرے ہوئے شخص کو دریا میں پھنکوا دیا تھا اور مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ اب خاموش بھی ہو گیا ہے؟

دانا شخص نے جواب دیا حضور والا! اصل یہ تھی کہ اس نے کبھی دریا میں غوطے کھانے کی تکلیف نہ اٹھائی تھی۔ اس طرح اس کے دل میں اس آرام کی کوئی قدر نہ تھی جو اسے کشتی کے اندر حاصل تھا۔ اب دونوں کی حقیقت اس پر روشن ہو گئی اور خاموش ہو گیا۔''

سعدیؒ نے اس حکایت میں انسان کی یہ نفسیاتی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ جس شخص نے کبھی تکلیف دیکھی ہی نہ ہو وہ اس کی قدر و قیمت سے آگاہ نہیں ہوتا جو اسے حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ایسا شخص جسارت اور قوت برداشت سے بھی محروم ہوتا ہے۔ مسرت اور کامیاب زندگی وہی شخص گزار سکتا ہے جو رنج و راحت دونوں سے بخوبی آگاہ ہو۔

ملفوظات: قدیم ہندوستان کا جغرافیہ اُردو ادب کا وطن ہے۔ عرب اور ایران کے بزرگ، صوفیائے کرام اپنے فکری خیالات، اخلاقی نکات، تجزیاتی شرح کاری اور اُن سے حاصل کردہ درس وعبرت کو ملفوظات کی شکل میں پیش کرتے تھے۔ قدیم ہندوستان ہندوؤں کی تہذیب تھا جس میں مسلمانوں کی آمد اور دین اسلام کی پذیرائی ہوئی۔ تجارت اور جنگوں کی وجہ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ہندوستان کی عوام پر مسلمانوں کی جنگوں کے اثرات صوفیائے کرام کے سلوک و برتاؤ کی وجہ سے نرم ہوتے گئے۔ ہندو سماج میں مسلمانوں کی قبولیت بڑھتی گئی۔ صوفیائے کرام نے اسلام کا عالمی تشخص پیش کیا۔ صوفیائے کرام کے علاوہ مقامی مسلمان امام اور خطیب نے بھی اِس لحاظ سے بہت ہی اہم کردار ادا کیا۔ مسجدوں کے چھوٹے چھوٹے عالم ، امام، خطیب اور مدرس عوام تک دینِ اسلام کا پیغام بہت ہی نرم خوئی اور عجز و انکسار کے ساتھ پہنچاتے تھے۔ اِس لحاظ سے یہ نتیجہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کہ ہندوستان میں فروغِ اسلام کی قبولیت کا سہرا صوفیائے کرام اور چھوٹے چھوٹے مقامی عالم، امام اور خطیبوں کے سر ہے۔ اُن کی سوچ کا اظہار اُن کے ملفوظات یا فرمودات تھے۔ اِس سے انسان ایک دوسرے کے قریب آنے اور ایک دوسرے کو قبول کر لینے کی صلاحیت میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ اِس طرح ہندو مسلم! فاتح اور مفتوح کا تعلق ظالم اور مظلوم کا تعلق رہنے کی بجائے قابلِ قبول، ہم آہنگی، بھائی چارہ اور باہمی تعاون کی نرم ثقافت اور تہذیب میں منقلب ہوتا گیا۔ ملفوظات اور فرمودات انسانیت کی فلاح و بہبود کے بیانیہ تھے اور عہدِ جدید میں بھی سوانحی ادب کے ساتھ اپنے قدیم ارتباط کے انداز میں زندہ و موجود ہے۔ شرحِ قرآن، احادیث، حکایات اور

شاعری کے علاوہ ملفوظات اور فرمودات میں فلسفہ اور اخلاقیات کے نثری نمونے تجسس کئے جا سکتے ہیں۔فارسی ملفوظاتی وراثت کے نتیجہ میں اُردو ادب نے بہت ہی توانا روایت کی بنیاد رکھی۔

عنوان ملفوظات	ملفوظات نویس	عنوان ملفوظات	ملفوظات نویس
انیس الارواح	شیخ خواجہ عثمانی ہارونی	1۔دلیل العارفین 2۔جامع	خواجہ معین الدین چشتی اجمیری
اسرارالاولیاء	فریدالدین گنج شکراجودھنی	سرالصدور	حمیدالدین ناگوری
کنوزالفوائد	صدرالدین محمد بن ذکریا ملتانی	فوائدالفواد	نظام الدین اولیا
افضل الفوائد،تحفۃ الابرار وکرامۃ الخبار	نظام الدین اولیا،مجموع الفوائداورانوارالمجالس	1۔نفائس الانفاس 2۔احسن الاقوال 3۔غریب الکرامات 4۔بقیۃ الغرائب 4۔اخبارالخیار	برہان الدین غریب
خیرالمجالس	نصیرالدین محمود چراغ دہلوی	جوامع الکلم	بندہ نواز گیسودراز حضرت سید محمد بن یوسف حسینی
1 فوائدرکنی 2۔معدن المعانی 3۔لطائف المعانی 4۔مخ المعانی 5۔خوانِ پُر نعمت 6۔زادالفقیر	مخدوم بہار شرف الدین یحییٰ منیری	خزینۃ الفوائدالجلالیہ وجامع العلوم	جلال الدین حسین بن احمد بخاری اوچھی
لطائفِ اشرافی	اشرف جہاں گیرسمنانی کچھو چھوی	گنج لاتخفیٰ	حسین بن معزالدین بلخی بہاری
رفیق العارفین	حسام الدین مانک پوری	تحفۃ المجالس	احمد بن عبداللہ مغربی لکھنوی
مناہج الشطار	محمد بن علامنیری عرف قاضن	مقاماتِ خضرویہ	دانیال بن حسن خضری
جامع الکلم	عبداللہ بن بہلول سندیلوی	ثمرۃ الحیات	برہان الدین شطاری برہان پوری

روائح الانفاس	شیخ برہان الدین غریب	ملفوظاتِ ہاشم بن برہان الدین علوی گجراتی	ملفوظاتِ شیخ ہاشم بن برہان الدین علوی گجراتی
مونس الطالبین	شیخ پیر محمد پٹنی	ملفوظاتِ شاہ محمد مینا لکھنوی	شاہ محمد مینا لکھنوی
الفوائد السعدیہ	شاہ محمد مینا لکھنوی	ملفوظاتِ رزاقی	شیخ عبدالرازق حسینی بانسوی
شاہ فخر الدین دہلوی	شاہ فخر الدین دہلوی	فوائدِ فخریہ	شاہ فخر الدین دہلوی
شیخ عبداللہ بن عبدالباقی نقشبندی	شیخ عبداللہ بن عبدالباقی نقشبندی	دارالمعارف	شاہ غلام علی علوی دہلوی
نافع السالکین	شاہ سلیمان تونسوی	ملفوظاتِ شیخ حبیب اللہ شطاری بیجاپوری	شیخ حبیب اللہ شطاری بیجاپوری
ہدایۃ القلوب ودلیل السالکین وجنۃ القلوب و جنۃ المحبوب	شیخ زین الدین داؤد بن حسین شیرازی دولت آباد	جواہر اعلیٰ	شیخ عبدالسلام پانی پتی
ملفوظاتِ حضرت اخی جمشید راجگیر ی	حضرت اخی جمشید راجگیر ی	ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ملفوظاتِ عزیزی)	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ملفوظاتِ عزیزی)
ملفوظاتِ مولانا روم (مثنوی ،معنوی، مولوی)	مولانا روم	الملفوظ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی
ملفوظاتِ اشرف علی تھانوی	اشرف علی تھانوی	ملفوظات کلیمی موسوم بہ مجالسِ کلیمی	کلیمی موسوم بہ مجالسِ کلیمی
ملفوظاتِ خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی	خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی	مناقب الحسن	
فواتح العرفان		احسن الشمائل	
سلطان العارفین ،سلطان باہو،شورکوٹ، جھنگ۔	حکایات ۔ابیات	بدرالکاملین حضرت سیدنا شہباز محمد بھاگل پوری	

خالد محمود خان

تصانیف

تحقیق و تنقید

☆ میرؔ جی
میر تقی میرؔ کے شعری کردار
☆ فکشن کا اسلوب
☆ مارکسی ادبی تنقید: تحقیق و ترجمہ
ٹیری ایگلٹن
☆ جدید تنقیدی نظریات
☆ تنقیدی مطالعات
☆ نظریۂ تنقید
افریقی، امریکی مطالعات
☆ سوانحی اَدب
☆ قانون ساز بادشاہ
حَمورابی
ترجمہ قوانینِ حَمّورابی
☆ ہٹلر کی محبوبہ: سوانح اور ڈائری
تحقیق و ترجمہ
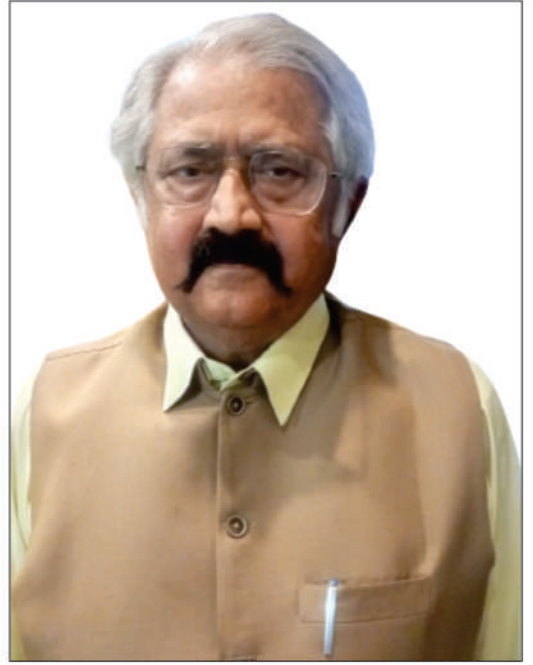
علمِ ترجمہ

☆ فنِ ترجمہ نگاری: نظریات
☆ فنِ ترجمہ نگاری، : لفظوں کی ثقافت کا نظریہ
☆ فنِ ترجمہ نگاری: اطلاقی جہات
☆ فنِ ترجمہ نگاری: تاریخ ترجمہ

لُغاتیات

☆ لُغات ادبیات
☆ لُغات لسانیات
☆ لُغات ترجمہ

تراجم

☆ آزادی کا طویل سفر
نیلسن منڈیلا کی آپ بیتی
☆ الکیمسٹ
پالوکوئیلھو؛ ناول

☆ یادِ یارِ مہرباں
شخصی خاکہ

تخلیقی ادب

☆ تیری کہانی میری: افسانے
☆ ورق شاپ: ڈرامہ